سرکاری رپورٹ

صوبائی اسمبلی پنجاب

مباحثات

ہفتہ' 31- مارچ 1990ء

(شنبہ 3 ' رمضان المبارک 1413ھ)

جلد [illegible]

مندرجات

	صفحہ
تلاوت قرآن پاک اور ترجمہ	1
چیئر مینوں کا پینل	3
پوائنٹ آف آرڈر:	
آئین کے آرٹیکل (3)54 و 127 کے تحت اراکین کی ریکوزیشن پر اجلاس بلانے کی مقررہ مدت چودہ دن شمار کرنے کا طریق کار	3
مسئلہ استحقاق:	
پولیٹیکل کونسلر برائے وزیر اعلیٰ کی غیر آئینی تقرری	9
رکن اسمبلی پر قاتلانہ حملہ	22
حکمت عملی کے اصولوں پر عملدر آمد کے بارے میں رپورٹ اسمبلی میں پیش کرنے میں تاخیر	26

جاری------

مسودات قانون (جو ایوان کی میز پر رکھے گئے)

ہنگامی قانون 'ترقیاتی ادارہ 'ڈیرہ غازی خان' مجریہ 1990ء ---------------31

ہنگامی قانون (ترمیم پنجاب) انتظام کارخانہ جات شکر سازی مجریہ1990ء ---------------32

ہنگامی قانون' حق شفع پنجاب' مجریہ1990ء ---------------32

آزادی صحافت پر بحث ---------------33

اجلاس کی طلبی کا فرمان

ORDER

In exercise of the powers conferred by Article 54(3) read with Article 127 of the Constitution of the Islamic Republic of Pakistan, I, Mian Manzoor Ahmed Wattoo, Speaker, Provincial Assembly of the Punjab, hereby summon the Provincial Assembly of the Punjab to meet on Saturday, the 31st March, 1990 at 10:30 a.m. at the Assembly Chambers, Lahore.

LAHORE: MIAN MANZOOR AHMED WATTOO

Speaker

The 28, March, 1990. Provincial Assembly of the Punjab

صوبائی اسمبلی پنجاب

صوبائی اسمبلی پنجاب کا دسواں اجلاس

ہفتہ 31 مارچ 1990ء

(شنبہ 3 رمضان المبارک 1410ھ)

صوبائی اسمبلی پنجاب کا اجلاس اسمبلی چیمبرز میں 11 بج کر 50 منٹ پر منعقد ہوا۔ جناب سپیکر میاں منظور احمد وٹو کرسی صدارت پر متمکن ہوئے۔

تلاوت قرآن پاک اور ترجمہ قاری سید صداقت علی نے پیش کیا۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ
بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ
يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ
وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا ھَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝185 وَاِذَا
سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا
دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝186

سورہ البقرہ آیات 185,186

روزوں کا مہینہ رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور جس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو حق و باطل کو الگ الگ کرنے والا ہے تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں رکھ کر ان کا شمار پورا کرے خدا تمھارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا اور آسانی کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ تم روزوں کا شمار پورا کر لو اور اس احسان کے بدلے کہ خدا نے تم کو ہدایت بخشی ہے تم اس کو بزرگی سے یاد کرو اور اس کا شکر ادا کروo اور اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تم سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو کہہ دو کہ میں تو تمھارے پاس ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیے کہ میرے حکموں کو مانیں مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک رستہ پائیں۔

وما علینا الاالبلاغo

چیئرمینوں کا پینل

نواب زادہ غضنفر علی گل، پوائنٹ آف آرڈر۔۔۔

جناب سپیکر۔ نواب زادہ صاحب! تشریف رکھیں۔ سیکرٹری صاحب پہلے پینل آف چیئرمین کا اعلان کر دیں۔

سیکرٹری اسمبلی۔ قواعد انضباط کار صوبائی اسمبلی پنجاب 1973 کے قاعدہ نمبر 14 کے تحت جناب سپیکر نے اسمبلی کے اجلاس ہذا کے لیے چار معزز اراکین پر مشتمل حسب ترتیب و تقدیم صدر نشینوں کی جماعت تشکیل فرمائی ہے۔

(1) ملک غلام محمد ٹوانہ صاحب۔

(2) میاں محمود الرشید صاحب۔

(3) ملک حاکمین خان صاحب۔

(4) چودھری محمد ظہیر الدین صاحب

پوائنٹ آف آرڈر

آئین کے آرٹیکل (3)54 و 127 کے تحت اراکین کی ریکوزیشن پر اجلاس بلانے کی مقررہ مدت چودہ دن شمار کرنے کا طریق کار

نواب زادہ غضنفر علی گل، پوائنٹ آف آرڈر۔۔۔

Article54 (3): On a requisition signed by not less than one fourth of the total membership of the National Assembly, the Speaker shall summon the National Assembly to meet, at such time and place as he thinks fit, within fourteen days of the receipt of the requisition; and when the Speaker has summoned the Assembly only he may prorogue it.

جناب والا! اس میں گزارش یہ ہے کہ جو بھی اجلاس requisition ہوتا ہے اس کو

بلانا ہوتا ہے۔ ہماری طرف سے within fourteen days of the receipt of the requisition
requisition سترہ تاریخ کو دی گئی ہے۔ 17 تاریخ سے اگر ہم لیں تو 14 دن 30 مارچ تک بنتے ہیں یعنی
جمعہ تک۔ آج 31 تاریخ ہے 31st March is fifteenth day of the receipt of the requis'tion
میرے خیال میں یہ اجلاس مقررہ مدت کے بعد بلایا گیا ہے۔ ultravires of the Constitution (قطع کلامیاں)

جناب سپیکر: آرڈر۔ آرڈر۔ ڈار صاحب آپ تشریف رکھیں۔ کوئی معزز رکن کوئی دوسرے معزز رکن کو ہاتھ لگا کر بٹھانے کی کوشش نہ کرے۔ یہ کوئی طریق کار نہیں میاں منظور احمد موہل صاحب! نواب زادہ صاحب کا پوائنٹ آف آرڈر ہے مجھے پہلے اس کو dispose of کرنا ہے پھر آپ اپنا پوائنٹ آف آرڈر پیش کر سکتے ہیں۔

میاں منظور احمد موہل: مجھے اسی کے بارے میں عرض کرنا ہے۔

جناب سپیکر: اسی کے بارے میں آپ بعد میں بات کیجیے مجھے پہلے اس کو dispose of کرنے دیجئے۔

سید ذاکر حسین شاہ: رولنگ دینے سے پہلے مجھے بھی اسی پر بات کرنی ہے۔ (قطع کلامیاں)

جناب سپیکر: نواب زادہ صاحب! آپ کے پوائنٹ آف آرڈر پر میری observation یہ ہے کہ آپ پہلے دن کو اس میں شمار کر رہے ہیں۔ میرے پاس آپ کی requisition 17 تاریخ کو آئی ہے اور اس پر ہم نے 31 تاریخ مقرر کی ہے۔ آپ 17 کو اس میں شمار کر رہے ہیں' جب کہ اس میں 17 شمار نہیں ہو گا۔ پہلا دن 18 تاریخ سے شروع ہو گا۔ جب پہلا دن 18 تاریخ سے شروع ہو گا تو 31 تاریخ کو چودہ دن ہوتے ہیں۔

نواب زادہ غضنفر علی گل: جناب والا! یہ آپ کی اور میری بات نہیں' آئین کی بات ہے۔ آپ اس کو پڑھیں۔

چوہدری محمد فاروق: جناب والا! نواب زادہ صاحب کو حساب پڑھایا جائے تاکہ انھیں گنتی صحیح طریقے سے آ سکے۔

جناب سپیکر: نواب زادہ صاحب! آپ یہ پڑھیں۔

نواب زادہ غضنفر علی گل: جناب والا! میں پڑھتا ہوں۔ اس میں یہ ہے،

Within fourteen days of the receipt of the requisition.

جناب سپیکر، ہاں، یہی ہے۔

نواب زادہ غضنفر علی گل، "of the receipt" ہے' after the receipt نہیں۔ تو اس میں 17 included ہے۔ یہ انگریزی زبان کا مسئلہ ہے۔ اس پر ماہرانہ رائے لے لیں۔ یہ آئین کا مسئلہ ہے۔ اس پر آپ اس طرح سے بات نہیں کر سکتے۔

MR SPEAKER: This is the ruling of the chair, 17th is not included in 14 days.

نواب زادہ غضنفر علی گل، میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس پر رائے لے لیجیے کہ "of" کا مطلب after ہوتا ہے' یا کچھ اور۔

جناب سپیکر، آپ تشریف رکھیے۔ میں نے فیصلہ دے دیا ہے۔

سید ذاکر حسین شاہ، پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب سپیکر! نواب زادہ صاحب نے آرٹیکل(3)54 پڑھا ہے۔ آپ آرٹیکل 127 کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔ نواب زادہ صاحب نے جو (3)54 پڑھا ہے وہ قومی اسمبلی کے بارے میں ہے کہ within 14 days جب کہ آرٹیکل-127 میں یہ کہا گیا ہے' اور آرٹیکل 54 کی شق-2 اور 3 ہے کہ جب قومی اسمبلی کا اجلاس بلایا جاتا ہے تو آپ قومی اسمبلی کا ریکارڈ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ 127(الف) میں یہ کہا گیا ہے، ان ارکان میں مجلس شوریٰ' پارلیمنٹ' کسی ایوان میں قومی اسمبلی کا کوئی حوالہ صوبائی اسمبلی کے حوالے کے طور پر پڑھا جانے کا تو قومی اسمبلی کی روایت یا طریق کار کا اطلاق صوبائی اسمبلی پر ہو گا۔ جب سے قومی اسمبلی وجود میں آئی ہے' یہ کبھی نہیں ہوا کہ پندرہویں دن اجلاس بلایا گیا ہو یا جس دن requisition وصول ہوئی ہے' اس دن کو exclude کیا جائے۔ آپ قومی اسمبلی کے کسی ایک اجلاس کے بارے میں بتا دیں کہ جس میں جس دن نوٹس وصول ہوا ہو' اس کو exclude کیا گیا ہو اور پندرہویں دن اجلاس بلایا گیا ہو۔ قومی اسمبلی میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ لہذا یہ اجلاس آئین کے آرٹیکل (3)54 read with Article 127 کی خلاف ورزی ہے۔ اس کی کوئی آئینی قدر و قیمت نہیں۔ جتنی آج کارروائی ہو گی' یہ ایک غیر آئینی اجلاس کی کارروائی ہو گی۔ میں نے آج صبح ایک تحریک استحقاق کا بھی نوٹس دیا ہوا ہے کہ یہ آئین کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ آپ اس کی deeper appreciation

کریں۔ آپ اس پوائنٹ آف آرڈر پر قومی اسمبلی سے رجوع کر سکتے ہیں کہ ہمارا پوائنٹ آف آرڈر آئین کے مطابق ہے۔

جناب سپیکر، شکریہ۔ تشریف رکھیں۔ میاں منظور احمد موہل صاحب پوائنٹ آف آرڈر پر بات کرنا چاہتے ہیں۔

میاں منظور احمد موہل، جناب سپیکر! جب آپ رولنگ دے دیں تو کیا اس رولنگ پر پوائنٹ آف آرڈر اٹھایا جا سکتا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ میرے فاضل دوست استدلال کر رہے ہیں کہ یہ پندرہواں دن ہے۔ تو یہ پندرہواں دن نہیں' چودھواں ہے۔ 17 کو requisition آئی' 18 ایک دن'19 دوسرا اور پھر اسی طرح سے۔ آج چودھواں دن ہے۔ 17 کو requisition دی ہے تو 18 کو ایک دن بنے گا۔ یعنی اسی لئے ایک دن نہیں بن جاتا۔

جناب سپیکر، سید ذاکر حسین شاہ صاحب نے پوائنٹ آف آرڈر پر وہی مسئلہ اٹھایا ہے جو نواب زادہ غضنفر علی گل صاحب نے اٹھایا تھا۔ میں انھیں بتانا چاہتا ہوں کہ اس پر میں رولنگ دے چکا ہوں اور ان کے پوائنٹ آف آرڈر پر وہی رولنگ اطلاق کرے گی۔

جناب محمد اقبال خان، جناب سپیکر! میں نے اپنے عہدے' سپیشل اسسٹنٹ سے استعفیٰ دے دیا ہوا ہے۔ وہ privileged seat ہے۔ میری سیٹ کے متعلق بتایا جائے کہ کہاں ہے؟

جناب سپیکر، جب تک آپ کی سیٹ تبدیل نہیں ہو جاتی' اس وقت تک آپ اسی سیٹ پر تشریف رکھیے۔

جناب فضل حسین راہی، کیا یہ وہاں عام ممبر کی حیثیت سے بیٹھیں گے؟

جناب سپیکر، ہمارے پاس ابھی اس بات کا نوٹیفکیشن نہیں آیا تھا' نہ ہی اقبال خان ٹکا صاحب کی طرف سے کوئی باضابطہ اطلاع آئی تھی' اس لیے ہم نے ابھی ان کی سیٹ تبدیل نہیں کی۔ اب انھوں نے کہا ہے تو ہم ان کی سیٹ تبدیل کر دیں گے۔

ملک حاکمین خان، جناب سپیکر! اقبال ٹکا صاحب کی اخلاقی جرات پر اور جس طرح انھوں نے اعلان فرمایا ہے اس پر میں انھیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسی طرح بااصول لوگ کیا کرتے

ہیں جب ان کے اصولوں پر زد پڑتی ہے۔

جناب سپیکر، اب ہم تحاریک استحقاق کو لیتے ہیں۔ چودھری طاہر بشیر چیمہ صاحب کی تحریک استحقاق نمبر 44 ہے۔

بابو محمد منیر، پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب سپیکر! آج کے اخبارات پڑھیں۔ آج چیف منسٹر صاحب کی طرف سے اقبال ٹکا صاحب پر الزامات کی ایک فہرست دی گئی ہے اور جناب اقبال ٹکا صاحب کی طرف سے چیف منسٹر صاحب پر الزامات کی ایک فہرست دی گئی ہے۔ میری رائے ہے اور میں ایوان میں استدعا کروں گا کہ دونوں کو تقاریر کا موقع دیا جائے۔ وہ اس ایوان میں اپنا اپنا موقف بیان کریں اور عوام کو پتا چلے کہ کس نے اس گورنمنٹ کو لوٹا ہے۔ اور یہ بہت ضروری ہے۔ (نعرہ ہائے تحسین) جناب والا! میری دوسری درخواست یہ ہے کہ گوجرانوالہ میں ٹرسٹ پلازہ پر دو تین ماہ کے بعد ایک نمائش لگائی جاتی ہے۔۔

جناب سپیکر، یہ آپ کون سے مسئلے پر بات کرنا چاہتے ہیں؟

بابو محمد منیر، یہ میرا پوائنٹ آف آرڈر ہے۔

جناب سپیکر، مجھے افسوس ہے کہ یہ پوائنٹ آف آرڈر نہیں ہے۔

بابو محمد منیر، یہ پوائنٹ آف آرڈر ہے

جناب سپیکر، یہ کوئی پوائنٹ آف آرڈر نہیں۔

بابو محمد منیر، جناب والا! میری صرف اتنی گزارش ہے کہ ان دونوں صاحبان کو تقاریر کرنے کا موقع دیا جائے تا کہ اقبال ٹکا صاحب کے متعلق پوزیشن واضح ہو سکے۔

مسئلہ استحقاق

جناب سپیکر، یہ طاہر بشیر چیمہ صاحب کی تحریک استحقاق ہے۔ اس کا نمبر 44 ہے۔ وہ تشریف نہیں رکھتے۔

نواب زادہ غضنفر علی گل، جناب والا! میری تحریک استحقاق نمبر 41 ہے۔

جناب سپیکر، چودھری صاحب کی یہ تحریک استحقاق پچھلے اجلاس میں آئی تھی اور اس کو ہم نے

pending کر دیا تھا۔ اب یہ dispose of تصور ہو گی۔

نواب زادہ غضنفر علی گل، آپ نے تحریک استحقاق نمبر 41 کو بھی پچھلے سیشن میں pending کیا تھا۔

جناب سپیکر، نمبر 41 نواب زادہ غضنفر علی گل صاحب کی ہے۔

نواب زادہ غضنفر علی گل، جناب سپیکر! قبل اس کے کہ میں اپنی تحریک استحقاق پڑھوں۔

محترمہ فوزیہ بہرام، جناب سپیکر! میری ایک تحریک استحقاق ہے وہ نہ صرف میرے متعلق ہے بلکہ پنجاب کے عوام کی تکلیف اور ایک سیکرٹری کے متعلق ہے۔ اگر یہ ایوان اجازت دے تو اس کو آؤٹ آف ٹرن لیا جائے۔

جناب سپیکر، آپ نے لکھ کر دے دی ہے؟

محترمہ فوزیہ بہرام، جی ہاں! میں نے لکھ کر دے دی ہے۔

جناب سپیکر، اچھا۔ موہل صاحب پوائنٹ آف آرڈر پر ہیں۔

میاں منظور احمد موہل، جناب سپیکر! میرا پوائنٹ آف آرڈر یہ ہے کہ نمبر 41 جو کہا گیا ہے۔ آیا یہ پچھلے اجلاس کی تحریک استحقاق ہے یا اس اجلاس کی تحریک استحقاق ہے؟ کیونکہ پہلے اجلاس کے دوران جو بھی مسائل اٹھتے ہیں وہ ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کے لیے نئے نوٹس دینے پڑتے ہیں۔ رولز آف بزنس کے مطابق ماسوائے سوالات کے تمام بزنس ختم ہو جاتا ہے۔ اگر یہ تحریک استحقاق اس اجلاس کے دوران کی ہے تو وہ اسی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے نیا نوٹس دینا ضروری ہے۔

جناب سپیکر، میاں صاحب! آپ کی یہ بات درست ہے۔ لیکن پچھلے اجلاس میں کچھ تحاریک استحقاق تھیں جو ٹیک اپ ہو گئیں تھیں ان کو ختم ہونے سے بچانے کے لیے اور اگلے اجلاس میں بطور سپیشل کیس لانے کے لیے کہہ دیا تھا۔

رانا اکرام ربانی، جناب سپیکر! میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں میری بھی تحریک استحقاق نمبر 12 ہے لیکن آپ نے اس سے پہلے نمبر 41 کو بلایا ہے۔

جناب سپیکر، کیا یہ اس سیشن کی ہے یا پچھلے سیشن کی ہے۔

رانا اکرام ربانی، یہ اس سیشن کی ہے۔

جناب سپیکر، اگر وہ اس سیشن کی ہے تو وہ ٹیک اپ ہو گی۔

نوابزادہ غضنفر علی گل، قبل اس کے کہ میں اپنی تحریک استحقاق کو پیش کروں ایوان کی اطلاع کے لیے عرض ہے۔ اقبال نکا صاحب کی سیٹ پر ان سے پہلے اختر رسول صاحب بیٹھا کرتے تھے ان کے ساتھ بھی یہی حادثہ ہوا تھا۔ یہ سیٹ ایسی ہے کہ اس پر آئندہ کسی کو بٹھایا نہ جائے۔

چودھری اختر رسول، جناب والا! یہ ادھر آ جائیں ان کو یہ سیٹ دے دی جائے گی۔

نوابزادہ غضنفر علی گل، خدا نہ کرے کہ میں ادھر آؤں اور ذلیل ہوں۔

پولیٹیکل کونسلر برائے وزیر اعلیٰ کی غیر آئینی تقرری

جناب والا! میں حال ہی میں وقوع پذیر ہونے والے ایک اہم اور فوری مسئلہ کو زیر بحث لانے کے لیے تحریک استحقاق پیش کرتا ہوں۔ جو اسمبلی کی فوری دخل اندازی کا متقاضی ہے معاملہ یہ ہے کہ مورخہ 22 جنوری 1990 از روئے نوٹیفکیشن نمبر سی اے بی/12-14-88/12 ازاں انور زاہد چیف سیکرٹری پنجاب درج ذیل ہے۔

The Chief Minister of Punjab has been pleased to appoint Mr. Naveed Malik as Political Counsellor to Chief Minister with the rank and status of an Advisor with immediate effect.

مسٹر نوید ملک کو وزیراعلیٰ کا سیاسی کونسلر مقرر کیا گیا ہے۔ آئین میں یا پنجاب حکومت کے بزنس رولز میں یا کسی اور قانون میں سیاسی کونسلر کے تقرر کی گنجائش نہ ہے۔ بزنس رول کا شیڈول نمبر 7 رول کے نمبر 18(5) پر تقرریوں کا ذکر ہے۔ اس میں سیاسی کونسلر کا کوئی ذکر نہ ہے۔ لہذا یہ تقرر غیر قانونی اور بلا جواز ہے۔ علاوہ ازیں اگر رولز آف بزنس کے رول نمبر 11(a) کو آئین کے آرٹیکل 129 کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ تو وزراء اور مشیران کی تقرری گورنر پنجاب کے حکم سے ہوتی ہے۔ انتظامیہ اختیار یعنی executive authority گورنر پنجاب ہیں۔ اس لحاظ سے بھی یہ تقرری آئین اور رولز آف بزنس کی صریح خلاف ورزی ہے بلکہ ایسا عمل ہے جس کی آئین اور رولز میں گنجائش ہی نہیں۔ اس کی تقرری سے نہ صرف میرا بحیثیت رکن صوبائی اسمبلی اور قانون ساز کے بلکہ پورے ایوان کا استحقاق مجروح ہوا ہے لہذا

میری تحریک استحقاق کو مناسب کارروائی کے لیے استحقاق کمیٹی کے سپرد کیا جائے۔

جناب والا! یہ عجیب و غریب سی بات ہے۔ اور پنجاب کے اندر ایک ریت پڑ گئی ہے کہ جن عہدوں کی یا تقرریوں کی یا حکومت پنجاب کے بزنس رول کے اندر کوئی گنجائش نہیں۔ ایسی تقرریاں کی جا رہی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ آئین کی حدود کے اندر ہیر پھیر کو جاری رکھیں۔ یا ان کا سہارا لیں۔ اگر وہ غلط ہو تو اس کا ایک حوالہ تو بنتا ہے۔ اور اس کی interpretation اور ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ تو ایسے ہی ہیں جیسے چھوٹے بچے جو ہاتھ چھوڑ کر گاڑی چلاتے ہیں۔ حکومت پنجاب نے تو آئین اور بزنس رول کو بالکل چھوڑ کر اس پنجاب کو چلانا شروع کر دیا ہے۔ اور پھر حالت یہ ہے کہ اگر اقبال ٹکا کی طرح لوگوں کے ساتھ یہ کرنا تو ان کا وہ تقرر کیوں کیا جاتا ہے۔ پنجاب کے بزنس رول آپ کے سامنے ہوں گے۔ اس کے شیڈول 7 کا پارٹ "اے" ہے۔ سی رول 52 کے تحت ہے۔ اس کے 18 میں اگر یہ رول جناب کے سامنے ہوں تو میں آسانی محسوس کروں گا۔ شیڈول 7 کا جو 18 ہے آخر میں۔

The appointments of Advisors and Special Assistants to the Chief Minister and determination of their pay & allowance.

اس کے اندر کسی سپیشل کونسلر کا حوالہ نہیں۔ اسی پنجاب رولز کا 6 (اے) آپ اگر ملاحظہ فرمائیں 6 (اے) میں انہوں نے ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے ایڈوائزرز اور سپیشل اسسٹنٹس کو شامل کیا تھا۔ حالانکہ Rules of Business میں subordinate legislation ہوتی ہے۔ Principal legislation نہیں ہوتی اور 6 (اے) کے تحت پہلے ہی Rules of Business میں principal business کو enact کیا جاتا ہے۔ جس کے متعلق میں نے استحقاق کی تحریک بھی اٹھائی تھی۔ اس میں بھی سپیشل کونسلر کا ذکر نہیں۔ یہ خدا جانے کہ سپیشل کونسلر کا ذکر کہاں ہے۔ اور جو بات ہے کہ Rules of Business کے تحت سپیشل اسسٹنٹس کا، ایڈوائزرز کا اور منسٹرز کا تقرر گورنر کے حکم سے یعنی Governor pleases under Section 129 of the Constitution. تو اگر آئین کے آرٹیکل 129 کو سامنے رکھیں جس میں یہ ہے۔

"The executive authority of the Province shall vest in the Governor and shall be exercised by him, either directly or

through officers subordinate to him, in accordance with the Constitution."

اب آئین کے آرٹیکل129 کے تحت کسی ایڈوائزر کی اور سپیشل اسسٹنٹ کی تقرری کا ریکارڈ موجود ہے کہ وہ تمام گورنر کے حکم سے ہوئی ہیں۔ اگرچہ ان کی تقرری چیف منسٹر ہی کرتا ہے تو ان ہی کی ایڈوائس پر، انہی کی خواہش کے متعلق ہوتی ہے لیکن ایگزیکٹو اتھارٹی گورنر ہے لہذا Governor pleases ایک واحد کیس ہے کہ اس میں آئین کے آرٹیکل 129 کو بھی ادھر پھینک دیا گیا ہے اور آپ نے Rules of Business 1974، کی شق 18 پڑھی ہے کہ اس تقرری کا کوئی قانونی، آئینی اور حتیٰ کہ اخلاقی جواز نہیں۔ اس کے ساتھ میرا ایک انتہائی اہم پوائنٹ ہے کہ میں نے اس ایوان کے اندر ایک پوائنٹ آف آرڈر اٹھایا تھا کہ وزیراعلیٰ کے مشیران اور سپیشل اسسٹنٹ اپنے گھروں پر اور اپنی موٹروں پر جھنڈے نہیں لگا سکتے۔ تو آپ کی رولنگ یہ آئی تھی کہ چونکہ The matter was not under consideration on that day. اس لیے اسے take up نہیں کیا جا سکتا۔ آج یہ matter under consideration ہے۔ اس کے ساتھ میں سیاسی کونسلر کو شامل کرتا ہوں۔ اس کی موٹر پر بھی جھنڈا لہراتا ہے۔ یہ بھی مجھے بتایا جائے کہ یہ نوید ملک جو سیاسی کونسلر ہے اس کی تو تقرری غیر آئینی اور غیر قانونی ہے۔ اس کے ساتھ میں آپ کی دوبارہ رولنگ چاہوں گا کیونکہ آج یہ matter under consideration ہے۔

جناب سپیکر: شکریہ نواب زادہ صاحب!

نواب زادہ غضنفر علی گل: جناب والا! چونکہ آج matter under consideration ہے تو کیا ایڈوائزرز اور سپیشل اسسٹنٹس اور یہ جو سیاسی کونسلر مقرر کیا گیا ہے کیا یہ فلیگ بھی لہرا سکتا ہے؟ اس پر میں آپ کی رولنگ چاہوں گا۔

جناب سپیکر: شکریہ۔ جی لاء منسٹر صاحب اس پر ارشاد فرمائیں گے؟

وزیر قانون: جناب والا! آئین کے مطابق چیف منسٹر صوبے کے چیف ایگزیکٹو کی حیثیت سے کوئی پوسٹ create کرنے کے مجاز ہیں اور کسی پوسٹ پر کسی آدمی کو تعینات کرنے کا ان کو آئینی حق حاصل ہے۔ جناب سپیکر! اس سلسلہ میں، میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تقرری قانون کے عین مطابق

ہے اور نوید ملک صاحب کو ایک پولیٹیکل کونسلر کی پوسٹ create کر کے اس پوسٹ کے against ان کو contract پر رکھا گیا ہے۔ contract post پر کسی کو رکھنے کے لیے گورنر صاحب کے پاس جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور جناب والا! اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں اور اگر فاضل رکن کو کسی قسم کا اعتراض ہے تو کورٹس کے دروازے کھلے ہیں۔ وہ عدالت مجاز میں جا کر quo warranto اپیل کے ذریعے اس کو چیلنج کر سکتے ہیں۔ نوید ملک صاحب کا بطور سیاسی کونسلر مقرر کیا جانا اس اسمبلی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی معزز رکن کا اس سے استحقاق مجروح ہوا ہے۔ جناب والا! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری گورنمنٹ نے ان کو پولیٹیکل کونسلر ضرور مقرر کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ elected بھی نہیں ہیں۔ میں ان کی خدمت میں پھر ایک گزارش کروں گا جس سے اب ساری اپوزیشن کو بڑی تکلیف محسوس ہونی شروع ہو گی۔ جناب والا! ہم تو اپنے ہر کام میں اپنی محترمہ پیاری وزیراعظم صاحبہ سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ آپ نے چند دن پہلے ٹی وی میں دیکھا ہو گا کہ ان کے ایک فنانس ایڈوائزر جناب وی اے جعفری elected بھی نہیں ہیں اور وہ فنانس منسٹر بنے ہوئے ہیں۔ فنانس منسٹر صرف نام کا ہے۔ اس کے اختیار میں کوئی چیز نہیں۔ سارا کام وی اے جعفری صاحب کرتے ہیں۔ ٹیلی ویژن پر بھی پریس بریفنگ کی تو انہوں نے کی۔ تو جناب والا! یہ تو نہ کبھی ٹیلی ویژن پر آتے ہیں اور نہ کبھی اس قسم کا کوئی کام ان کے ذمے لگایا گیا ہے۔ تو یہ پوسٹ create کی گئی۔ چیف منسٹر صاحب بطور چیف ایگزیکٹو کوئی پوسٹ create کر سکتے ہیں۔ نوید ملک کو contract basis پر پولیٹیکل کونسلر لگایا گیا ہے۔ ایسا کرنے کا ان کو اختیار حاصل ہے۔ اس سے نہ اس آئین کا استحقاق مجروح ہوا ہے اور نہ ہی فاضل رکن کا استحقاق مجروح ہوا ہے۔ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ یہ غیر آئینی اقدام ہے تو اس کو متعلقہ عدالت میں اپیل کے ذریعے میرے فاضل بھائی چیلنج کر سکتے ہیں۔ تو میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تحریک استحقاق نہیں بنتی۔ اسے آؤٹ آف آرڈر کیا جائے۔ شکریہ۔

جناب سپیکر، اس پر میں فیصلہ pending کرتا ہوں۔

جناب فضل حسین راہی، پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب سپیکر، فضل حسین راہی صاحب پوائنٹ آف آرڈر پر بات کرنا چاہتے ہیں۔

جناب فضل حسین راہی، جناب سپیکر! میری یہ گزارش ہے کہ آپ کو پتا ہے کہ میں کب پوائنٹ آف آرڈر پر کھڑا ہوا تھا۔ بس میں یہی کہنا چاہتا ہوں کہ اگر میں مسلسل دو تین مرتبہ کہتا ہوں کہ میں پوائنٹ آف آرڈر پر کھڑا ہوں۔ میں پوائنٹ آف آرڈر پر کھڑا ہوں' آپ توجہ نہیں دیتے۔ اور آپ یہ کہتے ہیں کہ کم از کم وہ اپنی سٹیٹمنٹ مکمل کر لیں۔ اور اس کے بعد پھر آپ جو کہنا چاہتے ہیں وہ کہیں۔ لیکن اب میں جو کہنا چاہتا تھا وہ معاملہ ختم ہو گیا ہے۔ وہ بیٹھ گئے ہیں۔ سٹیٹمنٹ مکمل ہو گئی ہے اور اب میں کچھ نہیں کہتا ہوں۔ لیکن یہ احساس ضرور دلاتا ہوں کہ جب آپ کے سامنے ایک پوائنٹ آف آرڈر پڑا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کو میری طرف توجہ دینی ہے۔ اور برائے مہربانی آپ ذرا اس طرف توجہ دیا کریں۔

جناب سپیکر، فضل حسین راہی صاحب! آپ بھی ایسا کیجیے کہ جب آپ کھڑے ہوں تو سارا ہاؤس یہ محسوس کرے کہ جناب فضل حسین راہی صاحب کھڑے ہو کر کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی بات کو اہمیت ہونی چاہیے۔ اس کا اس بات سے بڑا تعلق ہے کہ کوئی معزز رکن کھڑا ہو تو اس کی بات میں وزن ہو۔ اس کی بات میں دلیل ہو اور اس کی اہمیت کو محسوس کیا جائے۔ میں تو ہمیشہ آپ کی بات کی اہمیت کو محسوس کرتا ہوں۔

نواب زادہ غضنفر علی گل، پوائنٹ آف آرڈر۔

چودھری فضل حسین راہی، جناب سپیکر! آپ اس ہاؤس کے custodian ہیں۔ آپ جو comments دے رہے ہیں وہ دے رہے ہیں۔ آپ کی مرضی ہے۔

جناب سپیکر، میں تو ہمیشہ آپ کی بات کو اہمیت دیتا ہوں۔

نواب زادہ غضنفر علی گل، جناب سپیکر! میں پوائنٹ آف آرڈر پر کھڑا ہوں۔ میری ایک تحریک استحقاق کے سلسلے میں جناب وزیر قانون نے انتہائی غیر ذمے دارانہ statement دی ہے کہ وی اے جعفری خزانے کے ایڈوائزر اسمبلی کے اندر بیٹھ سکتے ہیں۔ وی اے جعفری اسی آئینی شق کے تحت ایڈوائزر فنانس ہیں اور اسمبلی کے اندر بیٹھتے ہیں۔ [*******]

*** (بحکم جناب سپیکر کارروائی سے حذف کیے گئے) ***

جناب سپیکر، نواب زادہ صاحب! آپ تشریف رکھیں۔ (قطع کلامیاں)

نواب زادہ غضنفر علی گل، جناب والا! وزیراعلیٰ صاحب کو چاہیے کہ وہ کسی پڑھے لکھے کو وزیر قانون بنائیں۔

وزیر قانون، آپ آجائیں آپ کو بتا دیتے ہیں۔

چودھری محمد اعظم چیمہ، پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب والا! نوابزادہ صاحب نے ابھی ابھی جو ریمارکس پاس کیے ہیں۔ ایک پارلیمنٹرین کی حیثیت سے ان کو یہ زیب نہیں دیتے اور وزیر قانون کے متعلق جو کچھ انھوں نے کہا ہے وہ انتہے تکلیف دہ الفاظ ہیں اور ان سے اس قسم کی کبھی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ عالی جاہ! ان کو چاہیے کہ وہ اپنے الفاظ واپس لیں اور ان الفاظ کو ریکارڈ سے حذف کیا جائے اور آئندہ اپنی طرف سے یہ ہدایت جاری فرمائیں کہ کسی کو ایسی بات کرنے کی جرات نہ ہو۔ معزز وزیر نہ صرف ہمارے معزز رکن ہیں بلکہ وہ ہمارے وزیر قانون ہیں اور انھوں نے جو بات کی ہے وہ دلائل کے مطابق کی ہے۔

جناب والا! بات بہر انداز میں کی جا سکتی ہے، لیکن انھوں نے تضحیک انگیز باتیں کر کے اس ایوان کا وقار مجروح کیا ہے اور ایسے الفاظ ریکارڈ سے حذف کیے جائیں۔ آئندہ اگر کوئی ایسے الفاظ استعمال کرے تو اس کے خلاف تادیبی کارروائی کی جانی چاہیے۔

چودھری محمد وصی ظفر، پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب والا! اس وقت جو کارروائی چل رہی ہے اس بارے میں جناب کی توجہ سب سے پہلے میں آئین کے آرٹیکل 93 کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ آرٹیکل 93 یہ ہے۔

93(1) The President may, on the advice of the Prime Minister, appoint not more than five Advisors, on such terms and conditions as he may determine.

(2) The provisions of Article 57 shall also apply to an Advisor.

اور آرٹیکل 57 یہ ہے کہ

He will take part in the Assembly proceedings without voting.

جناب والا! میں آپ کی رولنگ چاہوں گا کہ کیا وزیر قانون کے لیے یہ مناسب ہے کہ جب

بھی کوئی معاملہ آئے اسے زبردستی تذلیل کے نقطہ نظر سے مرکز کی طرف کھینچا جائے جب کہ افہام و تفہیم میں ہمارے ساتھ یہ طے ہو چکا ہے کہ بلا وجہ یہ معاملات مرکز کی طرف نہیں کھینچے جائیں گے جن سے کہ اشتعال آئے۔ جناب والا! میں یہ بات اس ایوان کے فلور پر دعوے سے کہتا ہوں کہ وزیراعلیٰ کے رشتے دار نمبر 2 شراب جا کر بازار میں بیچ رہے ہیں اور اسی وزیراعلیٰ کے رشتے دار autos کے نمبر 2 پرزے جا کر بازار میں بیچ رہے ہیں اور اسی وزیراعلیٰ کے رشتے دار نمبر 2 تیل کشید کر کے بازار میں بیچ رہے ہیں' اس فلور پر میرا یہ دعویٰ ہے۔ اس کی انکوائری کرائی جائے۔ ان کی تو مرکز کی طرف اتنی توجہ ہے کہ امن عامہ کی صورت حال کی طرف تو کوئی توجہ نہیں دے رہا۔

جناب سپیکر۔ وصی ظفر صاحب! آپ تشریف رکھیے۔ شاہ صاحب! آپ پوائنٹ آف آرڈر پر بات کرنا چاہتے تھے۔

سید ناظم حسین شاہ۔ پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب سپیکر! چیمہ صاحب نے غضنفر گل صاحب کے متعلق جو بات کی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم ایسی کوئی بات نہیں چاہتے کہ جس سے ایوان میں اشتعال پیدا ہو۔ آرٹیکل نمبر 3 کا جناب وصی ظفر صاحب نے بھی حوالہ دیا ہے اور آرٹیکل نمبر 57 بھی ہمارے سامنے ہے۔ ایڈوائزر صرف ووٹ نہیں دے سکتا جیسا کہ اٹارنی جنرل ہے۔ مگر ایوان میں It is the discretion of the Prime Minister یہ ان کا prerogative ہے کہ وہ پانچ ایڈوائزر appoint کر سکتے ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ چیمہ جیسے سینئر ممبر اٹھ کر یہ بات کریں کہ جناب وزیر قانون کے متعلق غضنفر گل صاحب نے ایسے نازیبا الفاظ کہے۔ جناب والا! یہ نہیں کہ وزیر قانون صرف ایک گورنمنٹ کو represent کر رہے ہیں بلکہ وہ پورے پنجاب کی حکومت کو represent کرتے ہیں اور پنجاب میں آپ بھی ہیں اور میں بھی ہوں۔ جب لوگ یہ دیکھیں گے [* * ******* * *]

جناب سپیکر۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس بارے میں آپ کا ایک نقطہ نظر ہو سکتا ہے۔ نواب زادہ غضنفر علی گل صاحب کا ایک نقطہ نظر ہو سکتا ہے۔ وصی ظفر صاحب کا ایک نقطہ نظر ہو سکتا ہے۔ وزیر قانون صاحب کا اس میں اپنا point of view ہو سکتا ہے اور کسی کے point of view سے اختلاف کرنا کوئی بری بات نہیں۔

*** (بحکم جناب سپیکر کارروائی سے حذف کیا گیا) ***

سید ناظم حسین شاہ، جناب سپیکر! آپ نے بجا فرمایا ہے۔

جناب سپیکر، شاہ صاحب! آپ تشریف رکھیے۔

اختلاف رائے کرنا کوئی بری بات نہیں ہے۔ اختلاف رائے ہی جمہوریت کی اصل روح ہے۔ اختلاف رائے تو وہ ہے کہ جس سے کسی کی تذلیل کا کوئی پہلو نہ نکلے اور نہ ہی کسی کی ہتک کا اس ایوان میں کوئی پہلو نکلے۔ جہاں آپ یہ فرما رہے ہیں کہ وزیر قانون اس ایوان کے بھی وزیر قانون ہیں تو ان کے لیے اگر ہتک آمیز بات نہ کی جائے اور اپنی گفتگو میں ان کی تضحیک کا پہلو نہ نکالا جائے حزب اقتدار کی طرف سے حزب اختلاف کے کسی معزز رکن کے لیے تضحیک کا کوئی پہلو نہ نکالا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ زیادہ مناسب بات ہوگی۔ اس لیے میں چیمہ صاحب کے پوائنٹ آف آرڈر کو valid قرار دیتا ہوں اور اپنے معزز دوستوں سے یہ کہتا ہوں کہ تضحیک کا اور ہتک کا پہلو بشمول جناب وزیر قانون کے کسی کے لیے بھی نہیں نکلنا چاہیے اور وزیر قانون کے بارے میں تضحیک آمیز الفاظ کو میں کارروائی سے حذف کرتا ہوں۔

نواب زادہ غضنفر علی گل، جناب والا! میں یہ گزارش کروں گا کہ جو مضحکہ خیز یا تضحیک آمیز الفاظ جناب وزیر قانون نے وزیراعظم کے متعلق کہے ہیں اور آئین کے خلاف کہے ہیں ان کو بھی حذف کیا جائے یہ نہیں کہ ہماری پیاری وزیراعظم نے ایڈوائزر رکھا ہوا ہے اور اس کو portfolio دے دیا ہوا ہے---

جناب سپیکر، اس میں آپ point out کیجیے کہ وہ کون سے الفاظ ہیں جو آپ حذف کروانا چاہتے ہیں۔

وزیر امداد باہمی (الحاج رانا پھول محمد خان)، جناب والا! آئین کے آرٹیکل 91(2.A) کے تحت وہ 20 مارچ 1990ء سے وزیراعظم ہیں۔ وہ تو وہاں جتنے مرضی رکھ لیں--

جناب سپیکر، رانا صاحب! تشریف رکھیں۔ (قطع کلامیاں)

آرڈر پلیز۔ آرڈر پلیز۔ میں اس تحریک استحقاق کو dispose of کر چکا ہوں لہذا میں اب اس پر مزید کسی بحث کی اجازت نہیں دیتا۔

نواب زادہ غضنفر علی گل، جناب والا! اگر میرے الفاظ حذف ہوئے ہیں تو وزیراعظم کے متعلق جو

الفاظ کہے گئے ہیں وہ الفاظ بھی حذف ہونے چاہئیں۔

جناب سپیکر، میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ آپ جائیے کہ آپ کون سے الفاظ حذف کروانا چاہتے ہیں۔ آپ فرمائیے۔ آپ ان الفاظ کی نشان دہی کیجیے میں ان الفاظ کو حذف کرتا ہوں۔

نواب زادہ غضنفر علی گل، جناب سپیکر! آئین کے آرٹیکل 93 میں انہوں نے وزیراعظم کے بارے میں کہا ہے کہ انہوں نے فنانس کا ایک ایڈوائزر رکھ لیا ہوا ہے اور انہوں نے اسے وزیر بنا کر رکھ لیا ہے۔ وہ انہوں نے آئین کے تحت رکھا ہے۔

جناب سپیکر، اس میں کون سی چیز تضحیک آمیز ہے؟

چودھری محمد وصی ظفر، جناب والا! انہوں نے وزیر اعظم کے جو آئینی اقدام ہیں ان کو یہاں پر discuss کیا ہے۔

جناب سپیکر، چودھری صاحب! اس میں آپ کا ایک point of view ہو سکتا ہے۔ وزیر قانون صاحب کا اپنا point of view ہو سکتا ہے۔

نواب زادہ غضنفر علی گل، جناب والا! کیا ان کا ہی point of view ہو سکتا ہے ہمارا کوئی point of view نہیں ہو سکتا۔

جناب سپیکر، آپ مجھے وہ الفاظ جائیے جو وزیر قانون صاحب نے کہے ہیں۔ میں ان کو حذف کر دیتا ہوں۔

جناب فضل حسین راہی، جناب والا! آپ مجھے اجازت فرمائیں وہ الفاظ میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔

(قطع کلامیاں)

جناب سپیکر، آرڈر پلیز۔ آرڈر پلیز۔ یہ وزیر قانون صاحب نے بات کی ہے کہ وزیراعظم صاحبہ نے ایڈوائزرز رکھے ہیں۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں؟

نواب زادہ غضنفر علی گل، جناب میری پیاری وزیراعظم صاحبہ نے صرف ایک ایڈوائزر رکھا ہوا ہے۔

جناب سپیکر، آپ تشریف رکھیں گے۔ اس میں میں کون سی چیز حذف کروں۔ شاہ صاحب! آپ جائیے اگر اس میں کوئی نامناسب الفاظ ہیں تو میں ان کو حذف کرنے کو تیار ہوں۔ (قطع کلامیاں)

جناب سپیکر، آرڈر پلیز' آرڈر پلیز۔

سید ناظم حسین شاہ، جناب سپیکر! گزارش ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ آپ کے پاس discretionary powers ہیں اور قانون میں بھی ہمیشہ دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک equity پر بات ہوتی ہے۔ کنڈیشنز کے اوپر ہوتی ہے اور دوسرے کچھ لاء پوائنٹس ہوتے ہیں جس میں جج کی بھی کوئی discretion نہیں ہوتی۔ میں نے جب پہلے بات کی تھی تو آپ نے اس وقت یہ فرمایا تھا اور میں آپ کا فیصلہ قبول کرتا ہوں کہ کسی کی تضحیک کا یا تذلیل کا پہلو نہ ہو مگر میرا قطعاً کوئی مطلب نہیں تھا۔ یہ تو سب ممبروں کا استحقاق ہے کہ اگر اس ایوان کے کسی ممبر کے متعلق اور جو ہم سے lime light میں ہیں مثال کے طور پر وزراء صاحبان بیٹھے ہوئے ہیں تو ان سے ایسی ذہانت اور قابلیت کی توقع کی جا سکتی ہے۔ مگر جب ایک صوبے کا وزیر قانون آئین کا بھی مطالعہ نہ کرے اور ان کو یاد بھی نہ ہو۔ اب میں وہی بات دہراؤں گا کہ غضنفر گل صاحب نے آرٹیکل 93 کا حوالہ دیا پھر 57 کی بات کی کہ 57 میں ایڈوائزر کے اختیارات کیا ہیں۔ جناب والا! اب آپ کی discretion پر ہے کہ اس کو آپ جو مرضی کہیں۔ آپ یہ کہیں کہ جناب اس میں سے تضحیک کا پہلو نکلتا ہے آپ اس کو حذف کر دیں اور آپ کو کچھ ایسے الفاظ جو آپ کی نازک طبع کے اوپر میرے خیال میں بارگراں بھی نہ گزریں بلکہ ایک مزاح کا پہلو ہو وہ بھی آپ کہہ دیں کہ جناب اس میں تضحیک کا پہلو نہیں تو یہ آپ کی discretiony powers ہیں مگر ایک tradition یہ ہے کہ اب آپ سپیکر ہیں میں آپ کے اوپر سوال کرتا ہوں کہ آپ بتا دیں ہم آپ کا فیصلہ قبول کریں گے کہ کیا لاء منسٹر صاحب نے پرائم منسٹر کے متعلق جو ریمارکس دیئے ہیں اگر آپ کے خیال کے مطابق ٹھیک ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں اور اگر اس میں تضحیک کا پہلو تھا تو پھر ہم فیصلہ بھی آپ سے متوقع کر سکتے ہیں اور آپ سے impartiality کی توقع کر سکتے ہیں کہ آپ اس وقت ایک جج کی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ یہ نہیں دیکھیں گے کہ آپ کس سائیڈ کو represent کر رہے ہیں۔ جناب والا! آپ پورے ہاؤس کے custodian ہیں' میں یہ فیصلہ آپ کے اوپر چھوڑتا ہوں۔ آپ یہ فیصلہ کریں کہ کیا اس وقت لاء منسٹر صاحب جب یہ بات کر رہے تھے تو کیا اس وقت تضحیک کا پہلو تھا یا نہیں؟ اگر تضحیک کا پہلو تھا تو پھر الفاظ حذف ہونے چاہئیں اگر تضحیک کا پہلو نہیں تھا تو پھر بات ختم ہونی چاہیے۔

جناب سپیکر، جی، آپ تشریف رکھیں۔

چودھری اختر رسول، جناب سپیکر! اجازت ہے؟

جناب سپیکر، چودھری صاحب آپ کو میں چودھری ظہیر الدین صاحب کے بعد بولنے کی اجازت دوں گا۔

چودھری محمد ظہیر الدین خان، جناب والا! بات بہت طول پکڑ گئی ہے۔ ابھی جناب نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ کون سے الفاظ تھے جو ہمیں تکلیف دہ محسوس ہوئے ہیں وہ حذف کر دیئے جائیں لیکن وہ الفاظ ابھی تک آپ تک نہیں پہنچ سکے۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو حس لطیف رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں ان کو وہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی محسوس ہو جاتی ہیں اور وہ ان کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ الفاظ جنہوں نے ہمیں تھوڑا پریشان کیا ہے۔ جس سے ہمیں تکلیف ہوئی ہے وہ میں آپ کے گوش گزار کر دیتا ہوں اگر جناب سمجھتے ہیں کہ وہ حذف ہونے چاہئیں تو وہ الفاظ یہ ہیں کہ لاء منسٹر صاحب نے فرمایا کہ "اگر میں اب وزیراعظم کا نام لوں گا تو اپوزیشن والوں کو بہت تکلیف ہوگی"۔ یہ الفاظ جو ہیں ان سے ہمارے لیے توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ "تکلیف کا پہلو نکلتا ہے ــــ (قطع کلامیاں)

جناب سپیکر، آرڈر پلیز۔ آرڈر پلیز۔ آرڈر پلیز ــ

چودھری محمد ظہیر الدین خان، جناب والا! اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان الفاظ کو حذف کر دیں تاکہ یہ بات طول نہ پکڑے اور ختم ہو جائے۔

چودھری محمد وصی ظفر ، جناب والا! ایک نااہل کو نااہل کہنا تو کوئی تضحیک نہیں لیکن ایک آئینی بات کو غیر آئینی طور پر پیش کرنا تو تضحیک ہے۔

جناب سپیکر، جی، چودھری اختر رسول صاحب بات کرنا چاہتے ہیں۔

چودھری اختر رسول، جناب سپیکر! وزیر قانون کی جو تقریر ہے اس کی ٹیپ سنائی جائے۔ انہوں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کہی جسے حذف کیا جائے۔ انہوں نے تو پیاری وزیراعظم کہا ہے اور اگر وزیراعظم کہنا کوئی گناہ ہے یا جرم ہے تو پھر اس کو حذف کر دیا جائے۔

نواب زادہ غضنفر علی گل، جناب والا! میرے الفاظ بھی سنائیں جائیں اور اس کے بعد پھر حذف کئے جائیں۔

جناب فضل حسین راہی، میں بات کلیئر کر دیتا ہوں۔۔

جناب سپیکر، راہی صاحب بات کرنا چاہتے ہیں۔

جناب فضل حسین راہی، جناب والا! اصل میں مسئلہ صرف یہ ہے کہ آپ ہماری اسمبلی کے custodian ہیں اور آپ کو رولز اینڈ ریگولیشن کے مطابق صرف یہ طے کرنا ہے کہ ہم ممبران نے کارروائی میں اس حد تک حصہ لینا ہے جہاں تک ہمیں رولز اجازت دیتے ہیں۔ اب مرکز کو زیر بحث لانا اس اسمبلی کا کام نہیں۔ نواب زادہ صاحب نے آئینی طور پر ایک بہت ہی حساس مسئلہ پیش کیا ہے۔ اب اس کو face کرنے کی بجائے، اس پر تیاری کرنے کی بجائے، اس کا مقابلہ کرنے کی بجائے یہاں وی اے جعفری کے مسئلے کو انہوں نے پیش کیا ہے۔ اب ٹھیک ہے کہ بجٹ سیشن پر آپ آزادی کے ساتھ سب کو discuss کریں، تنقید کریں لیکن یہ کیا مسئلہ ہے کہ ہر مسئلے کے جواز میں آپ مرکز کی مثال دیتے ہیں او اصل مسئلہ یہ ہے اور کوئی مسئلہ نہیں کہ یہاں ضرورت نہیں تھی کہ آپ مرکزی حکومت کے کسی فعل کو اس کے جواز کے طور پر یہاں discuss کرتے۔ آپ کے لیے اس کو face کرنا ضروری ہے۔ آپ اس کو face نہیں کرتے تو آپ کو یہ کہتے ہیں کہ ان کی توقع کے مطابق وزیر قانون صاحب نے تیاری نہیں کی۔ اس لیے وزیر قانون صاحب فلور پر نااہل ثابت ہو رہے ہیں۔ یہ بات اس سے آگے طول پکڑ گئی ہے اور آپ کو اس پر رولنگ صرف یہ دینی ہے اور اس کو جائز قرار دیتے ہوئے کہ بلاجواز مرکزی حکومت کے اقدامات کو یہاں جواز کے طور پر پیش کرنے کی ضرورت نہیں، آپ کو face کرنے کے لیے تیاری کرنے کی ضرورت ہے؟

جناب سپیکر، شکریہ، تشریف رکھیے۔ اب اس میں دو مسئلے ہیں۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ جہاں تک وزیراعظم صاحبہ کی ذات کا تعلق ہے کہ ان کے بارے میں اس ایوان میں کوئی بھی نازیبا، ناشائستہ اور غیر مہذب الفاظ اگر کہے جائیں گے تو آپ سب سے پہلے میں آگے بڑھ کر ان کو روکوں گا اور ان الفاظ کو حذف بھی کروں گا۔۔(نعرہ ہائے تحسین) یہاں ہمارا ایک دوسرے سے اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔ حزب اقتدار کا حزب اختلاف سے اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔ آپ ایک دوسرے کے point of view سے اختلاف کر

سکتے ہیں۔ بڑی شدت کے ساتھ بڑے زور سے اختلاف کر سکتے ہیں لیکن یہاں اس ہاؤس میں جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ پرائم منسٹر آف پاکستان کی عزت و احترام کا تعلق ہے، صدر پاکستان کی عزت واحترام کا تعلق ہے، وزیراعلیٰ پنجاب کی عزت و احترام کا تعلق ہے اب سب لوگوں کی عزت و احترام کروانا اور کرنا میں سمجھتا ہوں کہ وہ بھی میری ذمہ داری میں شامل ہے۔۔۔(نعرہ ہائے تحسین) اور میں کسی کو اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ پرائم منسٹر آف پاکستان کے بارے میں نازیبا یا ناشائستہ الفاظ استعمال کریں۔ میں ان کو روکوں گا بھی اور ان کو حذف بھی کروں گا۔ دوسری بات جو ہے وہ یہ ہے کہ یہاں آیا کسی مسئلے میں اپنی گورنمنٹ کو defend کرتے ہوئے مرکزی حکومت کی کسی پالیسی کو زیر بحث لایا جا سکتا ہے ؟ یہ مسئلہ کافی عرصے سے اٹھایا جاتا رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس بارے میں ہم کسی روز تفصیل سے بات کریں گے اور اس پر فیصلہ کریں گے کہ کیا کسی جواز کے طور پر مرکزی حکومت کے کسی custodian کو پنجاب اسمبلی میں زیر بحث لایا جا سکتا ہے۔ اس کو ہم تفصیل سے بحث کریں گے تو اب میں آگے چلتا ہوں اور ملک محمد وزیر اعوان صاحب کو اپنی تحریک استحقاق پیش کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

جناب فضل حسین راہی، جناب والا! ایک اور بات اس میں شامل کرلیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر جو معاملہ یہاں پیش ہو گا۔ پھر آپ کو اسے پوری طرح thrash out کرنے کی اجازت بھی دینی چاہیے۔

جناب سپیکر، جی ہاں، کریں گے انشاء اللہ۔۔

جناب فضل حسین راہی، اگر کوئی معاملہ یہاں پیش ہو جائے گا۔ مطلب یہ کہ کوئی بلا وجہ ذکر آجائے گا تو پھر یا تو اس کو thrash out کرنے کی اجازت دیں گے اور اس کو اس کے بعد dispose of کریں گے۔

جناب سپیکر، جی اس پر ہم فیصلہ کریں گے۔ اس کو تفصیل سے بحث کریں گے۔ اب میرے خیال میں راہی صاحب اس معاملے کو ختم کر دیں۔ پلیز اس معاملے کو ختم کر دیں۔

NAWABZADA GHAZANFAR ALI GUL: I am on a point of personal explanation.

MR. SPEAKER: Nawabzada Sahib, Please take your seat. Please have your seat.

جناب علی اکبر مظہر وینس، جناب والا! میں نے پہلے بھی کچھ عرض کرنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ نے اجازت نہیں دی۔ کبھی back benchers کو بھی اجازت دے دیا کریں۔

جناب سپیکر، آپ پوائنٹ آف آرڈر پر بات کرنا چاہتے ہیں؟

جناب علی اکبر مظہر وینس، جی ہاں! پوائنٹ آف آرڈر پر بات کرنا چاہتا ہوں۔

جناب سپیکر، ارشاد فرمائیے۔

جناب علی اکبر مظہر وینس، جناب سپیکر! میں اپنے بھائیوں کی تصحیح کرنا چاہتا ہوں۔ یہ جب بھی وزیر قانون کو مخاطب کرتے ہیں۔ تو وزیر قانون صاحب کہتے ہیں حالانکہ وزیر صاحب ہوتا ہے قانون صاحب نہیں ہوتا اور پھر ہمارے وزیر صاحب قانون کو صاحب مانتے ہی نہیں اگر قانون کو صاحب مان لیں تو پھر اس پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ اس لیے میں اپنے بھائیوں کی یہ تصحیح کرنا چاہتا ہوں کہ وہ آئندہ وزیر صاحب قانون کہا کریں نہ کہ وزیر قانون صاحب کہا کریں۔

جناب سپیکر، تشریف رکھیے۔ میں ملک محمد وزیر اعوان صاحب کو اجازت دوں گا کہ وہ اپنی تحریک استحقاق پیش کریں۔

NAWABZADA GHAZANFAR ALI GUL: I am on a point of personal explanation.

MR. SPEAKER: I don't allow you. Please have your seat. Please take your seat.

رکن اسمبلی پر قاتلانہ حملہ

ملک محمد وزیر اعوان، جناب سپیکر! میں حال ہی میں وقوع پذیر ہونے والے ایک اہم اور فوری مسئلہ کو زیر بحث لانے کے لیے تحریک استحقاق پیش کرتا ہوں جو اسمبلی کی فوری دخل اندازی کا متقاضی ہے۔ معاملہ یہ ہے کہ میں اس معزز ایوان کا ایک رکن ہوں۔ اس اسمبلی کا ممبر ہوں۔ قبل ازیں بھی مختلف

اوقات میں اس ایوان کے نوٹس میں یہ بات لا چکا ہوں جو کہ ریکارڈ پر موجود ہے کہ حافظ آباد پولیس میرے خلاف مسلسل زیادتیوں کا ارتکاب کر رہی ہے اور میں جب بھی پولیس کی کسی زیادتی کو اس ایوان میں پیش کرتا ہوں تو پولیس مزید زیادتیاں کرتی ہے۔ میرے خلاف جھوٹے مقدمات قائم کئے اور جب ان کا انتقام مقدمات سے پورا نہ ہوا تو پولیس کے ایک ذمہ دار اہل کار رانا محمد رشید ڈی ایس پی حافظ آباد کے ایماء پر اور ملی بھگت سے گذشتہ رات 21-2-90 گیارہ بجے مجھ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ میرے گھر پر اندھا دھند فائرنگ کر کے مجھے اور میرے اہل خانہ کو جان سے مارنے کی کوشش کی گئی۔ دراصل حافظ آباد پولیس مذکورہ بالا ڈی ایس پی کی سرپرستی میں جرائم پیشہ لوگوں سے ملی ہوئی ہے اور ان سے مل کر جرائم کراتی ہے اور میں ان ناجائز کارروائیوں کے خلاف آواز اٹھاتا ہوں تو مجھے انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے ۔ مجھے تحفظ فراہم کیا جائے۔ پولیس کے ایماء پر میرے گھر پر فائرنگ سے نہ صرف میرا بلکہ پورے ایوان کا استحقاق مجروح ہوا ہے۔ میری تحریک استحقاق کو استحقاق کمیٹی کے سپرد کیا جائے اور مجھے پولیس کے مظالم سے بچایا جائے اور تحصیل حافظ آباد جو کہ ڈکیتیوں اور منشیات فروشوں کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے ان کے سرغنہ رانا رشید ڈی ایس پی سے نجات دلائی جائے۔ میں اس تمام واقعہ جو کہ ڈی ایس پی کے ایماء پر ہوا ان کے گواہ جس وقت رانا رشید نے مجھے مزہ چکھانے کا ارادہ کیا تھا کمیٹی کے روبرو پیش کروں گا اور تمام شواہد پیش کروں گا۔

جناب سپیکر! اس سے پہلے بھی میں اسمبلی کے فلور پر یہ نشان دہی کرتا رہا ہوں کہ حافظ آباد میں منشیات اور ڈکیتیاں اپنے عروج پر ہیں اور اس کا سرغنہ رانا رشید ہے جو لوگوں سے ماہانہ رقم وصول کر کے یہ سارے سلسلے کرواتا ہے۔ اب اس کے علاوہ میں اس کے متعلق عرض کروں کہ مورخہ18-3-90 کو میرے خلاف قتل کا بلکہ دوہرے قتل کا جھوٹا مقدمہ بھی قائم کیا گیا ہے۔ چودھری اقبال صاحب آپ مسکرا رہے ہیں' میں آپ کی مسکراہٹ کو بھی سمجھتا ہوں۔ لیکن میں حوصلہ رکھتا ہوں کہ آپ کی ان زیادتیوں کو سہہ سکوں۔ جناب سپیکر! آج میں یہ کہتا ہوں کہ جناب چودھری اقبال صاحب بھی پچھلے دس روز میں حافظ آباد جا کر' اور ریاض فتیانہ صاحب کا یہ بیان کہ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ذریعے ہم پیپلز پارٹی کو سیدھا کروائیں گے۔ یہ سٹیٹمنٹ ریکارڈ پر موجو ہے۔ وہی مسلم سٹوڈنٹ جس نے وہاں پر لوگوں کو قتل کیا اور اس کا جھوٹا مقدمہ مجھ پر قائم کر دیا گیا ہے۔

آوازیں، شیم شیم

ملک محمد وزیر اعوان، جناب سپیکر! میں آپ کی وساطت سے اس معزز ایوان کی توجہ اس طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ یاد رکھیے گا کہ ظلم کرنے سے مظلوم کبھی ظالم کے ساتھ نہیں ہوا کرتے۔ جناب سپیکر! آج مجھ پر یہ زیادتیاں ہو رہی ہیں۔ کل ان پر جب یہ وقت آئے گا اور ان پر جب زیادتیاں ہوں گی تو پھر ان کو یہ پتا چلے گا کہ مظلوموں کے ساتھ ظلم کرنا' اس سے بڑی زیادتی اور کیا ہو سکتی ہے؛ جناب سپیکر! یہ ڈی۔ایس۔پی جس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کروایا ہے' اسی نے مجھے جھوٹے مقدمات میں ملوث کیا ہے۔ یہ سارا سلسلہ میری وفاداریوں کو تبدیل کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ میں یہ بات بھی کہہ دوں کہ جب بھی کبھی ضمیر کا سودا ہو گا ہم جیسے لوگ اپنا سر تو کٹوا سکتے ہیں لیکن ضمیر کا سودا کبھی نہیں کریں گے۔ (نعرہ ہائے تحسین)

جناب سپیکر! میں ایک دفعہ پھر آپ کی وساطت سے ایوان کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ حافظ آباد کے ڈی۔ایس۔پی سے خصوصاً اور پولیس کی زیادتیوں سے مجھے بچایا جائے اور میرے خلاف قائم ہونے والے جھوٹے مقدمات کی جو ڈیشل انکوائری کروائی جائے۔ جناب والا! میری آپ سے استدعا ہے کہ میری اس تحریک استحقاق کو استحقاق کمیٹی کے سپرد کیا جائے۔ میں آئندہ کے لیے یہ بات بھی ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ اگر مجھے قتل کیا گیا تو اس میں چودھری اقبال اور ریاض فتیانہ کو بھی نامزد کیا جائے۔ (نعرہ ہائے تحسین)

رانا آفتاب احمد خان، پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب والا! میرے دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ اس معزز ایوان کے بیشتر ممبر اپنی درخواستیں لے کر وزراء صاحبان کے پاس جا رہے ہیں اور اپنے کام کروا رہے ہیں۔ یہ بڑی افسوس ناک بات ہے کہ ہم اس معزز ایوان میں جس کام کی غرض سے آئے ہیں وہ نہیں کر رہے۔ اگر یہی کچھ کرنا ہے تو آپ اس ایوان کو ملتوی کر دیں تاکہ معزز اراکین اپنی درخواستوں پر دستخط کروالیں اور بعد میں اپنی کارروائی جاری رکھ سکیں۔ میں اس معاملے پر آپ کی رولنگ چاہوں گا۔

جناب سپیکر، جناب وزیر قانون۔

وزیر قانون، جناب سپیکر! اس تحریک استحقاق کے بارے میں گزشتہ اجلاس میں' میں نے گزارش کی تھی کہ میں اور ملک وزیر اعوان صاحب آپس میں بات کریں گے۔ آپ اس تحریک استحقاق کو pending

کرلیں تاکہ اگلے اجلاس تک اگر کوئی تصفیہ نہ ہو سکا تو ہم اس تحریک استحقاق کو پھر take up کرلیں گے ۔ پچھلے سال اجلاس کے آخری روز میری اور ملک وزیر اعوان کی بات ہوئی تھی۔ اس کے بعد ان کا اور میرا آپس میں رابطہ نہیں ہوا۔ اس سلسلے میں تھوڑی سی پیش رفت ہوئی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو آج میں اور وہ بات کر لیتے ہیں۔ اگر میرے فاضل بھائی مطمئن ہو گئے تو ٹھیک ہے ورنہ کل اس پر میں جواب بھی دے دوں گا اور جناب فیصلہ بھی فرما دیں گے۔

میاں اظہر حسن ڈار ، جناب سپیکر! آپ اس تحریک استحقاق کو استحقاق کمیٹی کے سپرد کر دیں۔

جناب سپیکر، ڈار صاحب! آپ تشریف رکھیں۔ ملک صاحب یہ بات پچھلے اجلاس میں ہوئی تھی کہ وزیر قانون کی اور آپ کی بات ہو گی اور اگر یہ مسئلہ طے ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ اسے take up کریں گے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ چونکہ آپ سے ان کی بات نہیں ہوسکی آج کے دن آپ کی ان سے بات ہو جائے۔ اگر یہ طے ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ اسے کل take up کرلیں گے۔

ملک محمد وزیر اعوان ، جناب سپیکر! میری وزیر قانون صاحب سے بات ہوئی تھی۔ مجھے وزیر قانون صاحب نے یقین دلایا تھا کہ آپ اسے pending کروا دیں۔ اس دوران وہاں پر جو ڈی۔ایس۔پی ہے اس کا تبادلہ ہو گیا ہے وہ وہاں پر نہیں رہے گا اور جو بھی سلسلہ ہو گا میں خود آپ کو بتاؤں گا۔ لیکن اس کے باوجود کہ وزیر قانون نے مجھ سے وعدہ فرمایا لیکن آج تک اس پر عمل نہیں ہوا۔

جناب سپیکر، لیکن یہ تو کل تک کی بات ہے آپ آج اس پر بات کرلیں۔ اگر یہ طے نہ ہو سکا تو کل پھر اس کو take up کرلیں گے۔

ملک محمد وزیر اعوان ، جناب سپیکر! اگر آپ اس پر یقین دہانی کرواتے ہیں تو میں اسے کل تک کے لیے ملتوی کرنے کو تیار ہوں۔ کوئی بات نہیں۔

جناب سپیکر، اسے کل تک کے لیے pending کرتے ہیں۔ اب تحاریک استحقاق کا وقت ختم ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک گھنٹے سے زائد وقت گزر چکا ہے۔ باقی تحاریک استحقاق کو کل take up کریں گے۔ تحاریک التوائے کار کو take up نہیں کرنا ہے۔ اس سلسلے میں حکومت کی اور اپوزیشن کی آپس میں یہ بات طے ہوئی ہے کہ تحاریک التوائے کار کو take up نہیں کرنا۔ اب سرکاری کارروائی سے پہلے میں نوابزادہ صاحب کا پوائنٹ آف آرڈر سنوں گا۔

نوابزادہ غضنفر علی گل ، پوائنٹ آف آرڈر ۔ جناب والا! میرا پوائنٹ آف آرڈر یہ ہے کہ آپ نے چیئرمین صاحب کے پوائنٹ آف آرڈر پر میرے الفاظ کو کارروائی سے حذف کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں اس پر insist کروں گا کہ میں نے کون سے، ایسے الفاظ کہے ہیں جو غیر پارلیمانی یا توہین آمیز ہیں۔ مجھے جتایا جائے ورنہ میں insist کروں گا کہ وہ الفاظ کارروائی میں شامل رہیں اور مجھے وہ الفاظ بتائے جائیں۔

جناب سپیکر ، میں نوابزادہ صاحب کا پوائنٹ آف آرڈر dispose of کرتا ہوں اور اس پر کوئی comments دینا بھی مناسب نہیں سمجھتا۔ رانا آفتاب احمد خان۔ (نعرہ ہائے تحسین)

نوابزادہ غضنفر علی گل ، میں پھر واک آؤٹ کرتا ہوں۔

حکمت عملی کے اصولوں پر عملدر آمد کے بارے میں رپورٹ اسمبلی میں پیش کرنے میں تاخیر

رانا آفتاب احمد خان ، جناب سپیکر! قواعد و ضوابط کے رول 105 میں لکھا گیا ہے کہ۔

Principles of Policy

105(1) "Any member may give notice to the Secretary seeking permission to discuss the report on the observance and implementation of the Principles of Policy laid before the Assembly in pursuance of the provisions of Article 29 of the Constitution".

جناب والا! ایک سال چار ماہ گزر گئے ہیں نہ تو ہمیں ابھی تک پرنسپل آف پالیسی کا پتہ چلا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی رپورٹ یہاں پر submit ہوئی ہے اگر وہ رپورٹ یہاں پر submit ہو گئی ہے تو وہ کب تک پیش ہو گی اگر نہیں ہوئی تو کیوں نہیں ہوئی۔ یہ میرا پوائنٹ آف آرڈر ہے۔

چودھری محمد فاروق ، پوائنٹ آف آرڈر ۔

جناب سپیکر ، چودھری صاحب! اس کے بعد میں آپ کو اجازت دوں گا۔ رانا صاحب کے پوائنٹ آف آرڈر پر وزیر قانون کچھ ارشاد فرمائیں گے؟ رانا آفتاب احمد خان نے پرنسپل آف پالیسی کی بات کی ہے۔

وزیر قانون ، جناب والا! پرنسپل آف پالیسی کو ہم زیر بحث لانا چاہتے ہیں۔ گورنمنٹ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگلے اجلاس میں ہم پرنسپل آف پالیسی پر ضرور بحث کریں گے۔

Rana Aftab Ahmad Khan: Under Article 29(3), which is regarding the observance and implementation of Principles of Policy, it is mandatory that a report should be laid before the House.

ابھی تو یہ policy lay نہیں ہوئی۔ رپورٹ تو بہت بعد کی بات ہے۔ یہ تو حکومت پنجاب کی بہت بڑی نااہلی ہے کہ جو کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔ ابھی تک ہم پرنسپل آف پالیسی وضع نہیں کر سکے۔ اگر ہم پرنسپل آف پالیسی وضع نہیں کر سکتے تو حکومت کیسے چلا سکتے ہیں۔

You are the custodian of the House and you must take a very serious note of this.

کہ ابھی تک ہمیں پالیسی کے اصولوں کا ہی پتا نہیں کہ ہم کن اصولوں پر چل رہے ہیں۔

جناب سپیکر، رانا صاحب! اس بارے میں لاءمنسٹر صاحب نے کہا ہے اور commitments دی ہیں کہ اگلے سیشن میں اس کو take up کریں گے اور اس پر بحث کروائیں گے۔۔۔۔ جناب چودھری فاروق صاحب۔۔۔

چودھری محمد فاروق (پارلیمانی سیکرٹری برائے قانون)،، جناب والا! یہ اجلاس جو کہ حزب مخالف کی requisition پر بلایا گیا ہے اور اس میں جو سب سے اہم موضوع رکھا گیا تھا اور جس کو ایجنڈے میں اپوزیشن نے assist کیا تھا کہ "آزادی صحافت" کے موضوع پر ایوان میں بحث کی جائے گی۔ لیکن آج اس کارروائی میں خواہ مخواہ کی باتوں کو طول دے کر اس موضوع سے بچنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ میری یہ گزارش ہے کہ آزادی صحافت بہت ہی اہم موضوع ہے اور اسے پورے وقت کے ساتھ ایوان میں بحث کیا جانا چاہیے ۔ میری گزارش ہے کہ اس موضوع پر ایوان میں کارروائی شروع کی جائے۔

جناب سپیکر، جناب ریاض فتیانہ پوائنٹ آف آرڈر پر بات کرنا چاہتے ہیں۔۔۔۔ چیمہ صاحب ریاض فتیانہ صاحب آپ سے پہلے پوائنٹ آف آرڈر پر بات کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے بعد آپ بات کریں گے۔

جناب محمد ریاض فتیانہ ، جناب والا! ایوان میں ایک ایک معزز رکن نے میرا نام لے کر الزام لگایا

ہے کہ میں انہیں قتل کروانا چاہتا ہوں اور قتل کا مقدمہ مجھ پر درج کیا جائے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سے میرا استحقاق مجروح ہوا ہے اور انہوں نے مجھ پر انتہائی سنگین الزام لگایا ہے۔ میں خود اس معاملے میں کچھ وضاحت پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جناب والا! پچھلے دنوں حافظ آباد میں جو سانحہ رونما ہوا اس سلسلہ میں جب میں نے وہاں حقائق دیکھے تو وہ معزز رکن اسمبلی جو ابھی یہاں پر کچھ فرما رہے تھے ان کی قیادت میں کوئی تین سو مسلح افراد جن کے پاس کلاشنکوفیں تھیں نے وہاں جا کر کم از کم تین گھنٹے تک ایم۔ایس۔ایف کے دفتر کا گھیراؤ کرنے کے بعد فائرنگ کی۔ جس سے وہاں کے دو معصوم اور بے گناہ لوگ قتل ہوئے اور اس کے علاوہ وہاں پر ایم۔ایس۔ایف کے صدر افضل اور دوسرے لوگ شدید زخمی ہوئے اور یہ غنڈہ گردی کی بدترین مثال ہے جو وہاں پر قائم ہوئی۔ اس کے بعد احتجاج کے طور پر اگلے روز حافظ آباد میں ہڑتال رہی اور تمام لوگوں نے اس غنڈہ گردی پر احتجاج کیا جو وہاں پر رونما کی گئی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ غنڈہ گردی کا واقعہ کہیں بھی ہو، قتل کا واقعہ کہیں بھی ہو، قانون کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو تحفظ فراہم کرے اور انہیں قانونی حق دے۔ اس بناء پر معزز رکن اسمبلی کے خلاف مقدمہ قتل درج ہوا اور یہ تین گھنٹے کی جو وہاں اندھا دھند غنڈہ گردی کی گئی اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے اور جہاں تک انہوں نے یہ کہا ہے کہ ہم کسی کا احتساب کریں گے تو پاکستان کی نوجوان نسل، جس نسل نے یہ ملک بنایا ہے وہ اس ملک کے تحفظ کی بھی ذمہ دار ہے اور ہم یہاں پر جمہوری اداروں کے تحفظ کے لیے، جمہوریت کے تحفظ کے لیے، صحافت کی آزادی کے لیے اور یہاں پر اس تمام موجودہ نظام کو قائم رکھنے کے لیے کوشاں ہیں۔ پاکستان کی نوجوان نسل اگر کوئی فیصلہ کرتی ہے تو وہ اپنے ضمیر کے مطابق کرتی ہے۔

جناب سپیکر: فتیانہ صاحب! آپ personal explanation پر بات کر رہے ہیں۔

جناب محمد ریاض فتیانہ: میں آخر میں یہی کہنا چاہتا ہوں کہ معزز رکن صاحب کو قتل کروا کے مجھے قطعی کوئی فائدہ نہیں وہ اپنی حفاظت خود کریں اور وہ وہاں پر ایسی کارروائیوں میں شریک نہ ہوں جن میں عوام کا کوئی ردعمل ہو اور پھر ان کے خلاف کوئی کارروائی ہو۔ بہر حال اس میں میرا کوئی عمل دخل نہیں۔ کوئی involvement نہیں۔

جناب سپیکر: جناب چیمہ صاحب پوائنٹ آف آرڈر پر بات کرنا چاہتے ہیں۔

چودھری محمد شاہنواز چیمہ ۔ جناب والا! آپ نے فرمایا کہ پرائم منسٹر، پریذیڈنٹ اور چیف منسٹر کے خلاف کوئی ایسی بات کرے گا تو میں اس کو defend کروں گا۔ تو کیا آپ نے یہ بھی عہد کیا ہوا ہے کہ لاء منسٹر صاحب کو آپ نے ہر بات پر defend کرنا ہے۔ یہ بھی اس شامل ہے؟

جناب سپیکر۔ چیمہ صاحب! یہ میرے علم میں ہے کہ لاء منسٹر صاحب کو تو آپ خود بھی defend کرتے ہیں۔ میرے یہ ذاتی علم میں ہے کہ اگر لاء منسٹر صاحب کا کوئی معاملہ ہو تو آپ خود بھی ان کو defend کرتے ہیں۔۔۔۔۔ ملک صاحب! کل میں آپ کو اس پر مزید بات کرنے کی اجازت دے دوں گا جب آپ تحریک استحقاق کو take up کریں گے۔ جناب کیانی صاحب۔

جناب نذر حسین کیانی ۔ جناب والا! ملک وزیر اعوان کی تحریک استحقاق پر آپ نے فرمایا تھا کہ اس کو کل take up کیا جائے گا۔ بات وہاں ختم ہو گئی تھی اس کے بعد آپ نے ان کو پوائنٹ آف آرڈر یا point of personal explanation پر اس معاملے پر بولنے کی اجازت دی اور دوبارہ اس معاملے کو re-open کیا۔ میں اس معاملے میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہ جو کچھ بھی کہیں ان کو حق پہنچتا ہے لیکن ملک وزیر اعوان کو آپ نے جب ایک دفعہ فرما دیا اور انہوں نے اس کو تسلیم کر لیا کہ بات کل ہو گی۔ تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو اس مسئلے پر ان کو آج بولنے کی اجازت نہیں دینا چاہئے تھی۔ یہ ہمارے ساتھ زیادتی ہے کہ ہمیں آپ روک لیتے ہیں اور ان کو بولنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔

جناب سپیکر۔ کیانی صاحب! اس بارے میں، میں سمجھتا ہوں کہ آپ اپوزیشن ڈپٹی لیڈر ہیں۔ آپ کی طرف سے میں ایسی بات سننے کی توقع نہیں کرتا کہ آپ بھی ایسی بات کریں گے۔ میں نے ان کو personal explanation پر اس لیے بات کرنے کی اجازت دی ہے کہ ملک وزیر اعوان صاحب نے اپنی تحریک استحقاق کو پیش کرتے وقت اور اس پر مختصر بیان دیتے وقت ریاض فتیانہ صاحب کے بارے میں یہ الفاظ کہے تھے کہ اگر میں قتل ہو جاؤں تو ریاض فتیانہ میرے قتل میں ملوث ہو گا۔ یہ ایک بہت بڑا الزام ہے ایک ممبر اسمبلی کے بارے میں اور انہوں نے نکتہ وضاحت پر بات کرنا چاہی تو میں نے ان کو بات کرنے کی اجازت دی یہ عین رولز کے مطابق ہے۔ روایات کے مطابق ہے تو ملک صاحب آپ کل بات کیجیے گا۔ اب ہم گورنمنٹ بزنس کو لیتے ہیں۔

رانا پھول محمد خان (وزیر امداد باہمی) ، جناب والا! پوائنٹ آف آرڈر ــــ

جناب سپیکر، جی رانا پھول محمد خان پوائنٹ آف آرڈر پر بات کرنا چاہتے ہیں۔

رانا پھول محمد خان ، جناب والا! یہاں فاضل ارکان کی تحاریک استحقاق تو پیش ہوئیں لیکن اس ملک کی 85 فیصد دیہاتی آبادی کے عوام کو بغیر تکبیر پڑھے کند چھری سے ذبح کیا جا رہا ہے اور کون ذبح کر رہا ہے؟ [* * * * * * * *] (قطع کلامیاں)

جناب سپیکر، آرڈر پلیز۔ ڈار صاحب! تشریف رکھیے۔ رانا صاحب! تشریف رکھیے۔ رانا آفتاب صاحب! تشریف رکھیے۔ آرڈر پلیز۔ اس میں میں آپ کے نوٹس میں لانا چاہتا ہوں۔ یہ جو مہنگائی کا مسئلہ ہے اور آج صحافت کی آزادی زیر بحث آئے گی۔ پہلے ایجنڈے پر یہ بات نہیں تھی لیکن ہم نے اپوزیشن کے لیڈر' لاء منسٹر کی موجودگی میں یہ طے کیا ہے کہ چونکہ اپوزیشن نے یہ اجلاس requisition کیا ہے۔ صحافت کی آزادی کے بارے میں بات کرنے کے لیے تو ہم نے یہ طے کیا ہے اور ایجنڈہ دہرا دیا گیا ہے اور آج صحافت کی آزادی پر بات ہو گی۔ تو اس لیے آپ برائے مہربانی چونکہ یہ اجلاس خاص طور پر صحافت کی آزادی کے بارے میں بلایا گیا ہے اس لیے ہمیں باقی باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ وسی ظفر صاحب تشریف رکھیے۔ دوسری بات جو مہنگائی کے بارے میں ہے۔ اس بارے میں یہ بات طے ہوئی ہے کہ آپ تحریک التوائے کار لائیں۔ کل آپ اس تحریک التوائے کار کے ذریعے اسے agitate کر سکتے ہیں۔ اگر وہ admit ہو جاتی ہے تو اس پر دو گھنٹے تک بحث ہو جائے گی۔

رانا پھول محمد خان (وزیر امداد باہمی) ، جناب والا! میں نے تین دن پہلے بھیجی ہوئی ہے۔

جناب سپیکر، اس کو ہم تحریک التوائے کار کی صورت میں take up کریں گے۔

رانا پھول محمد خان (وزیر امداد باہمی) ، تحریک استحقاق کے بعد تحریک التوائے کار ہی آئیں گی ناں۔

جناب سپیکر، اس کو آپ تحریک التوائے کار کی شکل میں take up کیجیے۔

رانا پھول محمد خان (وزیر امداد باہمی) ، ابھی ٹائم تو ہے ناں۔

جناب سپیکر، آپ لاء منسٹر صاحب سے بات کر لیں وہ آپ کو بتا دیں گے۔

*** (بحکم جناب سپیکر حذف کر دیا گیا) ***

رانا پھول محمد خان (وزیر امداد باہمی) ، جناب والا! آپ تحاریک استحقاق کے بعد تحاریک التوائے کار پیش کرنے کی اجازت دیں گے اور میری جو تحریک استحقاق ہے وہ کسی ایک آدمی کے، کسی ایک ادارے کے استحقاق سے زیادہ کے لوگوں کا 85 فیصد عوام کا استحقاق مجروح ہوا ہے۔ وہ اہمیت کی حامل ہے۔

جناب سپیکر، رانا صاحب! اس لیے تو عرض کر رہا ہوں کہ آپ لاءمنسٹر صاحب سے رجوع کر لیجیے۔ وہ آپ کو بتا دیں گے۔

جناب نذر حسین کیانی ، جناب والا! میں نے جو پوائنٹ آف آرڈر اٹھایا تھا اس پر آپ نے کوئی رولنگ بھی نہیں دی لیکن اس پر انہوں نے مرکزی حکومت کے متعلق غلط الفاظ استعمال کیے ہیں وہ حذف کیے جائیں۔ انہوں نے کہا ہے۔ ********

وزیر امداد باہمی (رانا پھول محمد خان) ، *************

جناب سپیکر، آرڈر پلیز ۔ آرڈر پلیز۔ آپ تمام حضرات اپنی اپنی نشستوں پر تشریف رکھیں ۔ میں مرکزی حکومت کے بارے میں غیر آئینی الفاظ کو کارروائی سے حذف کرتا ہوں اور رانا پھول محمد خان صاحب کے بارے میں "جاہل" کے الفاظ بھی کارروائی سے حذف کرتا ہوں۔

وصی ظفر صاحب ہم نے آزادی صحافت پر بات کرنی ہے۔ آپ تشریف رکھیں۔ اس پر آپ پہلے بات کر چکے ہیں۔ اس کو پیش کرنے کی کوئی ممانعت نہیں۔ خواجہ صاحب وصی ظفر صاحب آپ تشریف رکھیں۔ شاہ صاحب آپ بھی تشریف رکھیں۔

مسودات قانون (جو ایوان کی میز پر رکھے گئے)

ہنگامی قانون' ترقیاتی ادارہ' ڈیرہ غازی خان' مجریہ 1990ء

MR. SPEAKER: Now we take up Government business, Minister for law please.

MINISTER FOR LAW: Mr. Speaker Sir, I lay on the table of the House.

***(بحکم جناب سپیکر حذف کر دیا گیا) ***

The Dera Ghazi Khan Development Authority Ordinance, 1990.

MR . SPEAKER: The Dera Ghazi Khan Development Authority Ordinance, 1990 has been laid on the :bale of the House. It is deemed to be a bill introduced in the House under Rule 75(6) of the Rules of Procedure. It is referred to the appropriate Standing Committee for report by 30th April, 1990.

ہنگامی قانون (ترمیم پنجاب) انتظام کارخانہ جات شکر سازی مجریہ 1990ء

MINISTER FOR LAW: Mr. Speaker Sir, I lay on the table of the House.

The Sugar Factories Control (Punjab Amendment) Ordinance, 1990.

MR . SPEAKER: The Sugar Factories Control (Punjab Amendment) Ordinance, 1990 has been laid on the table of the House. It is deemed to be a Bill introduced in the House under Rule 75(6) of the Rules of Procedure. It is referred to the appropriate Standing Committee for report by 30th April, 1990.

ہنگامی قانون، حق شفع پنجاب، مجریہ 1990ء

MINISTER FOR LAW: Mr. Speaker Sir, I lay on the table of the House

The Punjab Preemption Ordinance, 1990.

MR . SPEAKER: The Punjab Preemption Ordinance, 1990 has been laid on the table of the House. It is deemed to be a Bill introduced in the House under Rule 75(6) of the Rules of Procedure. It is referred to the appropriate Standing Committee for report by 30th April, 1990.

آزادی صحافت پر بحث

جناب سپیکر. اب ہم آزادی صحافت پر بحث شروع کرتے ہیں۔ میرے پاس جو جو اسمائے گرامی آئے ہیں ان میں سے حزب اختلاف کی طرف سے چھ سات اسمائے گرامی آئے ہیں۔ اگر کوئی اور صاحب اس پر بات کرنا چاہتے ہیں تو وہ اپنے نام مجھے بھجوا دیں۔ جن صاحبان کے نام میرے پاس ابھی تک نہیں آئے اور جو اس پر بات کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے نام مجھے لکھ کر بھجوا دیں۔

محمد اقبال خان ٹکا صاحب کی درخواست پر ہم نے ان کی سیٹ تبدیل کر دی ہے اور ان کو سیٹ نمبر 105 الاٹ کر دی ہے۔

جناب اسلم گرداسپوری صاحب سے بحث شروع کریں۔ آپ بسم اللہ کریں۔

رانا شوکت محمود . جناب والا! میں آپ کی اجازت سے ایک منٹ لوں گا۔ گزارش یہ ہے کہ یہ ایک بہت اہم اجلاس اس حوالے سے تھا کہ اس اجلاس میں ہم نے ایک اہم ترین پیشہ - طبقہ جو کسی بھی دنیا کے ایک آزاد اور مہذب ملک میں انتہائی اہم ترین کردار ادا کرتا ہے ان کی مشکلات' ان کی تکالیف اور دکھوں کے بارے میں یہاں سوچ بچار کرنی تھی اور اظہار خیال کرنا تھا۔ میں سمجھتا ہوں پنجاب اسمبلی میں موجودہ جو ہمارے بہن بھائی ہیں انہوں نے ایک انتہائی اہم کردار جمہوریت کو استحکام دینے میں اور جمہوری اداروں کو بہتر طور پر چلانے میں ادا کیا ہے۔ اس پر یہ ایوان اور اس کے سارے ممبران مبارک باد کے مستحق ہیں۔

جناب والا! اس اجلاس ' اس ایوان میں ہم نے ماضی میں بھی بہت ساری ایسی باتیں کی ہیں جو روایات سے ہٹ کر تھیں۔ بالخصوص یہ بات کہ ہم نے بہت طویل عرصہ اور کافی ہفتے امن و امان پہ بحث کی ہے اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس میں معزز ممبران نے اپنے اپنے حلقے اور اس صوبہ کے تمام حالات کو زیر بحث لا کر اس صوبہ کے عوام کو قانون اور امن کا ایک تحفظ فراہم کرنے کی سعی کی تھی۔

جناب والا! اسی طرح یہ بھی ایک انتہائی اہم اجلاس ہے جس میں پھر ہم نے روایت سے ہٹ کر بات کی ہے کہ ایک طبقہ کے بارے میں جو ایک انتہائی اہم طبقہ ہے۔ ان کی اپنی مشکلات کو زیر بحث لانے کے لیے ایک مخصوص اجلاس طلب کیا ہے۔ ہم آپ کے بھی شکر گزار ہیں اور احسان مند بھی ہیں

کہ آپ نے ہمیشہ ہماری ان کوششوں کو عملی جامہ پہنانے میں مشکلات کو دور کر کے اس ایوان کے وقار کو بلند کیا۔ یہ آپ کا خلوص' یہ آپ کی شخصیت اور آپ کے ایک پروقار مرتبہ کے مطابق ہی ساری روایات جو اس ایوان کی قائم ہو رہی ہیں مجھے یقین ہے کہ ان روایات کو ہم آگے بڑھاتے ہوئے اس صوبہ کے عوام کی وہ تمام خدمات کریں گے جن کی وہ توقعات ہم سے رکھے ہوئے ہیں۔

جناب والا! اسی طرح بہت سارے مظلوم جن کی آواز کسی اور ذریعے سے نہیں اٹھائی جا سکتی ان کی آواز بھی ہمیشہ اس ایوان میں اٹھائی جاتی رہی اور آئندہ بھی میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی سربراہی اور آپ کی راہنمائی میں انشاء اللہ ہم اپنے اس فرض کو پورا کریں گے۔ میں نہایت مختصر الفاظ میں پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ہم نے آج جو ایجنڈا دیا تھا اس پر بحث شروع کی ہے۔ انشاء اللہ اس پر یہ کوئی مقصود نہیں کہ ہم کسی ایک نکتے کو بڑھائیں اور دوسرے کو نیچا دکھائیں۔ اس میں جتنے بھی ممبران اس ایوان کے اندر ہیں ان سب کا فرض ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ماضی میں بھی ہم نے اپنا فرض پورا کیا ہے۔ ہم صحافت کے بارے میں' صحافت کی مشکلات کے بارے میں صحافیوں کی تکالیف کے بارے میں' صحافیوں کے جو بھی مسائل ہیں ان کے بارے میں نہایت ہی سنجیدگی کے ساتھ غور و خوض کریں۔ ان کو زیر بحث لائیں۔ پھر ان کے حل تلاش کریں۔ اس لیے صحافت کے بغیر جمہوریت نہیں چل سکتی اور صحافیوں کے بغیر صحافت نہیں چل سکتی' یہ ساری چیزیں لازم و ملزوم ہیں اور اسی طرح لازم و ملزوم ہیں جیسے اسمبلی کے بغیر جمہوریت ممکن نہیں۔ اسی طرح صحافت کے بغیر' آزاد صحافت کے بغیر جمہوریت نہیں چل سکتی۔ جمہوری اداروں کو استحکام نہیں مل سکتا اور کسی بھی ملک کی سماجی اور معاشرتی زندگی میں کسی قسم کی ترقی نہیں ہو سکتی۔

جناب والا! میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ ایوان کی اس کارروائی کو جاری کریں۔

میاں محمود الحسن ڈار، پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب سپیکر! میں آپ کی توجہ اس بات پر مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ نماز کا وقت مقرر کریں۔ خاص طور پر جس طرح قومی اسمبلی میں اذان آتی ہے۔ اسی طرح اذان آنے اور ہر آدمی کو پتا ہو کہ اذان آ رہی ہے۔ نماز پڑھنے کے لیے پہلے اذان ہوتی ہے اور آدمی نماز کی تیاری کرتا ہے' وضو کرتا ہوتا ہے اور سنتیں پڑھنی ہوتی ہیں۔ خاص طور پر یہ رمضان کا متبرک مہینہ

ہے جس میں نزول قرآن ہوا ہے ۔ ہمارا دین قرآن کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہمیں اس کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے۔ باقی کارروائی بعد میں کریں۔ آپ اس پر توجہ فرمائیں ۔ شکریہ۔

جناب سپیکر، جناب اسلم گورداسپوری صاحب۔ میرے خیال میں دس دس منٹ کافی رہیں گے۔

(اس مرحلے پر چودھری محمد ظہیر الدین کرسی صدارت پر تشریف فرما ہوئے)

جناب محمد اسلم گورداسپوری، جناب سپیکر! یہ شاید دنیا کی پارلیمانی تاریخ کا پہلا واقعہ ہو گا کہ آج اخبارات کی آزادی، صحافت کی آزادی کے لیے کسی حزب اختلاف نے خصوصی اجلاس بلانے کی گزارش کی۔یہ واقعہ دنیا کی تاریخ میں بھی پہلا ہی ہو گا کہ کسی اخبار کے دفتر پر خود حکومت نے حملہ کیا۔ برسراقتدار جماعت نے حملہ کیا۔ اس صورت میں ہم آج ایک تاریخ ساز اجلاس سے خطاب کر رہے ہیں۔ اور اس میں سب لوگ شریک ہیں۔

جناب سپیکر! آج یہ متعین کرنا ہو گا کہ اخبار کہتے کس کو ہیں؟ کیا چیز ہے اخبار؟ اخبار وہ ہے کہ جس میں ہم اپنے معاشرے کی تمام برائیوں اور تمام اچھائیوں کو بیان کرتے ہیں۔ جس میں ایک پہلو یہ ہے کہ لوگوں کو خبردار کیا جائے کہ ہمارے معاشرے میں کیا ناسور ہیں؟ ہمارے معاشرے میں کیا انہونیاں ہو رہی ہیں؟ اور دوسری طرف اخبارات کا جو سب سے بڑا کردار ہے وہ یہ ہوا کرتا ہے کہ مظلوم کی داد رسی کی جائے۔ کسی کی فریاد لوگوں تک پہنچا دی جائے۔ کسی کے ساتھ زیادتی کی گئی ہو تو اس کو حکام بالا تک پہنچا دیا جائے۔ نہ صرف پہنچایا جائے بلکہ اسے انصاف حاصل کرنے کی وہاں تک امداد کی جائے پروپیگنڈہ کر دیا جائے کہ ظالم ڈر جائیں' غاصب ڈر جائیں اور کمزوروں کو انصاف مل سکے۔ لیکن وہ اخبار جس کو قوم' عوام اور حاکموں کو لگام دینے کے لیے آئین و قانون زندہ رکھا جاتا ہے' تاکہ ان کو نہ ڈرایا جائے۔ جس صحافت کو بے راہ روی کو روکنے کے لیے' لاقانونیت کو روکنے کے لیے' جبر اور دہشت گردی کو روکنے کے لیے جن اخبارات کو معاشرے میں شروع کیا جاتا ہے' جن سے کام لیا جاتا ہے یہ اس معاشرے میں' یہ اس پنجاب کے صوبے میں ان ہونی ہو رہی ہے کہ یہاں اخبار کو ڈرایا جا رہا ہے۔ اخبارات ہیں حاکموں کو ڈرانے کے لیے' ڈاکوؤں کو ڈرانے کے لیے' راشیوں کو ڈرانے کے لیے لیکن یہاں کیا ہے؟ یہاں ڈاکو اخبارات کو ڈرا رہے ہیں۔ قاتل اخبارات کو ڈرا رہے ہیں۔ بدمعاش اخبارات کو ڈرا رہے ہیں حاکم اخبارات کو ڈرا رہا ہے۔ دیکھیے۔ اندازہ کیجیے۔ اس ملک کی کیا کس مپرسی ہے؟ کیا بدنصیبی

ہے؟ کیا ستم ظریفی ہے؛

قریب آنے مہ شب غم
نظر پہ کھلتا نہیں کچھ اس دم
کہ دل پہ کس کس کے نقش باقی ہیں
کون سے نام بجھ گئے
وہ تیرگی ہے رہ بتاں میں
کہ چراغ رخ ہے نہ شمع وعدہ
قلم کوئی روشنی کی لاؤ
کہ سب در و بام بجھ گئے

(نعرہ ہائے تحسین)

تو یہ اخبار پر حملہ نہیں۔ یہ اس ملک کے ضمیر پر حملہ ہے۔ یہ اس قوم کی غیرت پر حملہ ہے۔ یہ صحافیوں پر حملہ نہیں۔ یہ اس ملک کے آئین پر حملہ ہے۔ اس ملک کے قانون پر حملہ ہے۔ اس ملک کے اصولوں پر حملہ ہے۔ اس قوم کی حمیت پر حملہ ہے۔ غیرت پر حملہ ہے۔ پوری قوم کے استحقاق پر حملہ ہے۔ جناب والا! اسی لیے تو ہم کہتے تھے کہ ہم کس لیے اپنی زندگیاں ضائع کر چکے ہیں۔ ہم تو اس آس کے لیے لڑتے رہے کہ جو لوگ آئین توڑنے والے، آئین کے قاتل، جمہوریت کے قاتل، مارشل لاء لگانے والے، غیر قانونی حکومتیں چلانے والے، جو ان کے ساتھ رہیں گے ان کے ساتھ خیر کی توقع نہیں۔ قوم کو بھی ان سے خیر کی توقع نہیں۔ مزدور کو بھی خیر کی توقع نہیں۔ کسان کو بھی خیر کی توقع نہیں۔ وکلاء کو بھی خیر کی توقع نہیں۔ صحافیوں کو بھی خیر کی توقع نہیں۔ اخبارات کو بھی خیر کی توقع نہیں۔ کہتے ہیں کہ جناب ان کی تو صلح ہو گئی ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ میاں نواز شریف صاحب کی اور "جنگ" کے مالکان کی صلح ہو گئی ہے۔ "ہاں" ہو گئی ہے۔ میاں نواز شریف کی اور "جنگ" کے مالکان کی صلح ہو گئی ہے۔ قانون اور لاقانونیت کی صلح نہیں ہوئی۔ (نعرہ ہائے تحسین)

امن اور بدامنی کی صلح نہیں ہوئی۔ غنڈہ گردی اور شرافت کی صلح نہیں ہوئی۔ خیر کی اور کمزوری کی صلح نہیں ہوئی۔ غنڈوں، بدمعاشوں اور شریفوں کی صلح نہیں ہوئی۔ ظالم اور مظلوم کی صلح

نہیں ہوئی۔ بندہ نواز' ان کی صبح ہو گی۔ بتائیے' دنیا کا کوئی اصول کوئی طریق کار ہے کہ خود حاکم رہے' خود حکومت کرے' ادارے موجود ہوں' وزیر اعلیٰ خود ہوں' اسمبلی کے ممبران ہوں' ایم این اے بھی ان کے ہوں' سیکرٹری ہوں' پولیس ان کے پاس' ذاتی پولیس ان کے پاس ہے۔ یہ کیا تک ہے؟ کیا اصول ہے؟ کیا تکلیف ہے؟ کہ ایک دہشت گرد تنظیم بنائی گئی۔ یہ ایم ایس ایف کیا چیز ہے؟ یہ کسی اقدار کا حصہ ہے؟ کوئی منتخب فورس ہے؟ کیا چیز ہے؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ یہ کیا بلا ہے؟ جس کے بارے میں وزیر اعلیٰ پنجاب علی الاعلان دھمکیاں دیتا ہے اور ایک مرکزی حکومت کو دھمکیاں دیتا ہے۔ مرکزی حکومت کی وزیر اعظم کو' آئینی وزیر اعظم کو' آئینی جماعت کو' نیشنل پارٹی کو' قومی جماعت کو' ایک اپنی تنخواہ دار' ایک کاسہ لیس' ایک خانہ ساز تنظیم بنا کر کہ میں اس سے دماغ درست کروا دوں گا؟ کن کے؟ منتخب لوگوں کے' عوام کے نمائندوں کے' پاکستان کی وزیر اعظم کے۔

(شیم شیم کی آوازیں)

یہ اسی ملک میں ہو سکتا ہے۔ یہ اندھیر نگری۔ یہ وزیر اعلیٰ' یہ راج دلارا پنجاب۔ کا ہی ہو سکتا ہے۔ اسی کا ہو سکتا ہے جس کے لیے کہا جاتا ہے کہ فوج اس کے ساتھ ہے۔ کس کے ساتھ فوج ہے؟ ٹھیک ہے' کہو۔ کہتے جانا اس بات کو۔ اور تاریخ یہ بھی لکھ لے کہ پاکستان توڑنے والے پہلے کون تھے اور اب کون ہوں گے۔ مجھے بتاؤ' کیا سندھ کے وزیر اعلیٰ کے ساتھ فوج نہیں ہے؟ کیا یہ پاکستان کی فوج اور جرنیل جن کا ذکر نواز شریف کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ وہ اس کی پشت پر ہیں تو بتاؤ کہ کیا وزیر اعلیٰ سندھ کی پشت پر پاکستان کی فوج نہیں؟ کیا فرنٹیئر کے وزیر اعلیٰ کے ساتھ پاکستان کی فوج نہیں؟ کیا بلوچستان کے وزیر اعلیٰ کے ساتھ پاکستان کی فوج نہیں ہے۔ اس فوج کو کس انداز کے ساتھ بدنام کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک ڈکٹیٹر کی بات ہے۔ یہ ایک جرنیل کی ہے۔ فوج ہماری ہے۔ فوج اس کے باپ کی ہے۔ یہ کیا بات ہوئی۔ یہ کس طریقے سے فوج کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ دیکھ لیں اور تمام ادارے دیکھیں کہ یہ دہشت گرد تنظیم کس لیے بنائی گئی اور کیسے بنائی گئی۔ پہلے واقعہ ایم کیو ایم والوں کا ہوا۔ وہ پہلے ایم کیو ایم نہیں تھی پہلے طلباء حمایت تنظیم تھی اور طلباء کی موت کے بعد ایم کیو ایم بنی۔ پھر وہ قومی مہاجر موومنٹ میں آئی۔ اس دہشت گرد تنظیم نے پہلے اخباروں پر حملہ کیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ کراچی اور حیدر آباد میں اخبار نہیں جائے گا۔ اور وہ بھی اخبار تھا اور یہ اتفاق ہے کہ یہی اخبار تھا۔ انہوں

نے اس اخبار کو کسی کے گھر تک نہ پہنچنے دیا۔ جلا دیا گیا۔ یہ ایم کیو ایم کا پہلا واقعہ ہوا۔

جناب چیئرمین۔ جیسا کہ آپس کے معاہدہ کے مطابق مجھے بتایا گیا ہے کہ دس منٹ ہر رکن کو تقریر کے لیے دیے جائیں گے۔ آپ براہ مہربانی اپنی تقریر کو ختم کیجیے۔

جناب محمد اسلم گورداسپوری۔ جناب 15 منٹ کی بات ہوئی تھی۔ ابھی تو میں نے بات ہی نہیں کی اور یہ ابتدائی تقاریر ہیں خدا کے واسطے کچھ وقت دیا جائے۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ تاریخی اجلاس ہے۔ یہ اجلاس پاکستان کی سیاسی اور جمہوری تاریخ کو متعین کرے گا۔

جناب چیئرمین۔ یہ آپ نے بجا فرمایا ہے لیکن جو کچھ مجھے بتایا گیا کہ وصی ظفر صاحب اور ادھر کے جو ہمارے نمائندے ہیں ان کے ساتھ' سپیکر صاحب! کا ایک معاہدہ ہو چکا ہے جس کے تحت ہر معزز رکن دس منٹ تک بولے گا۔ آپ کے دس منٹ تقریباً ہونے کو ہیں۔ آپ ایک دو منٹ اور لیجیے اور ختم کیجیے۔

جناب محمد اسلم گورداسپوری۔ جناب سپیکر! 15 منٹ کی بات ہوئی تھی۔ جب وزارت پر ہوتے ہوئے دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ ٹریڈ ہارس نہیں ہونے دیں گے۔ یہ کس نے شروع کی۔ اسی تنظیم کے ہیڈ سے یہ دھمکی آتی ہے کہ جو آدمی جو ایم این اے مرکزی حکومت کے ساتھ جائے گا' اس کا گھر جلا دیا جائے گا اور انوارالحق کا گھر جلا دیا گیا۔ آپ دیکھیں کہ قانون کو کس طرح چلایا جا رہا ہے۔ جناب والا! یہ بات نہیں۔ جب اقبال ان کے ساتھ ہو تو وہ چیئرمین انٹی کرپشن ہے۔ جب اس کا ساتھ چھوڑے تو مسٹر کرپشن۔ یہ کیا نرالی بات ہو رہی ہے۔ یاد رکھیے کہ آپ جو نواز شریف کے ساتھ ہیں سب کے ساتھ یہی ہو گا۔ ایک دن آئے گا کہ جب یہاں ساری لسٹیں ایسی ہی پڑھی جائیں گی۔ جب لاقانونیت کا ساتھ دیا جائے گا جب جرم کا ساتھ دیا جائے گا تو پھر اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا۔ حضور والا! بات اتنی سی ہے۔ اگر ہمارے ساتھ کوئی ممبر آئے تو صدر صاحب کو خبر دی جاتی ہے۔ جناب صدر یہ دیکھیے کہ ہارس ٹریڈ نگ ہو گئی۔ کیا میاں منظور موہل ہارس ٹریڈ نگ نہیں؟ اعجاز کنور کیا ہارس ٹریڈ نگ نہیں؟ شاہد مرزا کیا ہارس ٹریڈ نگ نہیں؟۔ شوکت چودھری کیا ہارس ٹریڈ نگ نہیں؟ علی رضا کیا ہارس ٹریڈ نگ نہیں؟ مجھے بتائیے یہ ٹریڈ کس نے شروع کی ہے؟ اور یہ کیا ہو رہا ہے؟

جناب چیئرمین۔ گورداسپوری صاحب! تشریف رکھیں۔ میں نے فلور میاں منظور موہل کو دے دیا ہے۔

میاں منظور احمد موہل، پوائنٹ آف آرڈر۔ یہ کسی بھی مرحلے پر ہو سکتا ہے۔

جناب چیئرمین، رانا صاحب! تشریف رکھیے میں نے فلور منظور موہل کو دے دیا ہے' فرمایئے۔

میاں منظور احمد موہل، جناب سپیکر! محترم بھائی نے اپنی تقریر کے دوران میرا اور میرے ساتھیوں کا ذکر ہارس ٹریڈنگ کے ساتھ کیا ہے۔ میں آپ کی وساطت سے اس ایوان کو جتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے معاملہ میں کوئی ٹریڈ نہیں ہوئی ہے۔ (قطع کلامیاں)

جناب چیئرمین، آرڈر۔ آرڈر۔ تشریف رکھیے۔ آپ اپنی اپنی تقریر میں اپنا نقطہ نظر پیش کر لیجیے گا۔ موہل صاحب آپ تشریف رکھیں۔

میاں منظور احمد موہل، میں پوائنٹ آف آرڈر پر ہوں۔

جناب چیئرمین، یہ کوئی پوائنٹ آف آرڈر نہیں۔

میاں منظور احمد موہل، جناب والا! جہاں ہم تقریر کر رہے ہیں یہ ایک معزز ایوان ہے۔ یہ ایک باوقار ایوان ہے یہ کوئی موچی دروازہ نہیں۔ اسلم گورداسپوری یہاں اس طرح تقریر کر رہے ہیں۔ جیسے موچی دروازے میں کر رہے ہوں۔

جناب چیئرمین، منظور موہل صاحب! میں نے آپ کو وقت دیا آپ تشریف رکھیں۔ آپ اپنی تقریر میں اپنا نقطہ نظر پیش کیجیے گا۔ میرے خیال میں یہ ہمارے آپس میں طے ہو چکا ہے کہ تقاریر میں دخل نہیں دیا جائے گا۔ اگر اسی طریقے سے ایوان کو چلانا ہے تو کوئی بھی معزز رکن یہاں اپنی تقریر مکمل نہیں کر سکے گا۔

رانا پھول محمد خان، جناب سپیکر! اس معزز ایوان کی ہمیشہ یہ روایت رہی ہے کہ ارکان اسمبلی پر ذاتی حملے نہیں کیے جاتے۔ اب منظور موہل کا کنور اعجاز کا نام لے کر بکاؤ مال کہنا کس قدر حماقت ہے۔ میں ان الفاظ پر احتجاج کرتا ہوں۔ وہ اپنے الفاظ واپس لیں اور ان کو اپنے الفاظ واپس لینا چاہئیں۔ وہ ایک معزز ایوان کے رکن ہیں۔ اگر وہ اپنے الفاظ واپس نہ لیں گے تو اس طرف سے بھی بہت کچھ کہا جائے گا

جناب چیئرمین، یہ آپ کی اپنی صوابدید ہے۔ آپ دھمکی نہ دیجئے۔ آپ چیئر کو دھمکی کے انداز میں

بات نہ کریں۔ رانا صاحب! یہ بڑی افسوس ناک بات ہے۔ آپ تشریف رکھیں' مجھے بات کرنے دیں۔ گورداسپوری صاحب آپ تشریف رکھیں ۔ رانا صاحب! جب میں نے ابھی آپ کو فلور دیا تو آپ نے جو کچھ فرمایا وہ آپ کا حق بنتا ہے۔ لیکن میری یہ گزارش ہے کہ آپ پرانے پارلیمنٹیرین ہیں۔ ہم لوگ جو نئے آئے ہیں' ہمیں آپ سے کچھ سیکھنا ہے۔ آپ کو مخاطب کرتے ہوئے دھمکی آمیز لہجہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ مجھے اس بات کا بڑا افسوس ہے۔ گورداسپوری صاحب! آپ اپنی تقریر ختم کیجیے۔ میں آپ کو ایک منٹ دیتا ہوں۔

جناب محمد اسلم گورداسپوری. جناب سپیکر! میں آخر میں گزارش کروں گا کہ جو بات سارے افسانہ میں نہ تھی وہ بھی کر دی۔ میں نے بکاؤ مال نہیں کہا' انہوں نے کہا ہے میں نے یہ کہا تھا کہ جانے والے اور آنے والے' بات یہ ہو رہی تھی۔ ہم یہ ایک بات کہنا چاہتے ہیں کہ اس ملک میں بڑی مشکل کے بعد بڑی جدوجہد کے بعد بڑی قربانیوں کے بعد جمہوریت آئی ہے۔ اور اس کی قدریں ہم نے ہی متعین کرنی ہیں۔ ہم سب اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ اس معاشرہ میں عدل ہے کہ نہیں۔ انصاف ہے کہ نہیں۔ ہماری یہی گزارش ہے کہ۔

کب جان لہو ہو گی کب اشک گہر ہو گا
کب تک تیری شنوائی ہے اسے دیدہ تر ہو گی

بہت مہربانی' بہت شکریہ۔

جناب چیئرمین. اب جناب وصی ظفر صاحب۔ وصی ظفر صاحب! آپ نے اس کو دس منٹ میں مکمل کرنا ہے۔

رانا پھول محمد خان. جناب والا! میرے پوائنٹ آف آرڈر پر جناب نے کیا حکم فرمایا ہے؟

جناب چیئرمین. رانا صاحب! آپ نے فرمایا کہ انہوں نے کہا ہے کہ "بکاؤ مال"۔ ان کے یہ الفاظ واپس لیے جائیں۔ انہوں نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ میں نے ان کو بکاؤ مال نہیں کہا۔ اس لیے یہ آپ کا پوائنٹ آف آرڈر نہیں۔ جی فرمائیے۔ اب وصی ظفر صاحب کی باری ہے۔ انہیں اپنے الفاظ سے نوازنے دیں۔

جناب کنور اعجاز علی. جناب والا! آج میرے اور میرے ساتھیوں کے بارے میں جو الفاظ استعمال

کیے گئے ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم پر ذاتی کیچڑ اچھالا گیا ہے۔ ان لوگوں کی زبان سے کیچڑ اچھالا گیا ہے جن کی اپنی سوچ اور جن کا اپنا ضمیر شراب خانے اور کنجر خانے کے چوباروں میں ہوتا ہے۔ جنہیں اپنی ہوش نہیں ہے۔ میں یہ قطعاً برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم نے اگر اپنے ضمیر کو بیچا ہے تو اپنے علاقے کی فلاح اور بہبود کے لیے لوگوں کی بھلائی کے لیے کیا ہے اور اگر ان کی عزت اتنی بڑی ہے۔ ہم اپنی عزت سے بڑی کسی کی عزت کو نہیں سمجھتے۔ انہوں نے بڑی زیادتی کی ہے وہ لوگ جو شام کے وقت اپنے ہوش میں نہیں رہتے میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت بھی وہ بے ہوش ہیں اور اسی لیے بے ہوشی کی بات کی ہے۔ ہم نے جو فیصلہ کیا ہے' وہ ہوش میں رہتے ہوئے کیا ہے اور انشاء اللہ ہوش میں ہیں۔ ہم نے ملک کی بقا میں کیا ہے۔ عوام کی بھلائی میں کیا ہے اور اپنے مفاد میں کیا ہے۔

جناب چیئرمین، آپ تشریف رکھیے۔

(شور)

آرڈر آرڈر۔ مجھے ان کا جواب دینے دیں۔

جناب چیئرمین، آپ تشریف رکھیں۔

جناب کنور اعجاز علی، جناب سپیکر! انہوں نے ہمارے ضمیر کو جھنجوڑا ہے۔

جناب چیئرمین، اعجاز کنور صاحب! آپ اپنی بات ختم کر چکے۔ تشریف رکھیے۔ میں کچھ گزارش کرتا ہوں۔ جناب اعجاز کنور صاحب نے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ یہ بجا ہے کہ اگر کسی کی ذات کے بارے میں کہا جائے۔

جناب فضل حسین راہی، جناب والا! آپ اس ہاؤس کے custodian ہیں۔ آپ کوشش یہ کریں کہ دونوں اطراف سے ایسی باتیں نہ ہوں جن سے زیادہ تکلیف پہنچے۔

جناب چیئرمین، فضل حسین راہی صاحب! آپ تشریف رکھیں۔ میں گزارش کرتا ہوں۔ پہلے میں ان کی بات کا جواب دے لوں۔ اعجاز کنور صاحب آپ نے جو اپنے جذبات کا اظہار کیا وہ بجا۔ اگر کسی شخص کا نام لے کر بکاؤ مال کہا جائے تو یقیناً میں اس کو کارروائی سے حذف کرنے کے لیے کہوں گا۔ لیکن رانا صاحب کے احتجاج کے بعد انہوں نے اپنی بات کی وضاحت کر دی ہے کہ میں نے آنے اور جانے والوں کی بات کی ہے۔ اب ادھر سے بھی آ جا رہے ہیں اور ادھر سے بھی آ جا رہے ہیں۔

جناب کنور اعجاز علی، جناب سپیکر! انہوں نے نام لیا ہے۔ (قطع کلامیاں)۔

جناب چیئرمین، اس میں اگر حقائق کے کچھ بر خلاف ہے تو اور بات ہے۔ بہرحال ہم کارروائی کو آگے چلاتے ہیں۔ جناب وصی ظفر صاحب! میرے خیال میں اب ایوان کی کارروائی کو آگے چلنا چاہیے۔ وصی ظفر صاحب! ارشاد فرمائیں۔

میاں منظور احمد موہل، جناب والا! ہمارے جو نام لیے گئے ہیں وہ کارروائی سے حذف کیے جائیں۔ اگر وہ الفاظ واپس نہیں لیتے تو آپ اپنی رولنگ دیں کہ معزز اراکین جن کے نام لیے گئے ہیں وہ کارروائی سے حذف کیے جاتے ہیں۔

چودھری محمد وصی ظفر، جناب والا! انہوں نے حقائق پر مبنی بات کی ہے۔

میاں منظور احمد موہل، جناب والا! دیکھیں کہ جس سے بھی تضحیک نظر آتی ہو وہ الفاظ کارروائی سے حذف کر دیے جائیں۔ (قطع کلامیاں)

جناب چیئرمین، آپ تشریف رکھیں۔ میں آپ کی بات کر رہا ہوں۔ اگر کسی معزز رکن کے نام کے ساتھ بکاؤ مال کا لفظ استعمال کیا گیا ہے تو اسے کارروائی سے حذف کیا جائے گا۔ جی ارشاد!

چودھری محمد فاروق (پارلیمانی سیکرٹری برائے قانون)، جناب سپیکر! معزز اراکین کے نام لے کر یہ بات کہی گئی کہ یہ ہارس ٹریڈنگ کا نمونہ مثال یہاں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ الفاظ غیر پارلیمانی ہیں اور جو معزز اراکین کے نام لے کر یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں یہ الفاظ کارروائی سے حذف کیے جائیں۔ شکریہ۔

جناب چیئرمین، جی ارشاد وصی ظفر صاحب!

چودھری محمد فاروق (پارلیمانی سیکرٹری برائے قانون)، جناب والا! جن کے نام لے کر الفاظ استعمال کیے گئے ہیں وہ الفاظ کارروائی سے حذف کیے جائیں۔

جناب چیئرمین، میں اس کے بارے میں اپنی رولنگ دے چکا ہوں۔ آپ تشریف رکھیے۔

چودھری محمد وصی ظفر، جناب والا! نہایت شکریہ۔ (قطع کلامیاں)

جناب چیئرمین، وصی ظفر صاحب! ارشاد۔ آپ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں اتنا وقت آپ کا کم کر

دوں گا۔ آپ اپنی تقریر شروع کیجیے۔

چودھری محمد وصی ظفر: جناب والا! میں انتہائی شکر گزار ہوں کہ اس انتہائی اہم موقع پر جبکہ ایک جو انتہائی حساس ترین ادارہ ہے یعنی صحافی اور اخبارات۔ تو اس موضوع پر جس وقت بحث ہو رہی ہے تو مجھے بھی موقع دیا گیا ہے۔ جناب گورداسپوری صاحب نے کچھ کہا ہے تو میں اس کا کچھ تھوڑا سا پس منظر یعنی اس کا بیک گراؤنڈ بیان کرنا چاہوں گا کہ وزیر اعلیٰ پنجاب نے وزیر اعلیٰ منتخب ہوتے ہی اپنی پارلیمانی پارٹی کی میٹنگ میں اپنے ممبران کے ساتھ جب یہ تہیہ کیا کہ میں کسی صورت دو تین ماہ سے زیادہ مرکزی حکومت چلنے نہیں دوں گا تو انہوں نے مختلف قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کیے اور انہی ہتھکنڈوں کا سلسلہ چلتا رہا اور ان کی توجہ پنجاب کے انتظامی امور سے مکمل ہٹ گئی۔ جناب والا! میں اپنی تقریر میں دعویٰ کرتا ہوں اور وزیر قانون سے چاہوں گا کہ وہ جواب دیں کہ آیا وزیر اعلیٰ کے قریبی رشتہ دار اس وقت دو نمبر جعلی دوائیاں بنا کر بازار میں فروخت نہیں کر رہے۔ کیا وزیر اعلیٰ پنجاب کے قریبی رشتے دار اس وقت جعلی دو نمبر کے پرزے بنا کر یعنی آٹو پارٹس بنا کر بازار میں فروخت نہیں کر رہے؟ وزیر اعلیٰ کے قریبی رشتے دار اس وقت جعلی شراب بنا کر ہوٹلوں میں سپلائی نہیں کر رہے؟ معاشرہ اس طرف چلا گیا ہے کہ کسی کی اس طرف توجہ نہیں۔ ایک ہی طرف توجہ ہے کہ مرکز کو ہٹائیں اور کیا اسی مہم کے سلسلے میں وزیر اعلیٰ پنجاب نے ایم ایس ایف کو مکمل غنڈوں کا روپ دے کر اور کچھ لوگوں کو اس کا انچارج بنا کر یہاں پر پیش نہیں کیا؟ وزیر اعلیٰ پنجاب نے جلسوں میں فرمایا کہ میں ایم ایس ایف کے ذریعے فلاں کو ٹھیک کر دوں گا۔ میں ایم ایس ایف کے ذریعے فلاں کو ٹھیک کر دوں گا۔ پسرور کے جلسے میں چار دن قبل کہہ کر کہ میں ایم ایس ایف کے ذریعے اخبارات کو اور خاص طور پر جنگ کو ٹھیک کر دوں گا اور اس پر جنگ کے دفتر پر حملہ کروایا اور 23 مارچ کا جو ایڈیشن تھا جس میں کہ قرارداد پاکستان کی کاپی اور حضرت قائد اعظم کی تصاویر تھیں انہیں نہ صرف جلایا بلکہ پاؤں سے روندا۔ ان غریبوں پر مزید حملہ کرنے کی کوشش کی اور انہوں نے دروازے بند کر کے جان بچائی۔ اگلے دن جب ہمارے صحافی ایک احتجاجی جلوس لے کر جس میں سارے اخبارات کے صحافی تھے اور تمام اخبارات سے اکٹھے ہوئے تھے انہوں نے احتجاج کرنا چاہا تو مسلم لیگ کے دفتر سے کلاشنکوف سے فائرنگ کی گئی اور یہ میرا دعویٰ ہے۔ اس کی وڈیو کیسٹ موجود ہے۔ اور کسی کو شبہ ہے تو آ کر چلا

ہے اور دیکھ رہے، وہ فائرنگ کرنے والا شخص اور اخبار پر حملہ کرنے والا شخص اس سے اگلے دن وزیر اعلیٰ پنجاب کے بھائی میاں شہباز شریف کے ساتھ ایک function attend کر رہا ہے۔ اس سے اگلے دن وہ مسلم لیگ میں وائیں صاحب کے ساتھ ایک تقریب میں بیٹھا ہے۔ اس کے دو دن بعد وہ فتیانہ صاحب سامنے بیٹھے ہیں وہ اس فلور پر انکار کر دیں، فلیٹیز میں ان کے ساتھ پریس کانفرنس کرتا ہے اور الما جنگ والے پر پرچہ۔ یعنی پرچہ ان کارکنوں پر اور پھر ان صحافیوں پر جن پر فائرنگ ہوئی۔ صحافیوں پر میں نے ایک عجیب پرچہ سنا ہے۔ پرچہ کرتے ہیں کہ انہوں نے باہر سے اشتعال دلایا اور اندر سے ہم نے فائرنگ کی۔ یہ عجیب و غریب پرچہ ہے کہ سڑک پر جاتے جلوس نے اشتعال دلایا اور ہم نے فائرنگ کر دی۔ جناب والا! صورت حال یہ ہے کہ اگست 89ء سے یعنی پانچ چھ ماہ سے جو چند واقعات ہوئے ہیں وہ میں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ ناصر جمال "پاکستان ٹائمز" کے۔ شفیق اعوان "جنگ" کے۔ اور بدر منیر "مساوات" کے ہیں ان کے خلاف واقعات ہوئے ہیں۔ یہ جلوس ایگریکلچر یونیورسٹی سے آیا تھا اور وزیر اعلیٰ ہاؤس کے باہر احتجاج کر رہا تھا۔ یہ صاحبان اس جلوس کی کوریج کر رہے تھے۔ ان کو پولیس نے زدوکوب کیا وزیر اعلیٰ ہاؤس کے باہر فزیکلی زدوکوب کیا اور یہ کیس رجسٹر کرانے گئے تو ان کا کیس رجسٹر نہیں کیا گیا اور اس پر کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ 27 دسمبر 89ء کو زیڈ اے شاہد "مساوات" کے فوٹو گرافر ہیں جب محترمہ پرائم منسٹر صاحبہ مانیکا صاحب کے استقبالیہ پر گئی ہیں تو وہاں پر یہ کوریج کر رہے تھے تو پنجاب پولیس کی کمانڈوز نے حملہ کیا اور ان کا کیمرہ توڑا اور ان کا بازو بھی fracture ہو گیا۔ چودھری محمد اقبال جو "مشرق" کے فوٹو گرافر ہیں ان کا کیمرہ بھی پولیس نے توڑ دیا اور ان کو تھپڑ مارے جب وہ فاروق آباد میں بوگس ووٹوں کی کوریج کر رہے تھے وہاں جعلی پولیس وردیوں میں ووٹ ڈال رہی تھی اور وہ ان کی تصاویر لے رہے تھے تو ان کے ساتھ یہ سلوک کیسا! طارق فوٹو گرافر "ڈان" کے ہیں۔ چودھری محمد اقبال "مشرق" کے فوٹو گرافر ہیں۔ ان کو مارا گیا۔ ان کے کیمرے توڑے گئے اور یہ سب کچھ پولیس نے کیا جب یہ این اے 99ء کے الیکشن میں آئی جے آئی کے مسلح افراد کلاشنکوفوں والوں کی تصاویر لے رہے تھے۔ خواجہ عمران سپورٹس سب ایڈیٹر "ڈیلی نیشن" کو قذافی سٹیڈیم میں ورلڈ کپ کے دوران پولیس نے مارا۔ راشد بٹ رپورٹر "مشرق" کو 4 مارچ کو چوک میو ہسپتال میں پنجاب پولیس نے مارا۔ راستے پر جاتے ہوئے پکڑ کر زدوکوب کیا۔ مسٹر انور جاوید ڈوگر "مشرق" کے ہیں،

ان کو پولیس نے مارچ میں گرفتار کر لیا۔ ان کو ڈرایا دھمکایا اور ان کو ان کے گھر سے لے گئے اور ان پر جھوٹا کیس بنایا۔ شائستہ کارٹونسٹ کو گرفتار کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ آپ پنجاب حکومت کے خلاف کیوں بری طرح سے کارٹون بناتے ہو۔ ریس کورس تھانے میں ان کے خلاف بے بنیاد مقدمہ درج کیا گیا اور ان کو اپنے دفتر جانے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ 1989ء میں شعیب عزیز صاحب جو کہ "مساوات" سے وابستہ ہیں ان کو مارا پیٹا گیا اور ایس۔ایس۔پی نے ان سے ملنے سے بھی انکار کر دیا تھا اور اس بارے میں کوئی کارروائی کرنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ رانے حسین طاہر اخبار کی ایک رپورٹر ہیں اور دوسرے نیوز مین ہیں ان سب کو فیض کلیار جو مجسٹریٹ اور پولیس افسر ہیں انہوں نے مینار پاکستان پر 23 مارچ کو جلسہ عام میں زدو کوب کیا اور ان سب کو مارا پیٹا تو جناب والا! آپ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ بدمعاشی کی ایک consecutive campaign ہے۔ یہ حکومتی بدمعاشی کرتے ہیں اور یہ لوگ پولیس سے کرواتے ہیں یہ دہشت گردی کرواتے ہیں پھر یہ لوگ اپنی تنظیموں کے ذریعے سے بدمعاشی کرواتے ہیں اور الزامات دوسروں پر ڈھوتے ہیں تو یہ consecutive campaign ہے اور پھر جو بے چارہ ان اخبار نویسوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ یہ غریب صحافی یا فوٹو گرافر اپنی اپنی جان پر کھیل کر کوئی فوٹو لیتا ہے اور کوئی خبر بناتا ہے اور اپنا مافی الضمیر اخبار میں بیان کرتا ہے تو سب سے پہلے تو یہ حکومت والے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ پنجاب گورنمنٹ کا ایک بدمعاش روزانہ اخباروں کے دفتر جاتا ہے جو مالکان سے ساز باز کرتا ہے اور صحافیوں کو مجبور کرتا ہے کہ یہ خبر میری مرضی سے لگائی جائے۔ یہ سرخی اس طریقے سے لگائی جائے۔ یہ سرخی اس طریقے سے لگائی جائے اور پھر جب صحافیوں سے زیادتی ہوتی ہے تو مالکان ان کے ساتھ جا کر صلح کر لیتے ہیں تو وہ غریب لوگ کدھر جائیں۔ کل کی بات ہے جناب وزیر قانون متوجہ ہوں۔ وزیر قانون صاحب نے اس ایوان میں ایک فوٹو گرافر سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں اسے کیمرہ وغیرہ بھی لے کر دوں گا اور اس کا معاوضہ بھی دوں گا تو وہ آج تک نہیں دیا گیا یعنی نہ ہی کوئی کیمرہ دیا گیا اور نہ ہی معاوضہ دیا گیا اور میں اس ایوان میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ اگر آئندہ اجلاس تک اسے یہ نہ دیا گیا تو میں اس بارے میں تحریک استحقاق دے دوں گا کیونکہ یہ معاملہ اس ایوان کا ہے۔

جناب والا! ادھر ٹیلی ویژن سٹیشن کے ساتھ پریس کلب لاہور میں کوئی پریس کلب نہیں۔

1966ء میں ان کو زمین الاٹ ہوئی اور 1974ء میں اس زمین کا قبضہ انہیں دے دیا گیا۔ اس پر سکیم بنی۔ وہ زمین موجودہ پنجاب حکومت مارشل لاء کے زمانے سے اب تک ان سے چھین چکی ہے اور انہیں دوبارہ دینے کی اجازت نہیں دے رہی۔ ان کو قبضے کی اجازت نہیں دے رہی اور وہاں پر پھر اپنے غنڈوں کے ذریعے سے پیر غائب علی شاہ کا مزار بنا دیا اور وہ مزار راتوں رات بن گیا۔ ایک شخص نے کہا کہ جناب مجھے خواب آئی ہے کہ یہاں پر ایک بزرگ دفن ہیں اور اس خواب پر وہاں پر مزار بنا دیا اور اس زمین کو غاصب کر گئے اور اس پریس کلب کا کوئی وجود نہیں اور مالکان کا رویہ ان صحافیوں اور فوٹو گرافروں کے ساتھ ایک طرف اور جو حکومت ہے اس کا رویہ ایک طرف۔ کبھی contract system پر ان سے ملازمتیں کروائی جا رہی ہیں۔ اخبار کے یہ ملازم بھی نہیں رہے کوئی ریکروٹنگ ایجنسی ہے۔ وہ انہیں ملازم رکھتی ہے اور کہتی ہے کہ جی جا کر کام کریں۔ کیوں؟ اس لیے کہ نہ تو کوئی ویج بورڈ کا اطلاق ہو نہ ان غریبوں کو کوئی پنشن مل سکے۔ ان غریبوں کو تو کسی قسم کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ تو ان حالات میں وہ اپنی جان پر کھیل کر تصویریں کھینچتے ہیں۔ خبریں اکٹھی کرتے ہیں۔ یہ کوئی اتنے بڑے بلیک میلرز نہیں ہیں کہ مالکوں کی طرح بلیک میلنگ کر کے کروڑ پتی ہو جائیں یہ تو غریبوں کا ایک طبقہ ہے اور یہ متوسط طبقہ ہے ان بیچاروں کو تو کوئی اگر بلیک میل کرتا بھی ہو گا تو دو آنے۔ اور وہ بھی جیسے کوئی کافی بسیڑ ہو مگر ایسی بات کسی کے مشاہدہ میں نہیں آئی ہے۔ تو ان کے ساتھ ایسا سلوک ہے کہ ان کو ایک طرف تو مالکان مارتے ہیں اور دوسری طرف حکومت مارتی ہے۔ اس اجلاس کو بلانے کا مقصد یہ ہے کہ موجودہ حکومت انتظامی امور پر assurance دلوانے کہ وہ آئندہ اس قسم کی غنڈہ گردی اور بدمعاشی نہیں کرے گی کہ پہلے ایک طرف تو مار لیا اور پھر مالکان سے صلح کر لی۔ کیا بھئی صحافیوں سے بھی صلح کی ہے جن کو انہوں نے مارا۔ اس معاملے میں تو مالکان کا کیا تعلق ہے؟ گولی تو کارکنوں پر چلائی ہے ان کے ساتھ کس نے صلح کی ہے۔ وہی جانتے گا شکریہ۔

جناب چیئرمین، شکریہ جناب وصی ظفر صاحب۔ اب جناب محمد ریاض فتیانہ اپنی تقریر فرمائیں۔ فتیانہ صاحب ذرا اپنی تقریر کو دس منٹ میں مکمل کیجیے گا اس طرح ہر طرف سے عمل در آمد ہو گا۔

جناب محمد ریاض فتیانہ، معزز سپیکر صاحب! جہاں تک صحافت اور تحریر و تقریر کی آزادی کا تعلق ہے حکومت پنجاب کا شروع ہی سے یہ موقف رہا ہے اور ہم سب ممبران اسمبلی کا بھی یہی موقف رہا ہے کہ

آزادی صحافت درحقیقت جمہوریت کی بقا اور ملک کی سالمیت اور ملک کے تحفظ کے لیے ضروری ہے اور یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس پر دو رائے نہیں دی جا سکتی۔ ہم اس ملک میں اور خاص طور پر پنجاب میں آزادی صحافت کے علم بردار ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ 1985ء میں جب اس ملک میں جمہوریت بحال ہوئی تو سب سے پہلے اس ملک میں عدلیہ' صحافت اور دوسرے اداروں کو آزادی نصیب ہوئی اور پریسadvice کا سلسلہ بند ہوا اور صحافیوں کو تمام حقوق اور مراعات میسر ہوئیں اورمکمل طور پر انہیں تحریر و تقریر کی آزادی فراہم کی گئی۔ میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہم آج بھی اس ملک میں اور پنجاب میں جہاں کہیں بھی کسی صحافتی ادارے پر کوئی حملہ ہو گا یا جہاں کہیں بھی کسی صحافی کے ساتھ کوئی زیادتی ہو گی' ایسے کسی بھی اقدام کی حمایت نہیں کر سکتے۔ ابھی یہاں پر میرے ایک معزز رکن نے ایک تنظیم کو دہشت گرد تنظیم کے لقب سے نوازا تو میں ان سے یہی گزارش کرنا چاہوں گا کہ جس تنظیم پر وہ دہشت گرد تنظیم کا الزام لگا رہے ہیں یہ وہی تنظیم ہے جس نے قائد اعظم کے ساتھ مل کر پاکستان کی آزادی کی جنگ لڑی تھی۔ (نعرہ ہائے تحسین) اور تحریک پاکستان میں قائد اعظم کے یہ الفاظ ریکارڈ پر ہیں کہ اگر میرے ساتھ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نہ ہوتی تو پاکستان کی آزادی مجھے مشکل نظر آ رہی تھی تو یہ ایسی تنظیم ہے جس نے یہ ملک بنایا اگر یہ ملک نہ ہوتا تو آج یہاں پر پیپلز پارٹی بھی نہ ہوتی۔ آج یہاں پر حزب اقتدار بھی اور حزب اختلاف بھی نہ ہوتی۔ یہ ملک اس تحریک آزادی کا مرہون منت ہے اور تحریک آزادی کے علم برداروں کو دہشت گرد تنظیم کہنا درحقیقت پوری تحریک آزادی پاکستان کی تضحیک ہے اور ہمارے سب سے بڑے قائد' قائد اعظم کی تضحیک ہے جنہوں نے ایم۔ایس۔ایف کے کار کنان کو پاکستان کی سالمیت کا سپاہی کہا تھا۔ لہذا انہوں نے یہ بات کہہ کر پوری تحریک پاکستان اور اس کے کار کنان کی تضحیک کی ہے۔

جناب فضل حسین راہی۔ جناب چیئرمین! یہ قائد اعظم کے کھوٹے سکے بول رہے ہیں۔

جناب چیئرمین۔ راہی صاحب! آپ تشریف رکھیں۔ فتیانہ صاحب! آپ اپنی تقریر جاری رکھیں۔

جناب محمد ریاض فتیانہ۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ کھوٹے کون ہیں اور اصلی کون ہیں۔ لیکن جناب سپیکر! میری تقریر میں مداخلت نہیں ہونی چاہیے۔

معزز سپیکر صاحب! زیادہ بہتر ہوتا جب یہاں پر بڑے زوروشور اور چیخ و پکار کے ساتھ کہا جا رہا

تھا کہ ہم اس ملک میں آزادی کے علم بردار ہیں۔ میں ان سے سوال کرتا ہوں کہ ان کے دور حکومت میں جب محترم زیڈ۔اے۔ بھٹو نے وزیر اعظم کا حلف اٹھایا تو آپ کو معلوم ہو گا اور یہ پوری قوم جانتی ہے کہ سب سے پہلا حکم جو انہوں نے وزیر اعظم ہاؤس سے جاری کیا تھا وہ پاکستان ٹائمز کے چیف اڈیٹر زیڈ۔اے سلہری صاحب کا برطرفی کا حکم نامہ تھا۔ یعنی صحافت پر پہلا حملہ وزیر اعظم ہاؤس سے ہوا تھا۔ حلف اٹھانے کے بعد کوئی اور حکم بھی ہو سکتا تھا۔ میں یہ بات کرنا چاہتا ہوں کہ سابقہ دور میں کیا کچھ نہیں ہوا۔ اس دور میں جب یہاں پر عوامی حکومت تھی تو تین درجن اخبارات بند کیے گئے اس دور میں چونکہ سب کچھ بند کیا جا رہا تھا تو اس سے اخبارات بھی محفوظ نہیں رہ سکے اور تین درجن اخبارات اور رسائل کو بند کیا گیا جن میں بہت بڑے بڑے اخبارات تھے جیسے کہ روزنامہ جسارت' روزنامہ سیاست' سندھی روزنامہ مہران بھی شامل ہیں۔ اور مہران کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ وہ سندھ کے اندر نظریہ پاکستان کا سب سے بڑا علم بردار ہے اور زندگی' چٹان' اسلامی جمہوریہ' طاہر' اذان اور حق جیسے عظیم ہفت روزوں کو یہاں پر بند کیا گیا۔ پھر بات یہاں تک ہی رکی نہیں' اخبارات اور رسائل کو بند کرنے تک بات رکی نہیں بلکہ اس دور میں صحافیوں کو بھی بند کیا گیا۔ صحافیوں کو بھی جیل کی کوٹھڑیوں کے پیچھے دھکیلا گیا۔ صحافت کے علم برداروں سے میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس وقت وہ کہاں تھے؛ اس وقت ان کا ضمیر کہاں تھا جب یہاں پر الطاف حسین قریشی کو جیل میں ٹھونسا گیا۔ جب یہاں پر مجیب الرحمان شامی کو جیل میں دھکیلا گیا۔ جب یہاں پر روزنامہ "جسارت" کے اڈیٹر صلاح الدین کو جیل میں دھکیلا گیا۔ جب حسین نقی' مظفر قادر' آغا شورش کاشمیری' یوسف لودھی' "آؤٹ لک" کے اڈیٹر برنی اور " مہران" کے اڈیٹر سردار علی شاہ کو جیلوں میں ٹھونسا گیا اور تو اور آج کے اس دور کے بھی عظیم صحافی جناب طارق اسماعیل صاحب اور جناب بدر اسلام بٹ صاحب اور رفیق ڈوگر صاحب اپنے حقوق کے لیے جبکہ وہ روزنامہ "مساوات" میں تھے انہوں نے اپنے حقوق کی آواز بلند کی تو ان صحافیوں کو بھی نہیں بخشا گیا اور انہیں بھی جیلوں میں ٹھونسا گیا۔

معزز سپیکر صاحب! میں پرانے دور اور اس دور کی بات کرتا ہوں اور اس میں موازنہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہم نے اس دور میں صحافیوں کو کیا آزادی دی اور اس دور میں صحافت کا کس طرح قتل عام ہوا۔

معزز سپیکر صاحب! یہاں پر کہا گیا کہ میں پی پی آئی کے مالکان کو fix up کروں گا اور اس

کا ثبوت یہ ہوا کہ مظلم علی جو اس ملک کا ایک عظیم صحافی ہے ان کے پی پی آئی کو جو کروڑوں روپے مالیت کا ایک ادارہ تھا اور ادارہ جب دوبارہ فروخت کے لیے چند دنوں کے بعد پیش کیا گیا تو کروڑوں روپے کی پیشکشیں موجود تھیں۔

معزز سپیکر صاحب! یہاں پر وہ دور بھی ہمیں یاد ہے جب پرو گریسو پیپرز لمیٹڈ پر جیالوں نے حملہ کیا تو ان کو روکنے کے لیے فوج طلب کرنا پڑی۔ ہمیں وہ وقت بھی یاد ہے جب 1971ء سے 1977ء کے درمیان پی پی ایل کے ورکرز کے 35 لاکھ روپے خورد برد کر لیے گئے تھے اور آج بھی وہ صحافی اپنے 35 لاکھ روپے کے حصول کے لیے سر گرداں ہیں۔

معزز سپیکر صاحب! اس دور میں نوائے وقت جیسے عظیم اخبار جس کے حمید نظامی صاحب نے تحریک پاکستان میں بہترین کردار سرانجام دیا تھا اور اس کو میں خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ اس کو بھی یہاں پر جابر حکم ران کے سامنے کلمہ حق کہنے کی پاداش میں اس کے اشتہارات کئی مرتبہ بند کیے گئے اور دوسرے بہت سارے اخبارات کے بھی اشتہارات بند ہوئے۔

معزز سپیکر صاحب! اس دور میں صحافیوں پر لاٹھی چارج ہوا۔ اس دور میں صحافیوں کو پابند سلاسل کیا گیا۔ اس دور میں ان کا معاش ناطقہ بند کیا گیا اور جب سب کچھ بند کرنے کی تحریک تھی تو صحافیوں کو بھی نہیں بخشا گیا۔

معزز سپیکر صاحب! اس کے بعد میں موجودہ دور کی طرف آتا ہوں جبکہ آج ان جیالوں کی پاکستان میں مرکزی حکومت ہے۔ اس دور کی طرف آ جائیے۔ اس دور میں بھی صحافت کو کہاں تک بخشا گیا۔ اسلام آباد جو پاکستان کا وفاقی دارالحکومت ہے۔ اسلام آباد جہاں پر پوری دنیا کے سفارتی نمائندے موجود ہیں۔ اسلام آباد جس کی ملکی سطح پر ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی اہمیت ہے تو وہاں پر "روزنامہ مرکز" پر حملہ کیا گیا۔ وہاں پر اس کے پریس کو آگ لگا دی گئی۔ وہاں لوٹ کھسوٹ، توڑ پھوڑ کی گئی اور اس کے بعد تمام سفارتی نمائندے بھی پریشان اور حیران تھے کہ یہ کس پاکستان میں ہم بیٹھے ہیں۔ یہ کیسی ڈیمو کریسی ہے کہ یہاں پر صحافیوں کو بھی بخشا نہیں جا رہا اور پوری پاکستانی قوم کی گردنیں ندامت سے جھک گئیں ہیں جب پاکستان کے مرکز اسلام آباد اور اس کے اندر "روزنامہ مرکز" کے اوپر حملہ کیا گیا اور قبضہ کیا گیا اور توڑ پھوڑ کی گئی۔ اس اسلام آباد کے اندر "ہفت روزہ حرمت" اور "

"پاکستان آبزرور" کے ایڈیٹر زاہد ملک کو گرفتار کیا گیا اور اسے گرفتار ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس پر جسمانی تشدد بھی کیا گیا۔ یہ صحافت کے منہ پر ایک زور دار طمانچہ ہے جس پر ہمیں آج بھی دکھ اور رنج ہے۔

معزز سپیکر صاحب! اگر آپ اس دور کی بات کرتے ہیں تو اس وفاقی حکومت کی ایک حکومت صوبہ سندھ میں بھی ہے تو صوبہ سندھ کے وزیر اعلیٰ ہاؤس سے "روزنامہ جنگ" کے خلاف ایک آپریشن شروع ہوتا ہے۔ "روزنامہ جنگ" کے خلاف ایک آپریشن شروع ہوتا ہے۔ "روزنامہ جنگ" پر پیپلز یوتھ کا، پیپلز سٹوڈنٹس فیڈریشن کا، پیپلز پارٹی کے جیالوں کا حملہ ہوتا ہے اور آٹھ نو گھنٹے تک وہاں پر قبضہ رکھا جاتا ہے اور وہاں پر صرف قبضہ ہی نہیں، بلکہ معزز صحافیوں کی جیبوں سے نقدی نکالی گئی۔ معزز صحافیوں کی قیمتی گھڑیاں چھین لی گئیں۔ معزز صحافیوں کو گندی اور ننگی گالیاں دی گئیں۔ وہاں پر صحافیوں کو طمانچے مارے گئے۔ وہاں پر "روزنامہ جنگ" کی تمام املاک تہس نہس کر دی گئیں۔ تمام قیمتی ریکارڈ اٹھا لیا گیا اور پوری دنیا حیران پریشان ہے کہ پاکستان میں کیسی جمہوریت ہے۔ معزز اراکین اسمبلی کو یہ معلوم ہے کہ اس وقت وزیر اعلیٰ سندھ کے معاون خصوصی اقبال یوسف "روزنامہ جنگ" کے اندر خود دیکھنے آئے کہ آیا یہ آپریشن کامیاب جا رہا ہے یا نہیں اور خود احمد سعید اعوان نے اسلام آباد سے فون کر کے ہدایات دیں کہ اس آپریشن کو اور تیز کرو۔ صحافیوں کی اور گردن مروڑو۔۔۔

جناب چیئرمین(جناب محمد ظہیر الدین خان): جناب ریاض فتیانہ! آپ کی تقریر کا وقت پورا ہو چکا۔

جناب محمد ریاض فتیانہ: جناب سپیکر! میں wind up کرتا ہوں۔

جناب چیئرمین: جی wind up کیجیے۔ مہربانی کر کے wind up کیجیے۔

جناب محمد ریاض فتیانہ: معزز سپیکر صاحب! یہ وہ وقت کیوں بھول گئے جب کراچی میں خاص طور پر صحافت کا جنازہ نکالا گیا۔ میں بات کو مختصر کرتے ہوئے اس طرف بھی توجہ دلوانا چاہتا ہوں کہ اس وفاقی حکومت کے آتے ہی یہاں پر صحافیوں کے روزگار چھیننے سے بھی یہ باز نہیں آئی۔ اے پی پی کے مینجنگ ڈائریکٹر فاروق نثار، وہ فاروق نثار جس نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ساتھ 1938ء سے لے کر 1947ء تک قائداعظم کے ساتھ کام کیا تھا۔۔۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ ریاض فتیانہ صاحب! شکریہ۔۔۔ آپ wind up کیجیے۔

جناب محمد ریاض فتیانہ: مقبول شریف، رشیدہ صدیقی، عبدالقادر حسن، ضیاء الاسلام انصاری ان تمام

لوگوں کو "پاکستان ٹائمز"، "مشرق"، "امروز"، "پاکستان آبزرور"، نیشنل پریس ٹرسٹ کی چیئرمین شپ سے برطرف کیا گیا اور 100 صحافیوں کو بھی برطرف کیا گیا اور اشتہارات بند کرنے کی بات ہوئی تو یہاں پر " مرکز"، "تکبیر"، "زندگی"، "پاکستان آبزرور" اور پاکستان پریس انٹرنیشنل "پی پی آئی" کی تمام گرانٹ بند کر کے ان کا معاش ناطقہ بند کرنے کی سازش ہوئی۔۔۔

جناب چیئرمین، جناب ریاض فتیانہ صاحب! آپ اپنی تقریر کا وقت لے چکے۔ میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ اس کو ختم کیجیے۔

جناب محمد ریاض فتیانہ، میں آخری بات کہہ کے اجازت چاہتا ہوں۔

جناب چیئرمین، جی wind up کیجیے۔ جلدی۔

جناب محمد ریاض فتیانہ، سی پی این کے صدر جناب عارف نظامی صاحب نے یہ اعلان کیا اور 1989ء کو صحافت کی تاریخ کا سیاہ ترین سال declare کیا۔ میں اس بات کو ختم کرتا ہوں کہ ہم آج بھی صحافت کے علم بردار ہیں۔ یہاں پر آزادی تحریر و تقریر کو آزاد رہنے دیں۔

جناب چیئرمین، شکریہ ریاض فتیانہ صاحب!

جناب فضل حسین راہی، جناب سپیکر! ان کی تقریر کو آپ دیکھ لیں سوائے پنجاب کے انہوں نے سب باتیں کی ہیں۔ پنجاب میں جو کچھ ہوا ہے وہ انہوں نے نہیں بتایا اور پنجاب اسمبلی میں جو کچھ کہنا چاہیے وہ انہوں نے نہیں کہا۔۔۔

جناب چیئرمین، جناب راہی صاحب! آپ کس پوائنٹ پر بول رہے ہیں؟ (قطع کلامیاں)

شکریہ جناب ریاض فتیانہ صاحب۔ اب ریاض فتیانہ صاحب کے بعد ہمارے معزز رکن نوابزادہ غضنفر علی گل صاحب۔

نوابزادہ غضنفر علی گل، اور بولتا بھی اس لیے زیادہ ہوں کہ سوچتا زیادہ ہوں۔ (قہقہے)

جناب والا! کچھ لوگوں نے قائد اعظم کا نام لے کر اپنی بات کرنے کی کوشش کی ہے۔ "اے قائد اعظم اگر ان کو شرم نہیں آتی تو میں شرمندہ ہوں"۔ کہ میں اس ایوان کا حصہ ہوں کہ ایک غنڈہ گردوں کی تنظیم کو آپ کی تنظیم سے مماثلت دی گئی اور کہا گیا کہ یہ قائد اعظم کی تنظیم تھی۔

یہ قائد وہ ہے کہ مسلم لیگ کی کابینہ کا ایک وزیر بھی ادھر موجود نہیں تھا۔ یہ وہ قائد اعظم ہے کہ جس کی ایمبولینس بحیثیت گورنر جنرل ایئر پورٹ کے راستے میں خراب ہوئی اور وہ بیمار قائد کی چارپائی باہر پڑی رہی۔ اس پر مکھیاں بیٹھتی رہیں اور اس کی نحیف و نزار بہن اس پر سے مکھیاں اڑاتی رہی۔ ایک ایمبولینس کے بعد دوسری ایمبولینس آئی وہ بھی خراب نکلی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قائد اعظم کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ یہ ایم ایچ اصفہانی کی کتاب میں لکھا ہے کہ قائد اعظم کے ساتھ ان کی بیماری میں کیا ہوا! کیا یہ آج کی ایم ایس ایف قائد اعظم کی ایم ایس ایف ہے؟ یہ قائد اعظم کی توہین ہے۔ قائد اعظم ہندوستان کی سرزمین پر پہلا شخص تھا کہ جس نے آزادیوں کا نعرہ بلند کیا۔ یہ وہ پہلا شخص تھا کہ جس نے جمہوریت کا نام لیا۔ یہ پہلا وہ شخص تھا کہ جس نے freedom of expression کا ذکر کیا۔ ٭٭٭٭٭تو ان میں اعتماد کا فقدان تھا۔ ان میں اعتماد کا کیوں فقدان تھا کہ"

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

یہ کیسا چور ہے جو ہاتھ میں چراغ لیے پھرتا ہے؟ روزنامہ "جنگ" پر روز روشن کو حملہ ہوا اور اس کو آڑ یہ دی جا رہی ہے کہ یہ قائد اعظم کی ایم۔ایس۔ایف ہے۔خدارا جو مرضی کیجیے اس مرحوم قائد کو جس کے ساتھ اس کی زندگی میں بڑا ظلم ہوا ہے اب اس کی غیر حاضری میں ظلم نہ کیجیے۔

محترمہ فوزیہ بہرام، جناب سپیکر! مجھے بڑا افسوس ہے کہ میں کبھی بھی کسی سپیکر کو interrupt نہیں کرتی۔ لیکن ان کو ٭٭٭٭٭جیسے الفاظ نہیں کہنے چاہییں۔ جب تک ایسی باتیں ہم اپنی تقریروں میں سے ختم نہیں کریں گے ہم اسمبلی کا ماحول کبھی بھی ٹھیک نہیں کر سکیں گے۔ میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ یہ الفاظ آپ اسمبلی کی کارروائی میں نہ رہنے دیں ہمارے پاس کوئی بھی مشیر برائے غنڈہ گردی نہیں ہیں۔

جناب چیئرمین، آپ نے بجا ارشاد فرمایا۔ آپ نے پوائنٹ آؤٹ کیا ہے۔ میں ان الفاظ کو کارروائی سے حذف کرتا ہوں۔

نوابزادہ غضنفر علی گل، جناب والا! میں ٭٭٭٭٭ الفاظ واپس لیتا ہوں میں مشیر برائے "بدامنی" کہہ دیتا ہوں۔ اگر بیگم صاحبہ کی اس سے تسلی ہو جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

٭٭٭(بحکم جناب چیئرمین کارروائی سے حذف کیا گیا) ٭٭٭

جناب والا! یہ وہ دور ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ آزادیوں کے ٹھنڈے جھونکے آ رہے ہیں۔ آزادی اظہار' آزادی تحریر و تقریر کا فضا میں بول بالا ہے۔ اتنی آزادی ہمارے ملک کی 42 سالہ تاریخ میں نہیں ملی۔ اخبارات و صحافت کو اتنی آزادی کبھی نہیں ملی جتنی آج ملی ہوئی ہے اور اس پر حملہ کون کر رہا ہے؟ اس پر حملہ وہ قوتیں کر رہی ہیں جو کہ صرف صحافت کی آزادی کے خلاف نہیں ہیں بلکہ تمام انسانی آزادیوں کے خلاف ہیں۔ بات تو سسٹم کی ہے۔ بات نظام کی ہے۔ اخبارات پر facit regime کے تحت پابندی جائز ہے۔ اخبارات پر پابندی بجا ہے۔ مارشل لاء کے تحت۔ اخباروں پر پاؤں رکھنا ان کو دبانا بجا ہے۔ آمریت کے تحت لیکن جہاں جمہوریت کا اور آزادیوں کا ذکر ہو گا وہاں پر یہ جرم قرار پائے گا۔ ایک نظام میں یہ عین فطرت ہے۔ ایک نظام میں یہ جرم ہے چونکہ اس نظام کی اساس اور ہے اور اس نظام کی اساس اور ہے۔ اگر ہم اسے 1977ء کے بعد کے حوالے سے دیکھیں' 1989ء تک دیکھیں تو اس کا عمل صحیح ہے اور اگر اسے نومبر 1989ء کے بعد سے دیکھیں تو یہ جرم ہے اور میں اب آئین کی طرف آ رہا ہوں۔

جناب والا! آئین کے preamble میں کیا لکھا ہے؟ کیونکہ ہم Constitutional entities ہیں۔ ہمارا وجود آئین کی وجہ سے ہے اور ہماری اسمبلی اس آئین کی وجہ سے ہے۔ اس لیے میں اپنے آپ کو آئین تک محدود رکھوں گا۔ ہمارے آئین کے preamble میں یہ لکھا ہوا ہے کہ"

> "Wherein . shall be guaranted fundamental rights , including equality of status , opportunity and before law , social economic and political justice , and freedom of thought , expression , belief , faith , worship and association , subject to law and public morality;"

اس کے بعد آپ آئین کے آرٹیکل 19 پر آ جائیں۔

> "Every citizen shall have the right to freedom of speech and expression, and there shall be freedom of the press,..."

اس آئین میں قائد اعظم کے وقت جو قرارداد مقاصد منظور ہوئی تھی۔ اس آئین کے اندر اس

objective resolution کو enact کیا گیا ہے۔ اور آرٹیکل 2(a) کا جو annexure ہے اس کے اندر یہ لکھا ہے۔ Freedom of thought and expression یہ ایک تصوری ہے اور جمہوریت کے کچھ ادارے ہوتے ہیں اور تصوری اداروں میں جو سب سے اہم ادارہ ہے وہ ابلاغ عامہ ہے۔ اور ابلاغ عامہ public opinion اور رائے عامہ ہوتا ہے۔ رائے عامہ کا رول جمہوریت کے استحکام میں اور جمہوریت کے قیام میں ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک انتخاب سے لے کر دوسرے انتخاب تک جو ملک کا مستقبل اور حکومت کا جو fate ہے۔ اس کو رائے عامہ نے تعین کرنا ہوتا ہے اور ابلاغ عامہ کے جو ذرائع ہوتے ہیں وہ کون کون سے ہوتے ہیں؟ ان میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات کو ہم پریس کہتے ہیں۔ ایک سیانے نے کہا کہ پاکستان میں پریس نہیں، پاکستان میں تو اخبارات ہیں۔ اگر جمہوریت کے اندر سے ابلاغ عامہ کو نکال دیں۔ اگر public opinion کو نکال دیں تو سمجھیں کہ جمہوریت نہیں۔ اگر اسمبلیوں کے انتخابات بھی ہوں اسمبلیاں بھی ہوں، اگر حکومت بھی ہو، اگر اقتدار اعلیٰ یعنی sovereignty بھی ہو۔ عدالت بھی ہو ہر چیز موجود ہوں لیکن freedom of expression نہ ہو اور ذرائع ابلاغ اگر آزاد نہیں ہیں تو جمہوریت کا تصور نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ادارے ہمارا آئینہ ہوتے ہیں۔ they are mirror of the society ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ کسی پارٹی کے نہیں ہوتے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ صحافت کو انڈسٹری قرار دے دیا گیا ہے۔ اب اس کو confuse کیا جا رہا ہے۔ اخبار کے مالک کو اور صحافی کو confuse کیا جاتا ہے۔ مار صحافی کو پڑتی ہے اور سمجھوتہ اخبار کا مالک کر لیتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ صلح ہو گئی ہے اور یہ معاملہ طے پا گیا ہے۔ as a matter of fact جو اخبار کے مالک ہیں وہ صحافی نہیں ہیں۔ وہ investors ہیں۔ وہ سرمایہ کار ہیں اور جو پنجاب کا کاروبار سنبھالے ہوئے ہیں وہ بھی سرمایہ کار ہیں اور سمگر کا ٹولہ اور ہیروئن فروشوں کا ٹولہ ہے۔ اگر "جنگ" کے سرمایہ دار اور پنجاب حکومت کے سرمایہ دار میں سمجھوتہ ہو گیا ہے تو دو ملاؤں میں مرغی حرام والی بات ہے۔ دو سرمایہ داروں میں صحافی مارا گیا ہے۔ یہ سمجھوتے جو ہوتے ہیں یہ vested interest کے سمجھوتے ہیں اور مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ "جنگ" کی انتظامیہ کے سربراہ نے جب "جنگ" کے جلوس پر اخبار نویسوں کے جلوس پر کلاشنکوفوں سے فائرنگ ہوئی تو انہوں نے کہا کہ جناب آپ کا کیا کام ہے اگر کوئی مر جاتا تو آپ اس کی اولاد کو ایک لاکھ روپیہ دے دیتے اور کہتے کہ جی ہمیں بڑا افسوس ہوا ہے۔ تو اس نے کہا کہ میں یہ بھی نہ کرتا کیونکہ اس کو اپنے اشتہارات عزیز ہیں۔

ہیں۔ اس کو اپنی investment پر return of profit عزیز ہے۔ کام کرنے والے کارکنوں کو وہ اپنے غریب سمجھتے ہیں۔ ان کو یہ اپنے غلام سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ صحافی ہیں کیونکہ صحافی نے عہد کیا ہوتا ہے۔ کیونکہ اخبار تو پھر سرمایہ دار نے نکالنا ہوتا ہے۔ آج تو ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ اس ملک میں اس صوبے کے حوالے سے ایسے لگ رہا ہے کہ سوائے سرمایہ دار کے گزر نہیں ہو سکتا۔ اس ملک میں اس صوبے کے حوالے سے ایسے حالات پیدا کیے جا رہے ہیں کہ کوئی شریف آدمی انتخابات میں بھی حصہ نہیں لے سکے گا۔ یہ میں جب سوچتا ہوں تو میرا کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے ہم کیسے حالات چھوڑ کر جائیں گے۔ جہاں ہر چیز کا معیار سرمایہ ہے۔ اگر سرمایہ کار ناراض ہے تو دنیا ناراض ہے اگر سرمایہ کار راضی ہے تو دنیا راضی ہے۔ کائنات راضی ہے۔ کیا ہم نے اس ملک کو سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں دینا ہے اور سرمایہ خواہ اخبار کی انڈسٹری کا ہو، خواہ وہ لوہے کی صنعت کا ہو، خواہ وہ کاغذ کی صنعت کا ہو، خواہ وہ فولاد کی صنعت کا ہو، خواہ وہ چینی کی صنعت کا ہو اور خواہ وہ اخباری صنعت کا ہو وہ سرمایہ دار ہے۔ اور ان کا vested interests آپس میں شامل ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ اتنے واقعات جو گنوائے ہیں، مشیر برائے طلباء کے معاملات نے اتنے واقعات گنوائے ہیں؟ کیا یہ واقعات جو انھوں نے بتائے ہیں۔ جنگ کے دفتر پر حملہ کرنے کے لیے جواز پیدا کر رہے تھے۔ کیا یہ واقعات صحافیوں کے جلوس پر کلاشنکوف سے حملے کا جواز پیدا کرتے ہیں؟ مجھے یہ خوشی ہوتی اگر وہ یہ کہتے کہ جو کچھ ہوا ہم اس پر شرمندہ ہیں۔ ہم آئندہ اس کا اعادہ نہیں ہونے دیں گے اور کہا یہ گیا کہ جی ہماری تو صلح ہو گئی ہے۔ تمہاری کس سے صلح ہوئی ہے؟ مظلوم کی صلح کیسے ہو سکتی ہے؟ جو قلم والے ہوتے ہیں وہ سرمایہ دار نہیں ہوتے ان کا سرمایہ قلم اور کردار ہوتا ہے۔ ان کے جو الفاظ ہوتے ہیں وہی ان کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ خدا کی قسم جس ملک میں صحافت کو آزادی سے پنپنے دیا جائے اس ملک کی قوم کی تقدیر بدل جاتی ہے۔ وہ قوم سرمایہ کی غلامی سے نجات پا جاتی ہے وہ بدمعاشوں کے چنگل سے نکل جاتی ہے۔ وہ ہر قسم کے دباؤ کو ٹھکرا دیتی ہے۔ کیونکہ اس کی تربیت ابلاغ عامہ کے ذریعے اور دیانت دارانہ اور آزاد صحافت کے ذریعے ایسے ہوتی ہے کہ وہ نکھر جاتے ہیں۔ جن قوموں میں صحافیوں پر جبر ظلم کیا جاتا ہے وہ قوم انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔

جناب چیئرمین: نواب زادہ صاحب! آپ تقریر wind up کیجیے۔

نوابزادہ غضنفر علی گل: جناب والا! میں یہ چند آخری جملے عرض کر رہا ہوں' قوم confusion کا شکار ہو جاتی ہے۔ لوگ بات کرنا چاہتے ہیں۔ زبان رکھتے ہیں لیکن بات نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی تربیت نہیں ہوئی ہوتی۔

جناب والا! میں آپ کی وساطت سے اور اس ایوان کی وساطت سے اپنی طرف سے پنجاب کے عوام کے سامنے صحافیوں کے لیے شرمندہ ہوں اور معافی کا خواستگار ہوں۔ کیونکہ ہم اس نظام کا حصہ ہیں' ہم اس اسمبلی کا حصہ ہیں۔ اگر ان کے ساتھ حکومت سے زیادتی ہو تو ہم اس کے حصہ دار ہیں اگر ہم حکومت کو ان گھناؤنے اقدام سے نہیں روکیں گے' اگر ہم ان بڑھتی ہوئی کلاشنکوفوں کے دہانوں پر اپنے ہاتھ نہیں رکھیں گے تو پھر اس ملک کی صحافت مٹ جائے گی۔ اس ملک سے شرافت مٹ جائے گی۔ اس ملک سے ندامت مٹ جائے گی۔ اور آخر میں' میں یہ کہتا ہوں کہ اگر اس پاکستان کو قائد اعظم کا پاکستان بنانا ہے تو پھر اس کے فرمودات پہ چلیے۔ اس کے فرمان نکالیے اور پھر اسلام کی بات کرنے والوں کے لیے یہ آخری بات ہے کہ کوئی حاکم سیدنا عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے جوتوں کی خاک کے برابر بھی نہیں۔ اگر سیدنا عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خلیفہ دوم کو اٹھ کے ایک بڑھیا سوال کر سکتی ہے تو آج کل کے دو ٹکے کے حاکم کی کیا حیثیت ہے؛ اگر ایک اخبار والے صحافی نے لکھ دیا ہے سچ لکھ دیا ہے تو اس کو اس کا سبق سکھلانے کے لیے فائرنگ کروائی' یہ اسلام کا نام لیتے ہیں۔ یہ اسلام کا نام لے کے اسلام کو بدنام کرتے ہیں ان پر اللہ اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے فرشتوں اور اس کی مخلوق کی لعنت۔

جناب چیئرمین: شکریہ' گل صاحب! جی گورداسپوری صاحب! ارشاد۔

جناب محمد اسلم گورداسپوری: جناب سپیکر! میں ریکارڈ کی درستگی کے لیے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ریاض فتیانہ صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ 1970ء میں اخبارات پر پی پی والوں نے حملہ کیا تھا تو میں ریکارڈ کی درستگی کے لیے یہ عرض کر دوں کہ اس وقت حملہ اسلامی جمعیت طلبہ نے کیا تھا۔ جو انہوں نے فرمایا کہ پی پی نے 1970ء میں اخبارات کے دفتروں پر حملہ کیا۔ ریکارڈ کی درستگی کے لیے میں یہ کہہ دوں کہ اس وقت اور پورے پاکستان میں تمام صحافیوں نے مارشل لاء کے ان قواعد و ضوابط اور جو صحافت کے خلاف سنگین قانون بنائے گئے تھے جس کا اس وقت وزیر شمار تھا اس کے خلاف احتجاج کیا گیا تھا اور

بھوک ہڑتال کی گئی تھی۔ پی پی پی نے، جو کہ جمہوری پارٹی ہے اور جو ہمیشہ جمہوری رہتی ہے۔ فوجی آرڈیننس کے خلاف کا ان ساتھ دے کر وہاں جا کر بھوک ہڑتال کی تھی۔ حملہ نہیں کیا تھا۔

جناب چیئرمین۔ شکریہ جناب! اب چودھری محمد فاروق صاحب ارشاد فرمائیں گے۔

چودھری محمد فاروق۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جناب سپیکر! میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے آزادی صحافت کے موضوع پر بولنے کا موقع دیا۔ میرے نزدیک صحافت ایک ایسا شعبہ ہے اور ایک ایسا ادارہ ہے جو آج کے جدید دور میں کسی بھی قوم کی تعمیر و ترقی اور اس کی زندگی کے کردار میں مرکزی رول ادا کرتا ہے۔ صحافت ہی قوم کو مقامی، غیر مقامی اور بین الاقوامی حالات کے بارے میں عوام کو باخبر رکھتی ہے۔ صحافت ہی وہ ذریعہ ہے جو سوئے ہوئے ذہنوں کو وقت پر جگاتی ہے اور وقت پر جگانے کا باعث بنتی ہے۔ قوموں کے مزاج اور عوام کے ذہن کو یکسر بدل کر حالات کے مطابق، حالات کے تقاضوں کے مطابق ایسا رخ مہیا کرتی ہے کہ قومیں قوت کے تقاضوں کے مطابق اپنا رول ادا کیا کرتی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ قومیں یہ ذمہ داری صحافت کے جاندار رول کے ذریعہ ادا کرتی ہیں۔ آج میں یہاں پر یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ صحافی وہ لوگ ہیں وہ ایسے لکھاری ہیں اور صحافت ہی ایسا ذریعہ ہے جو اپنی تحریروں کے ذریعے کسی قوم کے لیے وقت کے اندھیروں میں روشنی بکھیر کر قوموں کو راستہ مہیا کرتے ہیں اور ان منازل کا تعین کر کے قومیں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔

جناب والا! اپوزیشن نے یہ اجلاس بلایا۔ اپوزیشن نے آزادی صحافت کا موضوع ایجنڈے میں شامل کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں انہیں اس غلطی کی داد دیتا ہوں۔ اس جرات کی بھی داد دیتا ہوں کہ اپوزیشن کے ارکان نے اپنے سابقہ کردار کو سامنے رکھنے کے باوجود آج کے اس دور میں آزادی صحافت کو ایک ضرورت خیال کرتے ہوئے اسے اس ایجنڈے کا موضوع بنایا۔ صحافت کی آزادی وقت ہی کی ضرورت نہیں۔ صرف آج اس اسمبلی کی ضرورت نہیں، صرف پنجاب کی ضرورت نہیں، صرف اس ملک کی ضرورت نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آزادی صحافت پوری دنیا کے اندر قوموں کے کردر کی صحیح ادائیگی کے لیے آزادی صحافت ضروری اور لازم ہے۔ اس آزادی صحافت کے لیے سیاست دانوں کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ آج اس ایجنڈے میں یہ موضوع رکھ کر ہم جو کچھ کر رہے ہیں، میں یہ سمجھتا ہوں کہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور میں یہاں پر یہ بات کہنا چاہوں گا کہ وہ جماعت جو

جمہوریت کی بات کرتی ہے اس جماعت کو اپنے دور کے اس زمانے کو بھی یاد کرنا چاہیے کہ جب کوئی صحافی سچی بات لکھتا تھا، جب وہ سچ لکھتا تھا تو اس وقت کا نہ وزیر اعظم اسے معاف کرتا تھا اور نہ اس وقت کا کوئی وزیر اسے معاف کرتا تھا، نہ اس پارٹی کے کارکن صحافی کو معاف کرتے تھے۔ انہیں ایسی ایسی سزائیں دی گئیں، ایسے ایسے حملے کیے گئے اور اس اس انداز کے پریس ٹرسٹ کے قوانین بنائے گئے، ان کو یاد کرتے آج بھی شرم سے گردن جھک جاتی ہے۔

جناب والا! اخبارات کے دفاتر پر حملے کی بات پر ہم پیچھے چلتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس واقعے کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے خواہ کسی بھی تنظیم نے حملہ کیا، خواہ کسی بھی گروہ نے حملہ کیا، کسی بھی جماعت، مسلم لیگ یا پیپلز پارٹی کا کارکن اس حملے میں اگر ملوث ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب کو مل کر اس واقعہ کی مذمت کرنی چاہیے۔ جب ہم اخبارات کے اوپر حملوں کی مذمت کرتے ہیں تو 1971ء کی بات ہو رہی تھی کہ پی پی کے مسلح غنڈوں نے پروگریسو پیپلز پیپرز لمیٹڈ کے دفاتر پر حملہ کیا۔ یہ بھی آپ ریکارڈ کی درستگی کے لیے نوٹ کر لیں کہ اس وقت اخبارات کے کارکنوں کی جانیں بچانے کے لیے فوج بھی طلب کرنا پڑی تھی۔ 1972ء میں بھٹو کے مارشل لاء کے حکم نمبر 35 کے مطابق اخبارات کی آزادیاں سلب کی گئیں۔ یہ بھی آزادی صحافت کا دور نہ تھا اور 1971ء سے 1977ء تک پی پی ایل کے کارکنوں کی Provident Fund کی -/35 لاکھ روپے کی رقم خورد برد کی گئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی آزادی صحافت کا کارنامہ نہیں تھا۔ 1972ء سے لے کر 1976ء تک تین درجن اخبارات و رسائل کو بند کیا گیا اور اس دور میں دس ایڈیٹروں کو جیل میں بھیجا گیا اور مخالف اخبارات کی اشاعت روکنے کے لیے پرنٹنگ پریسوں پر پہرہ بٹھایا گیا۔ اس دور میں اس پولیس کے پہرے کی نگرانی چیف سیکرٹری اور ہوم سیکرٹری کیا کرتے تھے۔ یہ کارنامہ بھی آزادی صحافت کے لیے نہیں تھا۔ آج اس ملک میں جمہوری دور ہے لیکن اس جمہوری دور میں روزنامہ "مرکز" کے دفتر پر ایک سیاسی جماعت جسے پیپلز پارٹی کہتے ہیں اس کے کارکنوں نے حملہ کیا۔ پریس کو آگ لگائی، توڑ پھوڑ کی اور اس کی قیادت ایک وفاقی وزیر کر رہے تھے اس سے زیادہ شرم کی کیا بات ہو گی کہ ایک سیاست دان، ایک وقت کا وزیر اعلیٰ جلوس کی قیادت کرے جو جلوس ایک اخبار کے دفتر پر حملہ کرے۔

جناب سلمان تاثیر: پوائنٹ آف آرڈر! جناب والا! ان کی تقریر تو ماشاء اللہ بڑی جذباتی ہے لیکن کچھ تو

حقائق ہونے چاہئیں کہ کس وزیر نے اس جلوس کی سربراہی کی؟ کون سے پیپلز پارٹی کی حکومت کے دوران نیشنل پریس ٹرسٹ کے خلاف کام ہوا۔ کون سے اس کے متعلق اعداد و شمار دیئے جا رہے ہیں؟ میں ان سے گزارش کرتا ہوں کہ یہ بتائیں کہ کس وزیر نے جلوس کی قیادت کی؟ یہ ایوان میں بیٹھے تھے۔ یہ اسمبلی ہے۔ یہ موچی گیٹ کی تقریر نہیں کہ جو مرضی ہو الزام لگاتے جاؤ اور کوئی کہنے والا نہیں۔

جناب چیئرمین: چودھری صاحب! اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں تو اس وزیر صاحب کا نام لے دیجیے گا۔ اگر آپ نام لینا مناسب نہیں سمجھتے تو پھر آپ اپنی تقریر جاری رکھیں۔ اس طرف سے میں استدعا کرتا ہوں کہ وہ اپنی تقاریر میں جو اعتراضات ہوں اٹھا لیجیے گا۔ آپ اپنی تقریر جاری رکھیں۔

چودھری محمد فاروق: جناب سپیکر! اگر کسی صاحب کو میری بات گراں گزرے تو وہ اپنا موقف بیان کرتے وقت بات کر سکتے ہیں۔ جہاں تک اس وزیر کے نام کا تعلق ہے تو میں نے احتراماً ان کا نام نہیں لیا۔ اگر آپ مجبور کریں تو لکھ کر اسی وقت دینے کو تیار ہوں۔ ان کا نام نہ صرف مجھے معلوم ہے بلکہ آپ کو بھی معلوم ہے۔ لیکن میں مناسب نہیں سمجھتا کہ ایک وفاقی وزیر کو اس ایوان میں ان کا نام لے کر ان کی بارے میں بتایا جائے۔

جناب چیئرمین: آپ نے بجا ارشاد فرمایا ہے۔ آپ اپنی تقریر جاری رکھیں۔

چودھری محمد فاروق: جناب والا! اگر میں روزنامہ "جنگ" کے دفتر پر سندھ میں حملے کی بات کروں جہاں پر حکومت بھی پیپلز پارٹی کی ہے تو اس واقعہ کے بارے میں پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے "جنگ" کے اخبار کے دفتر پر جو حملہ کیا پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں آج کے دور حکومت میں تھانے میں وہ ایف آئی آر درج ہے۔ لیکن ابھی تک اس واقعہ کی کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ ان کارکنوں کو کوئی داد رسی فراہم نہیں کی گئی۔

جناب سپیکر! میں "مشرق" کے سینئر ادارتی رکن خالد محمود بٹ پر جو ذہنی تشدد کیا گیا اس کا ذکر کروں گا۔ اسی تشدد کے نتیجے میں ان کی ہلاکت ہوئی اور وہ جاں بحق ہو گئے۔ کیا یہ آزادی کا کارنامہ ہے؟ یہ بھی آج ہی کے دور میں ہو رہا ہے۔ جناب سپیکر! پیپلز پارٹی کی انتقامی کارروائیوں کے خلاف سندھ ہائی کورٹ میں دو اور لاہور ہائی کورٹ میں سات writ petitions اس وقت زیر سماعت ہیں۔ یہ writ petitions اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہماری موجودہ حکومت اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر رہی۔ یہاں پر

میں یہ بات بھی کہنا چاہوں گا کہ حکومت خواہ پیپلز پارٹی کی ہے لیکن یہ حکومت سیاست دانوں کی ہے۔ یہ جمہوری دور کی حکومت ہے۔ اس حکومت کے ساتھ نام پیپلز پارٹی کا آتا ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ جمہوری دور میں جب صحافیوں کے ساتھ یہ سلوک ہو، جب صحافت کے ساتھ یہ سلوک ہو تو اس کا سراسر نقصان ملک کو بھی ہوتا ہے اور سیاستدانوں کو بھی اس کا نقصان پہنچتا ہے۔

جناب سپیکر! پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے حیدر آباد میں روزنامہ "جنگ" کے بنڈل جلائے۔ اس پر میں شکایت نہیں کرتا لیکن اخباری کاغذ پر یہ بھاری ڈیوٹی عائد کی گئی جس کی وجہ سے اخبارات مالی بحران کا شکار ہوئے۔ اس کے بارے میں اے پی این ایس کے ساتھ معاہدے کے باوجود آج تک اخباری کاغذ پر ڈیوٹی ختم نہیں کی گئی۔ آج میں اس ایوان کے ذریعے مطالبہ کرتا ہوں کہ یہ ڈیوٹی ختم کی جائے۔ آزادی صحافت کے لیے یہ ڈیوٹی ختم کرنا بھی ضروری ہے۔ جب سی پی این ای کے جناب عارف نظامی نے 1989ء کو اخبارات کے لیے سیاہ ترین سال قرار دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آزادی صحافت کے جتنے ڈھنڈورے پیٹے رہیں وہ ناکافی ہیں۔

جناب سپیکر! میں یہاں پر یہ بات بھی کہنا چاہوں گا کہ 1977ء میں اس جمہوریت کے زمانہ میں کیا ہوتا تھا؟ اس وقت اخبارات کے صفحوں کے صفحے سنسرشپ کے قوانین کے تحت اڑا دیے جاتے تھے۔ مجھے یہ بھی کہنے دیجئے کہ جمہوریت صحافت کے بغیر کچھ نہیں۔ اگر سیاستدان چاہیں کہ وہ آزادی صحافت کے علاوہ وہ کچھ کر سکتے ہیں تو وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

جناب چیئرمین: آپ اپنی تقریر ختم کیجیے۔

چودھری محمد فاروق: جناب والا! میں اپنی بات ختم کر رہا ہوں۔ میں یہ بات بھی کہنا چاہوں گا کہ صحافت ایک ذریعہ ہے۔ صحافت ایک ایسا ادارہ ہے جو کسی قوم کی غلطیوں کو بروقت ان کی نشان دہی کر کے عوام کو ایک ایسا رخ مہیا کرتا ہے جس کے ذریعے قوانین اپنی منزل پر پہنچا کرتے ہیں۔ یہاں پر میں اس بات کا بھی ذکر کرنا چاہوں گا کہ صحافیوں سے مراد اخباروں کے مالکان نہیں ہیں۔ اخباروں کے مالکان اپنی جگہ پر ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں لیکن وہ ورکر، وہ کارکن جو اس صوبے کے اندر، اس ملک کے اندر، اس ملک کو بچانے کے لیے، اس ملک کی سالمیت کے لیے، اس ملک کے استحکام کے لیے جمہوریت کے لیے جو گرمی سردی اور موسم کی پرواہ کیے بغیر کونوں کھدروں میں جا کر جہاں پر آگ لگی ہو، جہاں

پر غنڈہ گردی اور بدمعاشی کا ماحول ہو وہ در کر وہاں پر جا کر قوم کو صحیح حال فراہم کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ صحافی ہیں جنہیں ہمیں سلام پیش کرنا چاہیے۔ جو اس ملک کی بقا کے لیے اپنے آرام و آسائش قربان کر کے اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں آج اس ایوان کے ذریعے ان کی آزادی کی ہم بات کرتے ہیں۔ یہ آزادی ہمیں انہیں فراہم کرنی چاہیے۔

جناب چیئرمین: آپ کی تقریر کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ میں آپ سے چند دفعہ گزارش کر چکا ہوں کہ براہ مہربانی اپنی تقریر ختم کیجیے۔

چودھری محمد فاروق: جناب والا! ان صحافیوں سے میری گزارش ہے کہ یہ اس وطن کی سالمیت کے لیے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے پر جہاں ہم انھیں سلام پیش کرتے ہیں وہاں ہم آئندہ بھی ان سے یہی توقعات رکھتے ہیں۔ بہت بہت شکریہ۔

جناب چیئرمین: چودھری فاروق صاحب! شکریہ۔ اب میں شاہ نواز چیمہ صاحب کو دعوت خطاب دیتا ہوں۔

سید ناظم حسین شاہ: جناب سپیکر! اجلاس کتنے وقت تک چلنا ہے۔

جناب چیئرمین: شاہ صاحب! میرے پاس ایک مقرر کا نام اور ہے۔ ویسے وقت ساڑھے تین بجے تک ہے۔ لیکن اگر ساڑھے تین بجے سے پہلے مقررین کی تعداد ختم ہو گئی تو پھر اس کے بعد دیکھیں گے۔

سید ناظم حسین شاہ: جناب والا! پھر میرا نام کل کے لیے شامل کر لیں۔

جناب چیئرمین: ٹھیک ہے۔

چودھری محمد شاہنواز چیمہ: (پنجابی سے اردو) جناب سپیکر! اگر مولانا ظفر علی مرحوم زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ صحافت کے ساتھ کیسا سلوک ہو رہا ہے۔ انھوں نے انگریز کے زمانے میں کہا تھا کہ ---

"اس دور تشدد میں انصاف کے ہر در بند' زبان بند' قلم بند' نظر بند"

جناب سپیکر! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ پنجاب میں کیا کچھ ہو رہا ہے اور کیا کچھ نہیں ہو رہا۔ اگر ان کی مرضی کے مطابق کوئی غریب صحافی ان کی نہیں مانتا تو یہ کوشش کرتے ہیں کہ اس کو کسی ناجائز طریقے سے دبایا جائے یا خریدا جائے۔ اس کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کیا جائے۔ لیکن یہ صحافی وہ لوگ ہیں جو کہ جنگوں پر جاتے ہیں اور وہاں کی تصویر عوام کو آ کر پیش کرتے ہیں۔ دنیا میں جہاں

کہیں بھی صحافی جاتے ہیں وہ پیسوں کی خاطر نہیں جاتے بلکہ صرف اپنے علم کی خاطر لوگوں کو بتانے کی خاطر کہ وہاں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ وہ ان لوگوں کی باتیں یہاں کے لوگوں کے سامنے لاتے ہیں۔ وہ ان کو مارتے نہیں۔ وہ ان کے مالکان کو نہیں مارتے۔ مالکان کے ساتھ ان کی اپنی بات ہوتی ہے۔ غریب صحافیوں کے ساتھ ان کی بات نہیں ہوتی۔ انتظامیہ نے "جنگ" اخبار والوں کو مروایا ہے اور صلح مالکان سے کی ہے۔ یہ ان غریبوں کے ساتھ کیوں صلح نہیں کرتے؟ ان کے پیچھے پڑتے ہیں۔ ان کو کیمرے نہیں دیتے۔ صلح ان کے مالکان سے جا کر کرتے ہیں۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اگر یہی طریقہ کار رہا تو پھر یہ ٹھیک نہیں ہو گا۔ یہ بارہ سال پرانے عادی ہیں' کیونکہ انھوں نے اس وقت صحافیوں کو کوڑے بھی مارے اور آج صحافیوں کے علمبردار بنتے ہیں۔ خدا کا خوف کرنا چاہیے۔ یہ اسمبلیاں برقرار رہیں گی اور ان اسمبلیوں میں لوگ منتخب ہو کر آتے رہیں گے اور لوگوں کو بتاتے رہیں گے کہ انھوں نے یہاں صحافیوں کے ساتھ کیا کیا ظلم کیا ہے۔ ان کی یہ قطعاً خواہش نہیں کہ یہاں آزادی ہو۔ اگر یہاں جمہوریت ہو گی تو پھر ہر آدمی کو یہاں یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ اس ایوان میں بات کرے۔ پھر یہاں جو بھی بات ہو گی وہ پورے پاکستان اور صوبہ پنجاب کے ہر طبقے میں جائے گی۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ یہاں سچی بات نہ کی جائے۔ ان کا کام تھا کہ ایک تھانے دار اور ایک فوجی کو بھیجتے اور انھیں کہتے کہ فلاں صحافی کو جا کر پکڑ لائیں۔ انھوں نے کسی سے بھی اجازت نہیں لی۔ یہ تو ان پرانے بارہ سالوں کے عادی ہیں' ان کو کہہ دیں کہ ---

وہ دور پرانے گزر گئے ہیں
اب پابند نہیں یہ دیوانے

جناب سپیکر! ان حکمرانوں کو بتا دیں کہ یہ اپنی عادات بدل لیں۔ ان کو تاریخ کبھی بھی معاف نہیں کرے گی۔ میرے ایک ساتھی نے بہت اچھی بات کی کہ کلمہ حق کہنے والوں کے آپ سر اڑاتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ جو جو تشدد ہوئے ہیں وہ کس دور میں ہوتے ہیں۔ خاور ہاشمی کو کوڑے کب پڑے ہیں۔ یہ لوگ جو پیپلز پارٹی کے ہیں' جن کو پتا نہیں یہ کیا کہتے ہیں' یہ جانتے نہیں ہیں کہ ان کو کس بات کی سزا دے رہے ہیں۔ آیا بولنے کی سزا دے رہے ہیں؟ اگر ان لوگوں نے بولنا ہی جرم سمجھا ہوا ہے تو میں کہتا ہوں کہ قانون کی بالادستی ہونی چاہیے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ یہاں شاہی نظام

ہو۔ میں پولیس اور دوسرے لوگوں کو بھی خبردار کرتا ہوں' میں ان ڈی سی صاحبان کو بھی خبردار کرتا ہوں' جنھوں نے اپنے آدمی بھیج کر "جنگ" اخبار یا دوسری جگہ پر جا کر ان لوگوں کے کیمرے توڑے ہیں' ان کی 23 تاریخ کے جلسے میں جو بےعزتی کی گئی ہے' وہ یہ خود جانتے ہیں۔ اگر یہ جانتے نہیں تو وہ تمام صحافی پوری دنیا میں یہ چیز جانے کے لیے تیار ہیں اور وہ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ بتائیں گے۔ تاریخ کبھی بھی معاف نہیں کرتی۔ جو ظلم و تشدد اس پنجاب کے خطے میں حکمران کر رہے ہیں' یہ تاریخ جانے گی۔ ایسی باتیں کبھی چھپ نہیں سکتیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آپ ان حکمرانوں کو بتا دیں کہ صحافیوں کو دبانے سے' ان کو لالچ دینے سے حکمرانیاں نہیں چلتیں۔

جناب سپیکر! میں انتظامیہ کے اس رویے پر افسوس کرتا ہوں کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ مارنے والے کون لوگ ہیں۔ یہ اگر آج مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا نام لیتے ہیں یا کسی اور کا نام لیتے ہیں' یہ حقیقت میں جانتے ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں۔ یہ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا نام بدنام کرتے ہیں۔ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن تو 1947 میں بھی تھی۔ انھوں نے ایسے لوگ ملازم رکھے ہوئے ہیں۔ انھوں نے وہ لوگ رکھے ہوئے ہیں جو کہ سرکاری ملازم ہیں۔ سرکاری ملازموں کی امداد سے یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں' جو توڑ پھوڑ کرتے ہیں' جو زیادتیاں کرتے ہیں ان کے یہ خود ذمے دار ہیں۔ میں اس ایوان میں بتانا چاہتا ہوں کیونکہ اس ایوان میں جو بھی بات ہو گی وہ ریکارڈ ہو جائے گی۔ جو بات سچی ہو گی وہ قائم رہے گی اور جو بات جھوٹ ہو گی وہ بھی ان لوگوں کو پتا چلتی رہے گی کہ کن آدمیوں نے سچی بات کہی ہے اور کن آدمیوں نے جھوٹی بات کہی ہے۔ ہم 11 سال تک اس آزادی جمہوریت اور قانون کی بالا دستی کے لیے لڑے ہیں۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ کسی بھی موقع پر ایسی بات برداشت نہیں کریں گے کہ کہاں قانون توڑا جا رہا ہے اور کہاں کسی غریب آدمی کو مارا جا رہا ہے۔ ہم پر یہ فرض ہے کہ ہم اس کے لیے بولیں اور یہ ہمیں ہمارے حق سے نہیں روک سکتے' چاہے یہ کسی "جنگ" کے مالک سے صلح کریں یا کسی اور اخبار کے مالک سے صلح کریں۔ ان کی صلح ہوتی رہے گی لیکن میں بتاتا ہوں کہ وہ وقت دور نہیں کہ یہ سچائی سامنے آ جائے گی جو یہ برداشت نہیں کرتے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ لوگ ایسی سچائی کی طرف آ رہے ہیں۔ جو تھانے دار تشدد کرتے ہیں' زیادتی کرتے ہیں۔ ان کے خلاف پنجاب میں لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور تھانوں پر جا کر حملے کرتے ہیں۔ ان کو پتا چل گیا ہے کہ یہ حکمران

ان کا تحفظ نہیں کر سکتے۔ انھوں نے خود باغبانپورہ میں اور مغل پورہ میں جا کر دیکھا ہے۔ ان لوگوں کو اب پتا چل گیا ہے کہ یہ حکمران صحیح انصاف فراہم نہیں کر رہے۔ سٹوڈنٹس کیوں سڑکوں پر آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں؟ انھوں کو پٹرول کے ساتھ کیوں جلاتے ہیں؟ ان کو پتا ہے کہ ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ ان کو جو جلانے والا ہے۔ وہ اس جرم کا حصے دار ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آزادی صحافت ہونی چاہیے۔ صحافت کو زندہ رہنا چاہیے۔ اس طرح ان سیاستدانوں کی باتیں اور ان حکمرانوں کی باتیں لوگوں کے سامنے آئیں گی۔ پھر ان کو یہ توفیق پیدا ہو گی کہ ہم ایسا کام کریں کہ اگر ہم سچے ہیں تو ہماری لوگوں تک بات پہنچے گی۔ اگر ان کو یہ دبائیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ دبا نہیں سکتے۔

جناب چیئرمین، شکریہ چیمہ صاحب! اب میں دعوت خطاب دیتا ہوں جناب اظہر حسن ڈار صاحب کو۔

میاں اظہر حسن ڈار، جناب چیئرمین صاحب! جس طرح آج صحافت کے موضوع پر بحث ہو رہی ہے۔ صحافت ایک بڑا معزز پیشہ ہے۔ اور جس طرح پاکستان بنانے میں صحافت نے بڑی آزادی کے ساتھ کام کیا۔ آج یہ کہتے ہیں کہ مسلم لیگ نے پاکستان بنایا ہے اور قائد اعظم کی بات کرتے ہیں تو پہلے یہ دیکھیں کہ "جنگ" اخبار کی بھی کچھ قربانیاں اس ملک میں ہیں کہ نہیں۔ جب قرارداد پاکستان کے وکیل نے دہلی میں اپنا مرکز بنایا تو میر خلیل الرحمان نے بھی "جنگ" کا دفتر وہاں پر بنایا اور اس نے اس سلسلے میں کافی سزائیں اور صعوبتیں برداشت کیں۔ اور وہ اس وقت واحد مسلمانوں کا ایک بے باک ترجمان تھا۔ آج انہوں نے جس کے دفتر کو جلایا اور ان کارکن صحافیوں پر گولیاں چلائیں جو کہ پاکستان کے داعی تھے اور جس طریقے سے انھوں نے ظلم و تشدد کیا' آپ ملک میں صحافت کی ہسٹری دیکھ لیں۔ انگریز دور میں بھی اس طرح نہیں ہوا۔ بڑا ظالم حکمران تھا۔ مولانا ظفر علی خان اور دوسرے اخبارات ہر روز انگریزوں سے اور ان کی پارٹیوں سے اختلاف رکھتے تھے۔ لیکن اختلاف گورنمنٹ کا ہوتا ہے۔ صحافی کیونکہ آزاد ہوتا ہے۔ صحافی اپنی بات لکھ کے قوم کو بتاتا ہے اور عوام کو بتاتا ہے کہ حکومت کس طرح چل رہی ہے۔ یہ کوئی ملازم نہیں ہے۔ وہ جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو انا کے مسئلے کو ختم کریں۔ انھوں نے انگریز کے خلاف جد و جہد کی تھی تو انگریز نے ان کے ڈیکلریشن منسوخ کیے تھے۔ ان کو قید و بند کی سزائیں دی تھیں۔ لیکن گولی اس نے نہیں چلائی تھی۔ اخباروں کو نہیں جلایا تھا۔ ان کے دفتروں پہ حملے نہیں کیے تھے۔ لیکن آج یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ملک بنانے

والے ہیں۔ آج یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم بڑے مسلم لیگی ہیں۔ سب سے پہلے یہ دیکھیں، اگر یہ مسلم لیگی ہیں تو مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کو ٹریننگ کیا دے رہے ہیں؟ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے طلباء اور علی گڑھ سٹوڈنٹس کی مثال لے لیں۔ انہوں نے ملک بنانے میں گاؤں گاؤں قریہ قریہ پاکستان کا نام لیا تھا۔ انہوں نے سٹوڈنٹس کو کیا دیا ہے؟ انہوں نے اس دور میں ان کو کلاشنکوف دی ہے۔ آپ ان کے کالجوں کی ہسٹری دیکھ لیں کہ ہر کالج کلاشنکوف کا مرکز بنا ہوا ہے۔ بارود خانہ بنا ہوا ہے۔ آج یہ پولیٹیکل ورکر کو بھی یہی ٹریننگ دیتے ہیں۔ انہیں کلاشنکوف دیتے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک میں خانہ جنگی ہو۔ ان کے خلاف کوئی آواز اٹھانے والا نہ ہو تاکہ جو من مانی کارروائی ہو۔ یہ کر سکیں اور کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ یہ پریشر ڈالتے ہیں اور ان سٹوڈنٹس کو جو کہ سیاسی ٹریننگ لینے آتے ہیں ان کو بدمعاش اور غنڈہ اور قاتل بنانا چاہتے ہیں۔ ان کی یہ ہسٹری ہے کہ حافظ آباد تحصیل کے ہمارے معزز رکن نے جتایا کہ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے کس طریقے سے فائرنگز کی ہیں اور آج یہ صحافیوں کے اوپر جس طرح اندھا دھند فائرنگ کی گئی ہے وہ لوگ مرد مجاہد ہیں۔ ہر محاذ پر انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ جس چیز کو وہ دیکھتے ہیں اس چیز کو وہ اپنے قلم کے زور پر لکھتے ہیں۔ پنجاب گورنمنٹ نے ان کو دیا کیا ہے؟ کیا صحافیوں کے بچوں کے لیے ملازمت میں کوئی کوٹا رکھا ہے؟ کیا ان کے لیے زمینوں کے کوئی پلاٹ رکھے ہیں؟ کیونکہ جو بھی انہوں نے کیا ہے اپنے پیٹ کے لیے کیا ہے اور وزراء اور پارلیمانی سیکرٹری یہ کہتے ہیں کہ صحافیوں کے ساتھ ہیں۔ صحافیوں کو ریگولیٹ کرنے کا قانون پاس کروایا ہے کہ وہ کنٹریکٹ بنیادوں پر نوکریاں کرتے ہیں اور کنٹریکٹ بنیادوں پر ہی نوکریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ کیا ان کے اوپر ڈیکلریشن کے لیے جو پابندیاں ہیں وہ منسوخ کر دی گئی ہیں؟ کیا ان کے بچوں کے لیے کالجوں میں ڈاکٹری پڑھنے کے لیے، انجینیرنگ کے لیے صحافیوں کے لیے کوئی کوٹا مقرر کیا ہے؟ کہ وہ بھی آزادی کے ساتھ اپنے قلم کا محاذ جو شروع کیا ہے اس کو جاری رکھ سکے۔ اور وہ اپنے بچوں کی پریشانی اور مالی مشکلات کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ آزادی کے ساتھ صحافت کر سکیں۔ اس دور میں جو سب سے زیادہ لوٹ مار کر رہے ہیں یہ وزراء کرام ہیں اور وزراء کرام کو کون پوچھتا ہے؟ یہ قانون کا احترام کیا جائیں؟ ان کی قانون کے ساتھ کیا وابستگی ہو سکتی ہے؟ ان کے سامنے ایک تھانیدار ہے وہ بھی ان کا کہا نہیں مانتا۔ ان وزراء سے پوچھئے کہ کیا ان کے حلقوں میں ڈکیتیاں چوریاں اغواء قتل و غارت

نہیں ہو رہے۔ اس لیے وہ تھانے دار اس وقت حکومت پنجاب کا اس علاقے میں سب سے بڑا ستون ہے۔ اگر وہ تھانے دار چاہے تو چوریاں ڈکیتیاں قتل ہیروئین سمگلنگ بند ہو سکتی ہیں۔ ان وزراء کے کہنے پر قطعاً بند نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان کے تھانے دار کا تعلق چیف تھانے دار کے ساتھ براہ راست ہے۔ اور وہ چیف تھانے دار اس وقت شریف ہے۔ وہ نواز شریف کا حکم مانتے ہیں۔ یہ بے چارے وزراء ویسے ہی کرسیوں پر بیٹھ کر جھنڈی ہلاتے ہیں۔ ان کے کہنے پر تو ان کے محکمہ کا سیکرٹری نہیں لگتا۔ ان کے ملازم کہنا نہیں مانتے یہ تو ایک decoration piece ہیں۔ اس موجودہ حکومت کی ہر بات تھانے دار کے ذریعے ہوتی ہے۔ جو کام ہوتا ہے یہ تھانے دار سے کراتے ہیں۔ صحافیوں پر گولیاں چلیں تو تھانے دار کی مرضی سے چلیں۔ اگر کسی بے گناہ پر پرچہ ہو گا تو تھانے دار کی مرضی سے ہو گا۔ اگر جلسوں کے لیے بسوں کو روکا جائے گا تو تھانے دار کے ذریعے روکا جائے گا۔ اگر گاؤں سے لوگوں کو بلایا جائے گا تو تھانے دار کے ذریعے ہی بلایا جائے گا۔ اگر وہ گاؤں والے نہیں آئیں گے تو ان پر ناجائز اسلحہ ڈال دیا جائے گا ان پر ہیروئن ڈال دی جائے گی۔ یہ حکومت صرف تھانے داروں کی وجہ سے چل رہی ہے۔ یہ تھانے داروں کی وجہ سے الیکشن جیتی تھی۔ تھانیداروں کی وجہ سے ضمنی الیکشن میں دھاندلی کرانے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ ہمارے بھائی مظلوم وزیر برائے نام ہیں ان کے پاس کوئی وسائل نہیں ہیں۔ اگر یہ اپنے تھانے دار کو سلام نہ کریں تو وہ ان کا بھی کہا نہیں مانتے۔ میرے حلقے میں مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہاں کس قدر ڈکیتیاں، چوریاں، قتل و غارت رات کو ہوتی ہے اور یہ کس طریقے سے ان کو جا کر سلام کرتے ہیں اور کس طریقے سے یہ قانون کا احترام کرتے ہیں۔ ان بے چاروں کو قانون کے احترام کا کیا پتا ہو پنجاب حکومت نہ تو قانون کا احترام جانتی ہے اور نہ احترام کرا سکتی ہے۔ یہ تو صرف سلام کرانا جانتی ہے اور بڑے تھانے دار کو صرف سلام کرنا جانتی ہے۔

جناب چیئرمین! میں یہی گزارش کروں گا کہ ان کو کہیں کہ صحافیوں کے لیے جو مرد قلندر ہیں ہر میدان میں جنگ ہو۔ سیاست ہو یہ آگے آتے ہیں۔ ان کے اوپر یہ ظلم و ستم چھوڑ دیں ان کے بچوں کے لیے ان کی رہائش کے لیے ان کی کلب کے لیے اگر یہ کر سکتے ہیں تو امداد کریں۔ ان کے کوٹے مقرر کریں تاکہ وہ بھی دنیا میں سکھ کا سانس لے سکیں اس کے ساتھ ہی میں اجازت چاہوں گا۔

جناب چیئرمین، معزز اراکین میں سے اگر کوئی رکن اظہار خیال کرنا چاہتا ہو تو ارشاد کریں۔ کوئی

نہیں--- میں ہاؤس کو کل صبح دس بجے تک کے لیے ملتوی کرتا ہوں۔

(اس مرحلہ پر اجلاس کی کارروائی اتوار یکم اپریل 1990، دس بجے تک کے لیے ملتوی کی گئی)

صوبائی اسمبلی پنجاب

(صوبائی اسمبلی پنجاب کا دسواں اجلاس)

اتوار' 1- اپریل 1990ء

(یک شنبہ' 4 رمضان المبارک 1410ھ)

صوبائی اسمبلی پنجاب کا اجلاس اسمبلی چیمبر لاہور میں صبح 10 بج کر 35 منٹ پر منعقد ہوا۔ جناب سپیکر میاں منظور احمد وٹو کرسی صدارت پر متمکن ہوئے۔

تلاوت قرآن پاک اور ترجمہ قاری سید صداقت علی نے پیش کیا۔

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ
مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا
نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ
بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ
مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

سورۃ ال عمران آیات نمبر 102 تا 103۔

مومنو! خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا اور سب مل کر خدا کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح خدا تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

وقفہ سوالات کی معطلی

ب سپیکر، وقفہ سوالات شروع ہوتا ہے۔۔میرے پاس ایک تجویز آئی ہے کہ آج وقفہ سوالات نہ کیا
، تاکہ دوسرے امور پر بحث کی جا سکے۔ تو آپ کا کیا خیال ہے؟

ڑیں ، ٹھیک ہے آج وقفہ سوالات نہ کیا جائے۔

ب سپیکر، ٹھیک ہے۔

ب غلام سرور خان ، جناب سپیکر! وقفہ سوالات کل تک معطل کر دیا جائے گا؟

ب سپیکر، جی نہیں ۔ کل اجلاس نہیں ہو گا اور یہ اگلے سیشن پر چلا جائے گا۔

ب غلام رسول خان ، جناب والا! اسے اگلے دن کی کارروائی میں رکھ دیا جائے۔

ب سپیکر، یہ اگلے سیشن پر چلا جائے گا۔

ب محمد ظہیر الدین خان ، جناب والا! یہ تجویز تحاریک استحقاق کے بارے میں بھی ہے؟

ب سپیکر، یہ تجویز تحاریک استحقاق کے بارے میں نہیں بلکہ وقفہ سوالات کے بارے میں ہے۔

ذاکر حسین شاہ ، جناب سپیکر! پوائنٹ آف آرڈر ۔

ب سپیکر، جی شاہ صاحب پوائنٹ آف آرڈر پر بولنا چاہتے ہیں۔

ذاکر حسین شاہ ، جناب سپیکر! اخبار پر حملے کے بارے میں یا صحافت کی آزادی کے بارے میں
ن میں عام بحث کا سلسلہ جاری ہے۔ میں نے ایک تحریک استحقاق اس واقعہ کے بارے میں پیش کی
ہے اور اس کا نمبر 9 ہے۔ میری آپ سے استدعا ہے کہ چونکہ اس واقعہ کے بارے میں بحث بھی
رہی ہے۔ اس لیے میری تحریک استحقاق کو عام بحث سے پہلے take up کرنے کی اجازت
جائے۔

مسئلہ استحقاق

ب سپیکر، عبد القادر شاہین صاحب کی تحریک استحقاق ہے۔ وہ تشریف نہیں رکھتے ہیں اور ملک محمد
ر اعوان صاحب کی تحریک استحقاق pending رہے گی۔

یہ ذا کر حسین شاہ ، جناب والا! میری گزارش کا کیا ہوا۔

جناب سپیکر، عبد القادر شاہین صاحب کی تحریک استحقاق dispose of تصور ہو گی۔

میاں منظور احمد موہل ، جناب والا! پانچ چھ منٹ سے یہ سلسلہ شروع ہے۔ ایوان کا ایک تقدس ہوتا ہے۔ روایات ہوتی ہیں اور یہ صورت حال ان باتوں سے ہٹ کر ہے۔

سید ذا کر حسین شاہ ، جناب والا! اسی واقعہ کے متعلق میری ایک تحریک استحقاق ہے۔ یعنی اخبار پر حملے کے بارے میں ہے۔

ایک معزز ممبر ، جناب والا! اس بارے میں تو بحث بھی ہو رہی ہے۔

سید ذا کر حسین شاہ ، بحث ہو رہی ہے تو بحث تو ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ میں تو تحریک استحقاق کو استحقاق کمیٹی کے سپرد کرانا چاہتا ہوں۔ تقاریر کا کیا فائدہ۔

جناب سپیکر، شاہ صاحب! آپ کی تحریک استحقاق کو take up نہیں کیا جا سکے گا اس لیے کہ اس سے پہلے بہت سی تحریک استحقاق ہیں اور آپ کی تحریک استحقاق صحافت کی آزادی کے بارے میں ہے اور اس پر میں آج آپ کو بات کرنے کا موقع دوں گا۔

سید ذا کر حسین شاہ ، جناب والا! تقریر کی بجائے اسے آج لے لیں۔

جناب سپیکر، لیکن یہ آؤٹ آف ٹرن نہیں لی جا سکے گی۔ ایک تو وہ مسئلہ زیر بحث ہے۔ آپ اس پر بات کر سکتے ہیں۔

سید ذا کر حسین شاہ ، جناب والا! زیر بحث ہے اس لیے میں اسے آؤٹ آف ٹرن لانا چاہتا ہوں۔

جناب سپیکر، سوری شاہ صاحب! یہ آؤٹ آف ٹرن نہیں لی جا سکتی۔ یہ بہت مشکل ہے۔ اس طرح باقی سارے لوگ insist کریں گے کہ ان کی تحاریک استحقاق آئیں۔ اب فوزیہ بہرام صاحبہ کی تحریک استحقاق ہے۔ میں شاہ صاحب کے معاملے کو بھی ہاؤس پر چھوڑتا ہوں۔ سید ذا کر حسین شاہ صاحب کہتے ہیں کہ میری تحریک استحقاق کو آؤٹ آف ٹرن لیا جائے۔ ان کی تحریک استحقاق آزادی صحافت کے بارے میں ہے۔ آپ اجازت دیتے ہیں کہ اسے آؤٹ آف ٹرن لیا جائے؟

آوازیں ، نہیں۔

ا سپیکر: نہیں اجازت دیتے۔ تو فوزیہ بہرام صاحبہ کی پریویلج موشن ہے۔ وہ تشریف نہیں رکھتی

مری محمد وصی ظفر: جناب والا! میں نے جناب سے بھی اجازت لی ہے اور لاء منسٹر صاحب سے اجازت لی ہے۔ میری تحریک استحقاق صرف چار لائینوں کی ہے اور پرسنل ہے۔ اس پر جناب غور یں۔

ب سپیکر: یہ معاملہ میں پہلے ہاؤس کے سامنے پیش کروں گا۔ وصی ظفر صاحب کی ایک تحریک ق ہے جس کے بارے میں لاء منسٹر صاحب سے انہوں نے بات کی ہے اور میرے ساتھ بھی بات ہے لیکن یہ فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ ان کی تحاریک استحقاق "جنگ" اخبار کی رپورٹنگ کے بارے میں ۔ تو ہاؤس کی اجازت ہے کہ وصی ظفر صاحب تحریک استحقاق آؤٹ آف ٹرن پیش کریں؟

زیں: اجازت ہے۔

ب سپیکر: اجازت ہے۔ ٹھیک ہے۔ وصی ظفر صاحب کو میں تحریک استحقاق پیش کرنے کی اجازت ہوں۔

اخبار میں رکن اسمبلی کی ایوان میں کی گئی تقریر کی غلط رپورٹنگ

ھری محمد وصی ظفر: جناب والا! میری صوبائی اسمبلی کی تقریر مورخہ 31-3-90 کو روزنامہ "جنگ" دیدہ دانستہ اصل دلائل جو کہ اسمبلی کے ایجنڈا سے متعلقہ تھے کو حذف کر کے انتہائی توہین اور انہ انداز میں شائع کیے ہیں۔ جس سے نہ صرف میرا بلکہ تمام ایوان کا استحقاق مجروح ہوا ہے ایسا صرف لیے کیا گیا ہے کہ میں نے تقریر اخبار کے مالکان کے خلاف کی تھی۔ لہذا معاملہ استحقاق کمیٹی کے : کیا جائے۔

جناب والا! میں نے اپنی تقریر میں صحافیوں کے بارے میں پندرہ واقعات بیان کیے تھے اور نے صلح کی بھی بات تھی کہ مالکان نے صلح کر لی ہے اور صحافیوں نے صلح نہیں کی اور میں نے ا سے facts and figures date-wise دیئے تھے جبکہ جو انہوں نے ارشاد کیا ہے وہ میں جناب پڑھ کر سناتا ہوں۔

"وصی ظفر نے اپنی تقریر میں کہا کہ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ صوبائی حکمرانوں کے رشتہ دار جعلی

دوائیاں تیار کرتے ہیں اور دو نمبر آٹو سپیئر پارٹس بناتے ہیں" اور صحافت کے بارے میں میرا ایک بھی لفظ وہ تحریر میں نہیں لائے اور نہ ہی انہوں نے بتایا ہے میں نے جو facts and figures دیئے تھے وہ انہوں نے دیدہ دانستہ mis-report کیے اس لیے جناب والا! یہ انتہائی ضروری ہے کہ اسے استحقاق کمیٹی کے سپرد کیا جائے تاکہ مالکان اس طرح من مانی نہ کر سکیں اور کارکن نظر انداز نہ ہو سکیں۔

جناب والا! ان دو لائنوں پر میں نے دس منٹ تقریر کی میں نے facts& figures اور واقعات بتائے ہر چیز میں نے بتائی اور ثابت کی تو جناب والا میں آپ سے گزارش کروں گا کہ اسے استحقاق کمیٹی کے سپرد کیا جائے۔

جناب سپیکر: جناب وزیر قانون۔

وزیر قانون (سردار نصر اللہ خان دریشک): جناب سپیکر! آج جس اجلاس کی کارروائی ہو رہی ہے اس اجلاس کو ہمارے اپوزیشن کے بھائیوں نے requisition کیا تھا اور اسی جنگ اخبار کے واقعات سے بنیادی طور پر اس سیشن کے بلانے کا تعلق ہے۔ وصی ظفر صاحب کی خدمت میں میں نے اور جناب نے بھی گزارش کی کہ آج جب ہم صحافت کو زیادہ سے زیادہ آزادی دینے کے لیے یہ اجلاس کر رہے ہیں اور ان کے ساتھ جو زیادتیاں ہوئی ہیں ان کے بارے میں اس اجلاس میں تقاریر ہوئی ہیں اس لیے یہ تحریک استحقاق موقع کے مطابق مناسب نہیں لیکن چونکہ میرے بھائی کا بہت اصرار تھا کہ اس تحریک استحقاق کو میں نے ہر قیمت پر لے آنا ہے تو ہم نے سرتسلیم خم کیا تو جناب والا "جنگ" اخبار کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ بہت ہی قدیم اور مقتدر اخبار ہے اورمیدان صحافت میں اس کا کردار قابل فخر رہا ہے اوراس کی تحریک پاکستان میں خدمات کو بھی سنہری حروف میں لکھا جائے گا اور جنگ اخبار نے صحافت میں ندرت اور جدید انداز پیدا کیا ہے۔ جناب والا! مجھے انتہائی افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے حزب اختلاف کے بھائی وصی ظفر صاحب نے اس موقع پر جبکہ اپوزیشن نے یہ اجلاس طلب کیا یہ تحریک استحقاق جنگ اخبار کے خلاف پیش کی ہے اور ہمارے اسمبلی کے ریکارڈ پر یہ بات موجود ہے کہ جناب والا! نے کئی دفعہ یہ رولنگز دی ہیں کہ پریس رپورٹنگ پریولج موشن کے لیے بنیاد نہیں بن سکتی۔ تو یہ معاملہ تو ایسا تھا کہ اگر وہ آپ کو استدعا کرتے یا مجھے حکم دیتے تو اس رپورٹر صاحب سے کہہ دیا جاتا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ جنگ والوں نے دانستہ طور ایسا نہیں کیا ہے بہت احباب نے تقاریر کی ہیں

باتیں بہت ہوتی ہیں ان کے پاس جگہ بہت کم ہوتی ہے تو اپنی سمجھ کے مطابق جس چیز کو سمجھتے ہیں کہ بھئی یہ اخبار میں آ جانی چاہیئے وہ آ جاتی ہے۔ جس کے بارے میں جناب وصی ظفر صاحب فرما رہے ہیں کہ مالکوں کے ساتھ جناب وزیر اعلیٰ کی صلح ہو گئی ہے یعنی جناب والا! contradiction دیکھیں مالکوں کے ساتھ ہی وزیر اعلیٰ کی صلح ہو گئی ہے اور ورکرز کے ساتھ نہیں ہوئی تو ان کی جو تقریر ہے اس کا بھی وہی حصہ اخبار میں ہے جو وزیر اعلیٰ کے خلاف ہے اور ان کے رشتہ داروں کے خلاف ہے تو جناب والا! آپ یہ contradiction دیکھیں اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو پھر وہ حصہ کسی قیمت پر بھی نہیں آنا چاہیے تھا ان کے خیال کے مطابق اگر ان کی کئی چیزوں کی رپورٹنگ نہیں ہوئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اکیلے انہوں نے تو کل تقریر نہیں کی تھی ہمارے بہت سے اور بھائیوں نے تقاریر کی تھیں تو اس وجہ سے جگہ کی کمی کی وجہ سے ہو سکتی ہے ورنہ اس میں کوئی ذاتی بات نہیں ہو سکتی اور جناب والا! جیسے کہ میں اس بارے میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ آپ پہلے رولنگ دے چکے ہیں کہ یہ چیز تحریک استحقاق کی بنیاد نہیں بن سکتی ہے اور خاص طور پر جبکہ حزب اختلاف والوں نے یہ اجلاس جنگ اخبار کے ساتھ حکومت کی طرف سے زیادتیاں کی جانے کے بارے میں طلب کیا ہوا ہے اس موقع پر اگر حزب اختلاف کی طرف سے کوئی تحریک استحقاق admit کی جائے تو یہ بہت ہی bad taste میں ہو گا یہ ٹیکنیکلی اور قانونی طور پر قطعاً تحریک استحقاق نہیں بنتی لیکن اخلاقی طور پر اس موقع پر اس تحریک استحقاق کا آنا انتہائی افسوس ناک ہے اور پھر میرے بھائی کا اس بات پر اصرار کرنا کہ اسے استحقاق کمیٹی کے سپرد کیا جائے۔ یہ انتہائی نامناسب بات ہے اس تحریک استحقاق کو قابل پذیرائی نہ سمجھا جائے یہ ٹیکنیکلی بھی نہیں بنتی ہے اور مہربانی کر کے اسے reject کیا جائے۔ شکریہ۔

چودھری محمد وصی ظفر ، جناب سپیکر! میری گزارش یہ ہے کہ یہ جو معاملہ ہے یہ اس طرح نہیں ہے کہ جی اخبارات پر بحث ہو رہی ہے۔ معاملہ انتہائی سنگین ہے کہ انتہائی تضحیک آمیز انداز میں دو لائنیں ایسی شائع کی ہیں کہ جیسے دانستہ طور پر کسی کو ذلیل کیا جائے کہ صحافت پر بحث ہو رہی ہے۔ مگر اس کی calibre, mental IQ level یہ ہے کہ صرف یہ بات کرتا ہے اور یہ جناب والا دانستہ طور پر لکھا گیا ہے اور اس میں لازمی طور پر بدنیتی ہے اور میں جناب سے گزارش کروں گا کہ اس معاملے کو استحقاق کمیٹی کے سپرد کر کے اسے sort out کیا جائے۔ انہوں نے یہ دو لائنیں لکھی ہیں باقی بیس، بیس

لائنوں کی خبریں تھیں تو وہ دو لائنیں وہ بھی لکھ دیتے جو میرا اصل مقصد تھا اور جو میرا اصل لب لباب تھا یہ تو جناب میں نے اس context میں بات کی تھی کہ پنجاب حکومت کی توجہ اس طرف ہے اور وہ یہ طریقے اختیار کر رہے ہیں اور پارلس کے جو میں نے فقرے کہے تھے وہ اس سلسلے میں نہیں کہے تھے۔ جناب کے پاس ٹیپ ہے۔

جناب سپیکر: شکریہ جناب وصی ظفر صاحب۔ آپ تشریف رکھیں۔

اس میں میں یہ کہوں گا کہ جو وصی ظفر صاحب کا نقطہ نظر ہے اور جو انہوں نے اس ایوان میں تقریر کی اس کو مناسب انداز میں اخبار میں آ جانا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی میں اس تحریک استحقاق کو استحقاق کمیٹی کے پاس نہیں بھیجنا چاہتا کیونکہ اس وقت جس ماحول میں ہم بات چیت کر رہے ہیں اس میں یہ نہایت ہی نامناسب بات ہو گی اس لیے میں اسے dispose of کرتا ہوں اور ان کا view point اخبارات میں آ جانا چاہیے۔

مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب کی تحریک استحقاق ہے مگر وہ ایوان میں تشریف نہیں رکھتے۔ جناب خالد لطیف کاردار کی تحریک استحقاق ہے مگر فاضل ممبر ایوان میں تشریف نہیں رکھتے۔ ڈاکٹر ضیاء اللہ بنگش (ایوان میں موجود نہیں تھے) یہ سب تحاریک استحقاق dispose of ہوں گی۔

میاں محمود الحسن ڈار (ایوان میں موجود نہیں تھے) جناب علی اکبر مظہر وینس صاحب۔

چوہدری محمد شاہنواز چیمہ: پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب سپیکر! آپ نے ان وزراء صاحبان کو کہا ہے کہ یہ ایوان کو ایوان ہی سمجھیں مگر رانا پھول محمد صاحب اور عارف نکئی صاحب بدستور آپس میں باتیں کر رہے ہیں حالانکہ انہیں ایوان میں باتیں نہیں کرنی چاہییں اگر ان کو اتنا شوق ہے تو یہ باہر جا کر باتیں کریں یا ان کی نشستیں علیحدہ کی جائیں۔

وزیر امداد باہمی (رانا پھول محمد خان): جناب والا! میں نہایت ادب کے ساتھ جناب کی وساطت سے اپنے فاضل رکن چیمہ صاحب سے گزارش کروں گا کہ نہ تو ہم نے کوئی شور کیا ہے اور نہ کسی دوسرے رکن نے ہماری گفتگو سنی ہے سیٹیں چونکہ ہمیں اکٹھی الاٹ ہوئی ہیں اگر ان کو یہ دکھ ہے کہ میرا جٹ بھائی کیوں میرے پاس بیٹھ گیا تو اسے کسی دے کر کھیت میں کام کرا لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

ڈی۔ای (فون) کا رکن اسمبلی کے ساتھ نامناسب رویہ

جناب سپیکر۔ جی جناب علی اکبر مظہر وینس صاحب۔

چودھری علی اکبر مظہر وینس : جناب سپیکر! میں حال ہی میں وقوع پذیر ہونے والے ایک اہم اور فوری مسئلے کو زیر بحث لانے کے لیے تحریک استحقاق پیش کرتا ہوں جو اسمبلی کی فوری دخل اندازی کا متقاضی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ پنجاب اسمبلی میں حزب اختلاف کے دفتر میں تین ٹیلیفون ہیں۔ تینوں پچھلے چار دن سے کام نہیں کر رہے۔ ان کے متعلق متعدد بار شکایات متعلقہ محکمہ اور افسران کو دی گئیں لیکن کوئی عمل نہ ہوا اور جب آج مورخہ 18 مارچ کو میں نے متعلقہ ڈی۔ای (فون) کے دفتر میں فون کر کے شکایت کرنے کی کوشش کی تو وہاں سے جواب ملا یہ ممبران اسمبلی ہمیں مستقل تنگ کرتے ہیں اور کہا کہ جب یہ اسمبلیاں نہیں تھیں تو ہم مزے میں تھے۔ ہم کسی حزب اختلاف اور اقتدار کو نہیں جانتے۔ باری آنے پر ٹھیک کر دیں گے۔ جس سے میری بلکہ دوسرے تمام ممبران کی تضحیک ہوئی ہے اور استحقاق مجروح ہوا ہے لہذا میری تحریک استحقاق کو منظور فرما کر استحقاق کمیٹی کے سپرد کیا جائے۔

جناب سپیکر! بہت سے دوستوں نے مجھے کہا کہ یہ وفاقی محکمہ ہے لیکن جناب والا! ہم یہاں پر کسی محکمے کو چاہے وہ وفاقی ہو چاہے وہ صوبائی ہو ان کے کسی ناپسندیدہ عمل کو اور ان کے کسی ایسے عمل کو جس سے کہ عوام الناس اور لوگوں کو ان سے وہ سہولت جو انہیں لوگوں کو میسر کرنا ہوتی ہے نہ ہو تو ہم ان کے ایسے عمل کو اس ہاؤس میں کھڑے ہو کر ضرور condemned کریں گے قطع نظر اس بات کے کہ وہ محکمہ وفاقی ہے یا صوبائی ہے۔ (نعرے ہائے تحسین) اس لیے ہم یہاں پر کسی کے غیر قانونی اور غیر آئینی فعل کو support کرنے کے لیے یا اس پر پردہ ڈالنے کے لیے نہیں آتے۔ جناب والا! اس لیے میری یہ بات اپنی جگہ خود بخود حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ میں بغیر کسی تعصب یا بغیر کسی ذاتی عناد کے یہ تحریک پیش کر رہا ہوں اس لیے کہ میں بجا طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ ان ٹیلی فون والوں کا جب ممبران اسمبلی کے ساتھ یہ سلوک ہے تو اس ملک کے عام شہریوں کے ساتھ ان کا کیسا رویہ ہوتا ہو گا؟

جناب سپیکر۔ جی شکریہ! وینس صاحب۔۔۔ شکریہ۔ لاء منسٹر صاحب آپ کو تو کوئی اس میں اعتراض نہیں؟

وزیر قانون ، جناب والا! اگر آپ اجازت دیں تو ایک منٹ بات کروں گا۔

جناب سپیکر، جی----

وزیر قانون ، جناب سپیکر! میرے بھائی وینس صاحب نے جو کچھ اپنی تحریک استحقاق میں لکھا ہے اور شارٹ سٹیٹمنٹ میں فرمایا ہے مجھے اس سے سو فیصدی اتفاق ہے۔ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ مرکزی حکومت کے یہ ٹیلیفون، بجلی، سوئی گیس وغیرہ کے محکموں کا رویہ صرف ہمارے ساتھ ہی نامناسب ہے لیکن یہ سن کر افسوس ہوا کہ ان کے اپنے ایم۔پی۔اے جن کا تعلق پیپلز پارٹی اور جن کی حکومت مرکز میں ہے بھی ان کا رویہ نامناسب ہے۔ میرے بھائی نے بالکل صحیح کہا کہ اگر ہمارے ساتھ ان کا رویہ ایسا ہے تو باقی عوام الناس کے ساتھ کیسا رویہ ہو گا۔ میں وینس صاحب کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے ایک ایسے مسئلے کی طرف نشان دہی کی ہے۔ (نعرہ ہائے تحسین) اور جرات مندانہ طریقے سے کام لیا ہے۔ میں پرزور تائید کرتا ہوں اور گزارش کرتا ہوں کہ اس تحریک کو استحقاق کمیٹی کے ضرور سپرد کیا جائے۔

جناب سپیکر، میں اس تحریک استحقاق کو باضابطہ قرار دیتا ہوں اور اسے تحریک استحقاق کمیٹی کے سپرد کیا جاتا ہے۔ (نعرہ ہائے تحسین)

چودھری علی اکبر مظہر وینس ، جناب والا! میں وزیر قانون سے گزارش کرتا ہوں کہ دوسری تمام تحاریک استحقاق جو پنجاب کے صوبے کے محکموں سے متعلق ہوتی ہیں ان کو بھی خندہ پیشانی سے اور اس طرح خوشدلی سے قبول کیا کریں۔ میں ان کا مشکور ہوں گا اگر ان کا رویہ ہمیشہ ہمارے ساتھ ایسا رہے۔

وزیر قانون ، جناب سپیکر! چونکہ انہوں نے یہ بات کی ہے اس بارے میں مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں اور میں خوشی سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم تحاریک استحقاق آؤٹ آف ٹرن لیتے رہے ہیں اور پھر سلمان تاثیر صاحب نے وزیر اعلیٰ پنجاب کے خلاف تحاریک استحقاق آؤٹ آف ٹرن لی ہیں۔ اس سے زیادہ جمہوریت کی خدمت اور اس ایوان میں ہمارے اپوزیشن کے جو دوست، جو بھائی ہیں ان کو accommodate نہیں کیا جا سکتا۔ وزیر اعوان صاحب سے پوچھیں جو کل آپ کے پاس آئے تھے ان کی تحریک استحقاق کو میں نے کس طریقے سے dispose of کیا ہے۔ ایسی بات نہیں۔ میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ جہاں پر ہمارے اپوزیشن بھائیوں کے استحقاق کا سوال ہو گا وہاں پر اپوزیشن برائے اپوزیشن

نہیں ہو گی۔ اب ہمارے بھائی جو وصی ظفر صاحب ہیں انہوں نے اپنی تحریک استحقاق پر آؤٹ آف ٹرن کے لیے اصرار کیا حالانکہ میں سمجھتا تھا کہ ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا تو اس سلسلہ میں ہمیشہ جو صحیح، جائز اور انصاف کے تقاضے پورے کرنے والی ان کی تحریک استحقاق ہو گی۔ میں اس پر آن دی فلور آف دی ہاؤس آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس میں ہم سب برابر ہیں اورہم سب کی عزت ایک ہے اور اس میں کبھی مجھے یہ پیچھے نہیں پائیں گے۔ شکریہ۔ (نعرہ ہائے تحسین)

جناب سلمان تاثیر : Point of Personal Explanation جناب سپیکر! یہ سردار صاحب ویسے احسان تو جتاتے ہیں کہ ہماری تحریک استحقاق انہوں نے آؤٹ آف ٹرن لی ہے لیکن بات یہ ہے کہ ایک طرف تو حکومت ہمیں گرفتار کرتی ہے اور جب ہم یہاں اٹھ کر تحریک استحقاق پیش کرتے ہیں تو وہ انہوں نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ اسی طرح ملک وزیر اعوان کے خلاف قتل کے الزامات' بوگس کیسز بنائے گئے ہیں تو جناب یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں۔ اتنی تو ہمیں اجازت دے دیں کہ ہم یہاں اسمبلی میں اٹھ کر اپنے دکھ درد بیان کریں۔

جناب سپیکر، جناب جاوید محمود گھمن صاحب ۔

(معزز رکن ہاؤس میں موجود نہیں تھے)

جناب نذر حسین کیانی صاحب

(معزز رکن ہاؤس میں موجود نہ تھے)

سید ذاکر حسین شاہ ، اب تو جناب میری باری آ گئی۔

چودھری محمد ظہیر الدین خان ، جناب سپیکر! میں ایک گزارش کرنی چاہتا ہوں ۔

جناب سپیکر، جی چودھری صاحب ۔

چودھری محمد ظہیر الدین خان ، جناب سپیکر! میں نے کل بھی یہ گزارش کی تھی اور آج پھر یہی گزارش کرتا ہوں کہ آج تحریک استحقاق کے وقفہ میں کافی غیر متعلقہ باتیں ہوئی ہیں اس طرح ہمارا کافی وقت گزر گیا ہے۔ میری ایک تحریک استحقاق ہے جس میں میرے ذاتی معاملات شامل ہیں اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی اس تحریک استحقاق کو آؤٹ آف ٹرن لے لوں۔ میری استحقاق نمبر 12 ہے۔

جناب سپیکر، چودھری صاحب اس کو دیکھ لیتے ہیں۔ اب سردست سید ذاکر حسین شاہ صاحب کی

تحریک استحقاق نمبر 10 لیتے ہیں۔

چودھری محمد ظہیر الدین خان : ٹھیک ہے۔

سید ذاکر حسین شاہ : جناب والا! میری تحریک استحقاق نمبر 9 ہے۔

جناب سپیکر: تحریک استحقاق نمبر 9 کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے اس پر آپ speech کریں گے۔ نمبر 10 ٹیک اپ کیجیے۔

سیاسی مقاصد کے لیے سرکاری افسران سے چندہ کی وصولی اور سرکاری وسائل کا غلط استعمال

سید ذاکر حسین شاہ : میں حال ہی میں وقوع پذیر ہونے والے ایک اہم اور فوری مسئلہ کو زیر بحث لانے کے لیے تحریک استحقاق پیش کرتا ہوں جو اسمبلی کی فوری دخل اندازی کا متقاضی ہے۔ معاملہ یہ ہے کہ پنجاب کے وزیر مواصلات و تعمیرات نے قرارداد پاکستان کی گولڈن جوبلی کی تقریبات کے لیے محکمہ شاہرات اور تعمیرات کے افسروں سے عطیات وصول کرنے کے احکامات جاری کیے ہیں جن کے مطابق ایگزیکٹو انجینئر کو بارہ ہزار روپے، ایس۔ڈی۔او کو تین ہزار روپے اور ٹھیکیدار کو ایک ہزار روپے اور اوورسیرز کو ایک ہزار روپے کا عطیہ دینا ہوگا۔ اس مقصد کے لیے افسروں کو پاکستان مسلم لیگ کی رسید بکیں بھی جاری کر دی گئی ہیں۔ ایک ایس۔ڈی۔او نے اس پر احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ اسے تو تین ہزار روپے تنخواہ ملتی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو ساری تنخواہ ہی عطیہ میں دینا پڑے گی۔ یہ بڑی افسوس ناک صورت حال سامنے آئی ہے۔ قرارداد پاکستان کی گولڈن جوبلی منانا بڑی خوش آئند بات ہے۔ مسلم لیگ کو گولڈن جوبلی منانے کا حق حاصل ہے۔ یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ لیکن اس کے اخراجات اس کو خود ہی برداشت کرنے چاہییں۔ اخراجات پورے کرنے کے لیے سرکاری افسروں سے ان کی رضامندی کے بغیر زبردستی عطیات وصول کرنا حکومت کی مشینری اور اختیارات کا غلط استعمال ہے۔ اس سے قبل بھی مسلم لیگ یا آئی۔جے۔آئی کے زیر اہتمام جو جلسے ہوئے ہیں ان کے متعلق یہ شکایات بڑی عام تھیں کہ حکومت پنجاب نے جلسوں کو کامیاب بنانے کے لیے سرکاری وسائل کو استعمال کیا۔ حکومت پنجاب کی طرف سے سیاسی جلسوں کے لیے سرکاری وسائل کا استعمال، سرکاری افسروں سے بالجبر عطیات کی وصولی، سرکاری افسروں کو سیاست میں ملوث کرنا، آئین و قانون

کے منافی ہے اور اس غیر آئینی اور غیر قانونی اقدام سے نہ صرف میرا بلکہ پورے ایوان کا استحقاق مجروح ہوا ہے۔ میری تحریک استحقاق کو استحقاق کمیٹی کے سپرد کیا جائے۔

جناب سپیکر، شاہ صاحب! آپ کی یہ تحریک استحقاق self-explanatory ہے اس میں کافی وضاحت سے لکھا گیا ہے میرے خیال میں اس پر شارٹ سٹیٹمنٹ کی ضرورت نہیں۔

سید ذاکر حسین شاہ ، ٹھیک ہے جناب۔

جناب سپیکر، شکریہ۔ شاہ صاحب کو میں نے یہ تحریک استحقاق پڑھنے کے لیے کہا ہے اور انہوں نے پڑھ دی ہے۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ prima facie یہ کسی بھی لحاظ سے breach of privilege نہیں۔ کسی بھی معزز رکن کا نہ ہی اس ایوان کا اور نہ ہی کسی کمیٹی کا اس لیے میں اسے آؤٹ آف آرڈر قرار دیتا ہوں۔ دیوان سید عاشق حسین بخاری صاحب۔ میں نے آپ کا نام پکارا ہے لیکن میں اس تحریک استحقاق کو take up کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس میں sectarian معاملات involve ہیں اور بہت حساس ہیں۔ آج کل ان پر بحث نہیں ہونی چاہیے۔

دیوان سید عاشق حسین بخاری : ٹھیک ہے جناب جس طرح آپ مناسب سمجھیں۔

جناب سپیکر، شکریہ۔ چودھری محمد ظہیر الدین خان صاحب۔

سٹی مجسٹریٹ کی طرف سے رکن اسمبلی کی ویگن کو غیر قانونی تحویل میں لینا

چودھری محمد ظہیر الدین خان ، میں حال ہی میں وقوع پذیر ہونے والی ایک اہم اور فوری مسئلہ کو زیر بحث لانے کے لیے تحریک استحقاق پیش کرتا ہوں جو اسمبلی کی فوری دخل اندازی کا متقاضی ہے۔ معاملہ یہ ہے کہ میں جی-ٹی-ایس کے عقب میں واقع 8 ریلوے روڈ پر رہائش پذیر ہوں اور میری رہائش گاہ سے ملحقہ اراضی پر سنی فلائنگ کوچ کے نام سے ایک اسٹینڈ قائم ہے اور یہ ویگن اسٹینڈ میری نجی زمین پر قائم ہے اور جو میری ملکیت ہے۔ 23 مارچ 1990ء کو جب کہ میں اپنے گھر میں موجود تھا متذکرہ اڈا پر ایک ویگن کھڑی تھی جس کو کہ اس کا ڈرائیور لاک کر کے چائے پینے گیا ہوا تھا کہ تقریباً 10 بجے صبح سٹی مجسٹریٹ فیصل آباد عبدالغفور ورک پولیس کی بھاری نفری کے ہمراہ مذکورہ اسٹینڈ پر آیا اور اس نے پولیس اہل کاروں کو حکم دیا کہ وہ اسٹینڈ میں موجود متذکرہ ویگن کو قبضہ میں لے کر میرے ہم راہ پولیس لائن لے کر آئیں۔ پولیس نے اڈا میں ادھر ادھر سے ویگن کے ڈرائیور کو تلاش کیا مگر جب وہ

نہ ملا تو مجسٹریٹ مذکور نے پولیس کو حکم دیا کہ وہ تالا توڑ دیں۔

چنانچہ پولیس نے مجسٹریٹ کے حکم پر تالا توڑ کر ویگن کا دروازہ کھول دیا۔ اور ایک پولیس اہل کار ویگن کی ڈرائیور سیٹ پر مجسٹریٹ مذکور کی نگرانی میں بیٹھ گیا۔ اس دوران میرے ایک ملازم نے مجھے آ کر میرے گھر میں اس واقع کی اطلاع دی چنانچہ میں فوراً اپنی رہائش گاہ سے ویگن اسٹینڈ پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک پولیس کا سپاہی ویگن میں بیٹھا ویگن کو اسٹارٹ کر رہا ہے جبکہ ویگن کے باہر ایک شخص سادہ کپڑوں میں ملبوس اور دیگر کئی پولیس والے باوردی کھڑے تھے۔ میں ان کے قریب پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ سادہ کپڑوں والا شخص سٹی مجسٹریٹ عبدالغفور ورک ہے۔ میں نے سٹی مجسٹریٹ کی موجودگی میں پولیس اہلکار سے جو کہ ویگن اسٹارٹ کر رہا تھا پوچھا کہ وہ کیوں ویگن کو اسٹارٹ کر رہا ہے اور ویگن کا تالا کیوں توڑا ہے تو اس نے مجسٹریٹ مذکور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے حکم دیا ہے۔ چنانچہ میں نے سٹی مجسٹریٹ مذکور کو اپنا تعارف کروایا اور انہیں بتایا کہ میں رکن صوبائی اسمبلی ہوں اور یہ کارروائی آپ کس قانون و ضابطے اور قاعدے کے تحت کر رہے ہیں۔ میرے اس استفسار پر مجسٹریٹ مذکور نے کہا کہ "ڈپٹی کمشنر کا مجھے حکم ہے کہ تمام ویگنیں پولیس کے قبضہ میں دلواؤں"۔ میں نے مجسٹریٹ مذکور سے کہا کہ "اگر اس سلسلہ میں ان کے پاس کوئی وارنٹ یا ڈپٹی کمشنر کا کوئی حکم ہے تو بصد شوق ویگن کو اپنے قبضہ میں لے لیں۔ میرے اس استدلال پر مجسٹریٹ مذکور برہم ہو گئے اور طیش میں آ کر کہا کہ آپ بے شک رکن صوبائی اسمبلی ہیں لیکن میں سٹی مجسٹریٹ ہوں اور ڈپٹی کمشنر اس ضلع کے حاکم ہیں اور حاکم جب کوئی ڈیوٹی اپنے اہل کار کی لگاتا ہے تو اہل کار حاکم سے حکم تحریری طلب نہیں کرتے بلکہ ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ ہر ایک پر لاگو ہوتا ہے۔ میں نے بارہا مجسٹریٹ صاحب مذکور کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ بے شک ڈپٹی کمشنر بااختیار آفسر ہیں لیکن میں بطور رکن صوبائی اسمبلی ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ ویگن تحویل میں لینے کے لیے واضح اور تحریری حکم / وارنٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرے اس موقف پر سٹی مجسٹریٹ مذکور مزید برہم ہو کر مجھے سنگین نتائج کی دھمکیاں دینے لگے اور میرے ملازموں کی موجودگی میں یہ کہا کہ جلد ہی وہ اس بات کا مزہ چکھا دیں گے "کہ میرے اور ڈپٹی کمشنر صاحب کی موجودگی میں یہ اسٹینڈ کیسے چلائیں گے؛ اور یہ بھی دھمکی دی کہ دیکھیں گے کہ تم جو بڑے صوبائی اسمبلی کے رکن بنے

پھرتے ہو تمہیں تمہاری حیثیت جلد جتا دی جائے گی۔"

جناب سپیکر! قانون اور آئین کے تحت ہر شہری کو رائج الوقت قوانین کے مطابق اپنا کاروبار کرنے، اسے چلانے کے لیے حق حاصل ہے اور کوئی بھی سرکاری آفسر/ پبلک سرونٹ بغیر کسی جواز کے کسی بھی شہری کے قانونی کاروبار چلانے کے بنیادی حقوق کو سلب نہیں کر سکتا۔ مجسٹریٹ مذکور کا متذکرہ فعل میرے اس بنیادی حقوق کو سلب کرنے کے مترادف ہے اور مجسٹریٹ مذکور نے مجھے بغیر کسی قانونی و اخلاقی جواز کے دھمکیاں دیں۔ بغیر وارنٹ کے ویگن کا تالا کھلوایا۔ اس طرح اس نے نہ صرف میرے استحقاق کی پامالی کی ہے بلکہ پورے ایوان کی بھی توہین کی ہے۔

اس لیے جناب سپیکر! میں استدعا کرتا ہوں کہ اس تحریک استحقاق کو باضابطہ قرار دیا جائے اور اسے مجلس برائے استحقاقات کو بالغرض رپورٹ سپرد کرنے کے لیے حوالے کیا جائے اور اسے معزز ایوان میں استحقاق کمیٹی کو رپورٹ پیش کرنے کی ہدایت کی جائے۔

جناب وزیر قانون اس پر کچھ ارشاد فرمائیں گے؟

چودھری محمد ظہیر الدین خان ، جناب والا! اگر اجازت ہو تو میں اس پر کچھ شارٹ سٹیٹمنٹ دے دوں۔

جناب سپیکر، چودھری صاحب آپ کی تحریک استحقاق خود اتنی بڑی سٹیٹمنٹ ہے کہ اس پر کسی اور شارٹ سٹیٹمنٹ کی کیا ضرورت ہے؟

وزیر قانون ، جناب والا! سٹی مجسٹریٹ عبدالغفور ورک کی جانب سے اس تحریک کے بارے میں بڑا تفصیلی جواب آیا ہے وہ میں پڑھ دیتا ہوں ۔ 23 مارچ 1990ء کو لوگ کاروں ویگنوں اور بسوں میں لاہور قرار داد پاکستان کی گولڈن جوبلی تقریبات۔۔۔۔۔۔

نوابزادہ غضنفر علی گل ، پوائنٹ آف آرڈر ۔ جناب والا! وزیر قانون نے تحریک استحقاق کی مخالفت کرنی ہے on the admissibility اس ایوان میں یہ سٹی مجسٹریٹ عبدالغفور ورک کا جو بیان اور جواب آیا ہے اس کو یہ پڑھ کر نہیں سنا سکتے۔ کیونکہ یہ معاملہ تو کمیٹی میں زیر بحث آنا ہے۔ لہذا آپ سے یہ گزارش ہے کہ وزیر قانون سے یہ کہیں کہ admissibility پر بات کریں مجسٹریٹ کا جواب پڑھ کر نہ سنائیں۔

چودھری محمد ظہیر الدین خان ، جناب والا! میری یہ گزارش ہے کہ میری تحریک استحقاق کو اس ضمن میں نہ لیا جائے جس طرح شاہ صاحب نے پہلے فرمایا تھا یا عام طور پر بسوں یا ویگنوں کو پکڑنے کا تصور ہے۔ میری تحریک استحقاق کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ یقین کیجیے اور میں حلفاً یہ گزارش کرتا ہوں کہ مجھے یہ الفاظ مجسٹریٹ نے کہے ہیں کہ میں دیکھوں گا کہ تم اپنا ٹرانسپورٹ کا کاروبار کیسے جاری رکھتے ہو اور میں یہ بھی گزارش کرتا ہوں کہ میں اس مسئلے کو سیاسی ضمن میں نہیں لانا چاہتا کہ 20 تاریخ کو یا 22 تاریخ کو ویگنیں پکڑی گئیں یا بسیں پکڑی گئیں یہ اس سے قطعی طور پر مختلف ہے ۔ میرا ایسا مزاج ہی نہیں کہ میں اس قسم کی باتیں کروں۔ اس مجسٹریٹ نے مجھے جانتے ہوئے بھی یہ بات کہی ہے۔ اگر آج میرے ساتھ ایسا ہو سکتا ہے تو کل کسی اور کے ساتھ بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ مجسٹریٹ کے لکھنے کا آپ کیا کہتے ہیں۔ میں جس وقت وہاں کھڑا تھا رانا آفتاب صاحب ایم۔پی۔اے میرے پیچھے کھڑے تھے۔ کیونکہ اس روز 23 مارچ کو ہم نے لاہور جانے کے لیے پروگرام بنایا تھا۔ میں اس معزز ایوان میں حلفاً کوئی غلط بات نہیں کہہ سکتا۔ آپ رانا صاحب سے بھی پوچھ سکتے ہیں۔ مجسٹریٹ تو یہی جواب دے گا وہ کیسے کہے گا کہ میں نے رکن اسمبلی کی توہین کی ہے۔ جناب والا! وہ کیسے مان سکتا ہے۔

جناب سپیکر، چودھری صاحب شکریہ۔ میں لاء منسٹر صاحب کو اس پر point of view پیش کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔ رانا صاحب ذرا تشریف رکھیے گا۔ لاء منسٹر اپنا point of view پیش کریں گے۔

وزیر قانون ، جناب والا! جس بنیاد پر ہمارے بھائی نے یہ تحریک استحقاق پیش کی ہے ان واقعات کے بارے میں جو حکومت کو رپورٹ ملی ہے اس کی پوزیشن یہ ہے کہ 23 مارچ کو گھمٹی چوک سے لے کر ریلوے اسٹیشن چوک تک اس مجسٹریٹ کی ڈیوٹی تھی۔ اس کو دن کے گیارہ بجے یہ اطلاع ملی کہ ایک ویگن ڈرائیور سڑک کے درمیان ویگن کھڑی کیے ہوئے ہے اور ٹریفک جام ہو گئی ہے تو یہ مجسٹریٹ وہاں موقع پر پہنچے اور انہوں نے اس ویگن ڈرائیور کو درخواست کی کہ سڑک کے درمیان ویگن کھڑی کرنے کے نتیجے میں ساری ٹریفک بلاک ہو گئی ہے اور آپ مہربانی کر کے ویگن ہٹائیں۔ اس پر ان کی اور ویگن ڈرائیور کے ساتھ کافی تلخ کلامی ہوئی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے نائب کو کہا کہ اس ویگن کو ہٹاؤ۔ تو ویگن ڈرائیور نے ویگن ہٹانے کی بجائے نائب کورٹ کو ویگن کے نیچے دینے اور اسے کچلنے کی

کوشش کی اور ویگن لے کر چلا گیا۔ اس کے بعد جناب والا! چونکہ یہ سارا واقعہ مجسٹریٹ کی موجودگی میں ہوا تھا اس نے اس ویگن کو follow کیا اور اڈے پر پہنچا وہ ویگن ڈرائیور کا اتہ پتہ معلوم کر آئے تھے کہ چودھری ظہیر الدین خان صاحب ایم۔پی۔اے وہاں پر پہنچے ۔ چودھری صاحب فیصل آباد کی قابل احترام ہستی ہیں اور مجسٹریٹ نے یہ کہا ہے کہ میں ان کو ذاتی طور پہ جانتا ہوں۔۔۔۔۔۔

جناب سپیکر، وینس صاحب میرے خیال میں لاء منسٹر صاحب کو اپنی بات ختم کرنے دی جائے۔

چودھری علی اکبر مظہر وینس ، جناب والا! میں گزارش کرنا چاہوں گا کہ جناب شاہنواز چیمہ کو ہدایت کی جائے کہ وہ اپنی سیٹ پر بیٹھیں اور جناب منظور موہل کو تنگ نہ کریں۔ اس سے ماحول خراب ہو گا اور پھر وہ کوئی نہ کوئی ایسی بات کریں گے۔ انہیں ہدایت کی جائے کہ یہ یہاں ان کے پیچھے آ کر انہیں تنگ نہ کیا کریں۔

میاں منظور احمد موہل ، عرض یہ ہے کہ چیمہ صاحب جاتے ہیں اور فوٹوگرافروں کو یہاں پر بلا لاتے ہیں اور میرے کبھی کان میں ہاتھ لگاتے ہیں او رکبھی یہ سپیکر کان میں دیتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ یہ فوٹو لیا جائے۔ ایسے لوگ میرے خیال میں اس اسمبلی میں آ کر اس اسمبلی کے وقار کو مجروح کر رہے ہیں کیونکہ یہاں پر ہمیں ایک ممبر کی حیثیت سے بیٹھنا چاہیے۔ یہ ہر وقت ایسا کرتے ہیں اور میں فوٹو گرافر حضرات سے بھی عرض کروں گا کہ وہ ایسا کوئی فوٹو کھینچنے کی کوشش نہ کیا کریں جبکہ کوئی ایک شرارت آمیز رؤیہ اختیار کیے ہوئے ہو۔ میں تو بڑے صبر سے کام لیتا ہوں۔ میرے فاضل بھائی نے یہ ایک بات کی مجھے یہ بھی خطرہ ہے کہ ان باتوں کو اخبار والے چوکھٹی لگا دیں یہ کوئی تعمیری بات نہیں لگاتے۔

رانا پھول محمد خان (وزیر امداد باہمی) ، بات یہ ہے کہ چیمہ صاحب ۔ موہل صاحب کی منت کرنے کے لیے آئے تھے کہ خدا کے لیے ہمیں اپنے ساتھ ملا لو۔ یہ کوئی برائی نہیں دو بھائیوں میں اتحاد ہونا کوئی بری بات نہیں۔

جناب سپیکر، آرڈر پلیز ۔۔ ڈار صاحب تشریف رکھیے۔ وینس صاحب تشریف رکھیے آپ کا پوائنٹ آف آرڈر ہو گیا اور وہ جائز ہے لیکن میں یہ کہوں گا کہ شاہ نواز چیمہ صاحب معصوم شرارت کرتے ہیں کوئی ایسی بات نہیں۔

چودھری محمد شاہ نواز چیمہ ، میں ہاؤس کے سامنے دیانت داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں جو کچھ بھی کرتا ہوں موہل صاحب کی ایماء سے کرتا ہوں اگر یہ اس میں شامل نہیں ہیں تو یہ حلفاً کہہ دیں۔

میاں منظور احمد موہل ، آپ ہر وقت اس بات پر لگے رہتے ہیں جب کوئی سو دفعہ بھی کہے کہ مجھے فوٹو کھنچوانا ہے فوٹو کھنچوانا ہے تو میں کیا کروں۔ جب ایک آدمی سو دفعہ کہے تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی میں حلفاً کہتا ہوں کہ یہ ایسی بات ہے وہ کہتے ہیں کہ فوٹو لگا دیئے دیں۔ تو اب میں کیا کروں؟ میں قطعاً نہیں چاہتا میں نے فوٹو گرافروں کو بھی روکا ہے کہ خدا کے لیے آپ ایسا فوٹو کھینچنے کی کوشش نہ کریں یہ اسمبلی ہے۔

جناب سپیکر، آرڈر پلیز ۔ لاء منسٹر صاحب اپنا مؤقف پیش کریں گے۔

وزیر قانون ، جناب والا! تو اس مجسٹریٹ صاحب نے اپنے بیان میں یہ کہا ہے کہ چودھری ظہیر الدین خان صاحب ایم۔پی۔اے وہاں پہنچے وہ فیصل آباد کی قابل احترام ہستی ہیں میں ان کو ذاتی طور پر اچھی طرح سے جانتا ہوں چودھری ظہیر الدین صاحب چناب کلب کے ممبر اور ٹینس کے کھلاڑی ہیں میں بھی چناب کلب کا ممبر ہوں اور بیڈمنٹن کھیلتا ہوں ہم اکثر آپس میں کلب میں ملتے رہتے ہیں اس لیے تعارف کروانے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ بہرحال چودھری صاحب نے آتے ہی یہ فرمایا کہ آپ ہمارے اڈے میں کس طرح سے آئے ہیں۔ ڈرائیور اور گاڑی دونوں موجود ہیں اور آپ کیا کارروائی کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس پر میں نے چودھری صاحب کی خدمت میں وہ سارا واقعہ عرض کیا کہ نہ تو ہم ویگن لینے آئے ہیں اور نہ ہی کسی کو بے عزت کرنا مقصود ہے کیونکہ ویگن ڈرائیور نے بلاوجہ ویگن کو سڑک کے درمیان کھڑی کر کے لوگوں کو پریشان کیا تھا اور نائب کورٹ کو کچلنے کی کوشش کی تھی لہذا صرف ڈرائیور کو سمجھانا ہی مقصود تھا۔ چونکہ میں چودھری صاحب کے منصب کو بخوبی سمجھتا ہوں اس لیے ان کی مداخلت کو کافی سمجھتے ہوئے ڈرائیور کی تلاش ختم کر دی۔ جب میں وہاں سے واپس روانہ ہونے لگا تو چودھری ظہیر الدین نے مجھے چائے کی دعوت دی جو کہ میں نے بخوشی قبول کر لی اور ہم چودھری ظہیر الدین کے ہم راہ ان کی کوٹھی پر پہنچے اور ان کے ڈرائینگ روم میں بیٹھ کر پرتکلف چائے نوش کی اور پھر چودھری ظہیر الدین نے ہمیں اپنی کوٹھی کے گیٹ تک آ کر بخوشی رخصت کیا۔ میں ایک سینئر سرکاری ملازم ہوں ہر کام کے قانونی اور اخلاقی جواز کو سمجھتا ہوں۔ شہریوں کے

کی پاس داری مجھے عزیز ہے۔ ممبر موصوف کی تعظیم اور احترام اور ان کے اعلیٰ منصب کے استحقاق
ی طرح سمجھتا ہوں۔ ان کو کسی قسم کی دھمکی دینا تو کجا ان کے استحقاق کی پامالی کا تصور بھی
ر سکتا۔ بایں ہمہ اگر میرے کسی قول و فعل سے چودھری صاحب کی دل آزاری ہوئی ہے تو میں
ے معذرت خواہ ہوں۔۔۔ جناب والا! یہ وضاحت تفصیل سے کر دی گئی ہے اس سلسلہ میں میں یہ
ش کرنا چاہوں گا کہ اگر اس کے باوجود بھی چودھری ظہیر الدین مطمئن نہیں ہوتے ہیں تو
ے بھائی میں اس مجسٹریٹ صاحب کو بھی بلا لوں گا تو ہم مزید اس بارے میں آپس میں کوئی بات
کر لیں گے۔ اگر چودھری ظہیر الدین مطمئن نہیں ہوئے تو بے شک پھر آپ اس معاملے کو
ب کر لیں پھر اس پہ غور و خوض کر لیں گے جیسے آپ حکم دیں گے ہم کر لیں گے۔

، سپیکر، چودھری صاحب! اس میں تجویز یہ ہے کہ یہ تحریک استحقاق کو اس وقت پینڈ نگ کر لیا
اسے dispose of نہ کیا جائے اور لاء منسٹر صاحب اس مجسٹریٹ کو یہاں پر بلا لیں اور یہاں آپ
جودگی میں ان سے بات کی جائے اور اس مسئلے کو مناسب باعزت طریقے سے resolve کیا جائے۔
ہ resolve نہ ہو تو پھر آپ کی تحریک استحقاق کو ٹیک اپ کر لیا جائے گا۔

ری محمد ظہیر الدین خان ، جناب والا! میں چند ایک الفاظ گزارش کرنا چاہتا ہوں ۔ میرا مقصد
میری کوئی ذاتی انا کا نہیں مسئلہ صرف یہ ہے کہ ریکارڈ پہ یہ بات رہے کہ ایک اسمبلی کا ممبر چاہے
لر اس کا کچھ بھی نام ہو۔ اگر اس کا کاروبار بھی محفوظ نہیں۔ اس کے احتساب کے لیے یہ میں نے
ہے۔ سب لوگوں پر یہ لاگو ہوتا ہے۔ اگر آج ایک مجسٹریٹ مجھے کہہ سکتا ہے کل کو کسی کو بھی
تا ہے جو اپنی وزارت کے منصب سے دوبارہ ایم۔پی۔اے کے منصب پر آجائے گا۔ میری گزارش
ہے کہ یہ کمیٹی کے پاس جائے لیکن اگر آپ چاہتے ہیں تو میں آپ کے منصب کا احترام کرتے
، اس کو قبول کرتا ہوں۔

تحاریک التوائے کار

، سپیکر، چودھری صاحب یہ مناسب بات ہے کہ سر دست اس کو پینڈ نگ کر دیتے ہیں اور اس
کو resolve کرتے ہیں اگر resolve نہ ہوا۔ آپ کے حسب منشا تو پھر اس کو ٹیک اپ کریں
تو یہ تحاریک استحقاق کا وقت اب ختم ہوتا ہے اور ایک تحریک التوائے کار کو ٹیک اپ کرنا ہے

جس پہ دونوں پارٹیاں متفق ہیں۔ یہ تحریک التوائے کار کس نے پیش کرنی ہے۔ جناب اعظم چیمہ صاحب پوائنٹ آف آرڈر پہ بات کرنا چاہتے ہیں۔

چودھری محمد اعظم چیمہ ، جناب والا! ایک تحریک التوائے کار میں نے مہنگائی اور موجودہ کھاد اور تیل کے ریٹس بڑھنے کے بارے میں پیش کی ہے اس کے بارے میں میری یہ استدعا ہے کہ یہ بڑی ہی اہمیت کی حامل ہے جس کا تعلق عوام اور زمینداروں سے ہے۔ اس کو آؤٹ آف ٹرن لیا جائے۔ دوسرا میں نے یہ عرض کرنی ہے کہ آج ہمارا ایوان زراعت کا اجلاس ہے میں نے وہاں بھی جانا ہے اور یہ سب کا مسئلہ ہے اور انشاء اللہ سب کو اس پر اتفاق ہو گا۔ جناب والا! اسے پڑھنے کی اجازت دی جائے۔

جناب سپیکر، چیمہ صاحب شکریہ! اس پر دونوں فریقین متفق ہیں کہ تحاریک التوائے کار کو ٹیک اپ کیا جائے گا اور میں اس کی اجازت دیتا ہوں۔ میاں منظور احمد موہل صاحب اس تحریک التوائے کار کو ٹیک اپ کریں گے۔۔۔۔

جناب سپیکر، ڈاکٹر بنگش پوائنٹ آف آرڈر پر ہیں۔

ڈاکٹر ضیاء اللہ خان بنگش ، جناب والا! میں کسی وجہ سے تھوڑا سا لیٹ آیا ہوں میری ایک تحریک استحقاق نمبر 4 پینڈنگ کر دی جائے وہ میں کل ٹیک اپ کر لوں گا۔

جناب سپیکر، جی وہ dispose of ہو گئی۔

ڈاکٹر ضیاء اللہ خان بنگش ، سر اسے پینڈنگ کر دیا جائے۔

جناب سپیکر، افسوس کہ اب یہ ٹیک اپ نہیں ہو سکتی۔۔۔جی میاں منظور احمد موہل صاحب۔

جناب منظور احمد موہل ، میں یہ تحریک پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔

چودھری محمد وصی ظفر ، لاء منسٹر صاحب نے اتفاق کیا ہے۔۔۔۔

جناب سپیکر، چیمہ صاحب شکریہ۔ اس پر دونوں فریق متفق ہیں کہ اس تحریک التوا کو take up کیا جائے گا۔ میں اس کی اجازت دیتا ہوں۔ میاں منظور احمد موہل صاحب اس تحریک التوا کو پیش کریں گے۔

ڈاکٹر ضیاء اللہ خان بنگش ، پوائنٹ آف آرڈر ۔ جناب سپیکر! میں کسی وجہ سے ایون میں کچھ لیٹ

ہوں۔ میری تحریک استحقاق جس کا نمبر 4 ہے وہ پینڈ نگ کر دی جائے۔ اسے کل لے لیا جائے۔

اب سپیکر: وہ dispose of ہو گئی ہے۔

کٹر ضیاء اللہ خان بنگش: جناب والا! میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ اسے پینڈ نگ کر دیجیے۔

اب سپیکر: مجھے افسوس ہے ڈاکٹر بنگش صاحب اب یہ نہیں ہو سکتی۔

کٹر ضیاء اللہ خان بنگش: اسے پینڈ نگ کر دیجیے میں اسے کل لے لوں گا۔

اب سپیکر: میاں منظور احمد موہل صاحب ۔

دھری محمد وصی ظفر: وزیر صاحب نے اتفاق کیا ہے ۔ سلمان تاثیر صاحب کی تحریک کو پانچ ٹ لگیں گے۔ انہوں نے اتفاق کیا ہے کہ یہ بھی پڑھ لیں۔

اب سپیکر: میں ان کو پہلے تحریک التوا پیش کرنے کی اجازت دے چکا ہوں۔ اس کے بعد سلمان ثیر صاحب کی تحریک التوا کی کاپی مجھے بھجوائیں میں اس پر ایوان کی رائے لوں گا۔ وزیر قانون کی ں رائے لوں گا۔

مر کزی حکومت کی طرف سے کھاد' پٹرول' ڈیزل اور مٹی کے تیل کی قیمتوں میں اضافہ

یاں منظور احمد موہل: جناب والا! میں یہ تحریک پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ اہمیت عامہ کھنے والے ایک اہم اور فوری مسئلے کو زیر بحث لانے کے لیے اسمبلی کی کارروائی ملتوی کی جائے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مرکزی حکومت نے کھاد' پٹرول' ڈیزل اور مٹی کے تیل کی قیمت بڑھا دی ہے۔ عوام کے رد ں پر ڈیزل اورمٹی کے تیل کی قیمت 50 فیصد کم کر دی ہے۔ جبکہ کھاد اور پٹرول میں کمی نہ کی ہے ںصوبہ کے عوام پہلے ہی گرانی اورمہنگائی کی چکی میں پستے جا رہے ہیں۔ وفاقی حکومت نے جلتی پر تیل کام کیا اور مزید قیمتیں بلا کسی جواز کے بڑھا دیں۔ جس سے تمام ملک کے عوام بالعموم اور صوبہ باب کے عوام بالخصوص مضطرب اور بے چین ہیں۔ ان اشیاء کی قیمتوں کے بڑھنے سے باقی اشیاء کی تیں بڑھیں گی جس سے عوام مزید پریشان ہوں گے۔ وفاقی حکومت کی ناعاقبت مندانہ پالیسی نے ریب عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے حالانکہ پی۔پی۔پی جس کی وفاقی حکومت ہے غریب عوام کی قوت ے بل بوتے پر کامیاب ہوئی تھی اور ان سے وعدہ تھا کہ ان کے مسائل ختم کرے گی۔ غریب ختم

کرنے کی بجائے غریبوں کو قیمتیں بڑھا کر ختم کیا جا رہا ہے۔ اور اس صوبہ پنجاب کو خصوصاً پھر سے ذبح کیا جا رہا ہے۔ لہذا میری تحریک کو admit فرما کر اس پر بحث کی اجازت دی جائے۔

(قطع کلامیاں)

جناب سپیکر، آرڈر۔ آرڈر۔

سید ذاکر حسین شاہ، پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب والا! قیمتیں بڑھانے کا اعلان وفاقی حکومت کی طرف سے کیا گیا ہے۔ قومی اسمبلی میں اپوزیشن نے اس قسم کی کئی متعدد تحاریک التوا پیش کی ہیں لہذا ایک معاملہ جو قومی اسمبلی میں پیش ہے اور وہ پورے پاکستان سے تعلق رکھتا ہے اور وہ وہاں معاملہ زیر بحث ہے یہ اس کے اختیار میں نہیں۔ اس کے دائرہ کار میں نہیں آتا۔ قومی اسمبلی میں پورے پاکستان کا معاملہ زیر غور ہے۔ وہاں جو ان کی اپوزیشن ہے انہوں نے کئی تحاریک وہاں پیش کی ہوئی ہیں۔ اس لیے اس کو ایک صوبہ تک محدود کرنا اس کا مطلب ہے کہ وفاق کے خلاف محاذ آرائی بڑھانے کا ایک اور ذریعہ ہے۔ جناب والا! میں آپ سے استدعا کرتا ہوں اس تحریک التوا کو جو پہلے ہی out of turn لی گئی ہے۔ جو آپ کی مرضی ہوتی ہے۔ وہی کرتے ہیں۔ out of turn لے لیتے ہیں۔ جو ہماری جائز آزادی صحافت کے بارے میں ہوتی ہے اس کو کہتے ہیں کہ dispose of ہو گئی ہے۔ پہلے بھی آپ نے غیر قانونی طور پر میری تحریک استحقاق جس کا نمبر 9 تھا کو مسترد کیا۔ حالانکہ ہاؤس نے out of turn پیش کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ لیکن ہاؤس نے یہ کب اجازت دی تھی کہ اس کو take up ہی نہ کیا جائے۔ یہ بالکل خلاف ضابطہ ہے۔ اس تحریک التوا کو out of turn پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ قومی اسمبلی میں جا کر یہ اپنا نقطہ نظر پیش کر رہے ہیں ان کے وہاں لیڈر موجود ہیں۔ لہذا جناب والا! اس تحریک التوائے کار کو مسترد کیا جائے۔

جناب سپیکر، آپ کا یہ پوائنٹ آف آرڈر میں مسترد کرتا ہوں۔ اس بارے میں اگر کوئی غیر قانونی حرکت کی ہے وہ لیڈر آف دی اپوزیشن اور وزیر قانون نے کی ہے۔ آپ اپنے لیڈر آف دی اپوزیشن کو کہہ دیجیے۔ مجھے آپ کہتے ہیں کہ اس غیر قانونی حرکت کو آپ take up کر رہے ہیں۔ یہ متفقہ ایک فارمولے کے تحت اس کو take up کیا جا رہا ہے۔

چودھری محمد وصی ظفر، جناب متفقہ فارمولے کے تحت نہیں آئی ہے۔ جناب نے کل کہا تھا کہ

گورنمنٹ یہ اپنے بزنس میں دے دے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ گورنمنٹ اپنے بزنس میں نہیں دے سکتی۔ جناب نے وزیر قانون کو تجویز کیا تھا کہ آپ اس طرح تحریک استحقاق لے آئیں۔ انہوں نے کہا ہم لے آئیں گے۔ یہ نہ ہم نے مضمون دیکھا۔ نہ ہم نے اتفاق کیا۔

جناب سپیکر، اس سے آپ کا اتفاق تھا یا اختلاف تھا۔

چودھری محمد وصی ظفر ، جناب والا! ان کی majority ہے۔ جو چاہیں مرضی کریں۔ ہم میں اتفاق تھا نہ اختلاف تھا۔ ان کی majority ہے وہ رات کو دن اور دن کو رات کر سکتے ہیں۔ آپ نے وزیر قانون کو تجویز کیا اور وہ لے آئے ہیں۔ ہمارا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں لیکن فلور پہ ہم اس کا مقابلہ کریں گے ہم اس کا فلور پہ جواب دیں گے۔

جناب سپیکر، اس پہ آپ کا اتفاق تھا۔ فلور پہ ضرور جواب دیجیے گا لیکن اس کو take up کرنے کے لیے آپ کا اتفاق تھا۔

NAWABZADA GHAZANFAR ALI GUL: Sir, I am on a point of order. I want to bring it on record whether it was agreed upon or not, that is besides the point, this adjournment motion is technically not admissible, because this is a federal issue and is being discussed at the moment in the National Assembly through an adjournment motion. This should be recorded with reservation that this adjournment motion technically is in admissible in this House.

جناب سپیکر، آپ تشریف رکھیں۔ (قطع کلامیاں)

چودھری محمد اعظم چیمہ ، پوائنٹ آف آرڈر......

جناب سپیکر، چیمہ صاحب پہلے میں ایک پوائنٹ آف آرڈر پر فیصلہ دے دوں۔

چودھری محمد اعظم چیمہ ، میرا پوائنٹ آف آرڈر اسی ضمن میں ہے۔ (قطع کلامیاں)

جناب سپیکر، آپ تشریف رکھیں۔ سلمان تاثیر صاحب آپ بھی تشریف رکھیں۔

نوابزادہ غضنفر علی گل صاحب کا پوائنٹ آف آرڈر یہ ہے کہ ٹیکنیکلی یہ تحریک التوا پنجاب

اسمبلی میں پیش نہیں ہو سکتی اس لیے یہ مسئلہ اس وقت مرکزی اسمبلی میں زیر بحث ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو مسئلہ نیشنل اسمبلی میں زیر بحث ہو وہ صوبائی اسمبلی میں زیر بحث آ سکتا ہے۔ اس لیے میں اس کو technically admissible سمجھتا ہوں۔

نوابزادہ غضنفر علی گل، {***}

جناب سپیکر، اس پر میں اپنا فیصلہ دے چکا ہوں۔(قطع کلامیاں)
نوابزادہ صاحب آپ تشریف رکھیں ۔ نوابزادہ صاحب کی رولنگ کے بارے میں comments کو کارروائی سے حذف کرتا ہوں۔ ملک شاہ محمد محسن صاحب بات کرنا چاہتے ہیں۔ (قطع کلامیاں)
نوابزادہ صاحب تشریف رکھیے گا۔ ملک شاہ محمد محسن صاحب کو میں نے بات کرنے کی اجازت دی ہے۔

MALIK SHAH MUHAMMAD MOHSAN: Sir rule 65(c) says:-

(c) The motion shall relate to a matter which is primarily the concern of Government or a statutory body under the control of Government or to a matter in which the Government have a substantial financial interest;

"Government" means Government of the Punjab.

جناب سپیکر، ملک صاحب اس پر میں اپنا فیصلہ دے چکا ہوں۔ مجھے افسوس ہے۔ یہ تحریک التوائے کار ملک احمد علی صاحب ۔ میاں محمود الرشید صاحب' چودھری محمد اعظم چیمہ صاحب اور میاں منظور احمد موہل صاحب کی طرف سے پیش کی گئی ہے۔ یہ تحریک التوائے کار میاں منظور احمد موہل صاحب نے پیش کی ہے۔ یہ سب کی طرف سے پیش کی گئی تصور ہو گی۔

نوابزادہ غضنفر علی گل، نہیں پیش ہو گی۔

جناب سپیکر، یہ آپ کی طرف سے ہے ہی نہیں۔ آپ تشریف رکھیں ۔ یہ ان سب کی طرف سے پیش کی گئی تصور ہو گی۔

نوابزادہ غضنفر علی گل، *****

***(بحکم جناب سپیکر کارروائی سے حذف کر دیا گیا) ***

جناب سپیکر: آپ بیٹھ جائیے۔ میں نوابزادہ غضنفر علی گل کے تمام الفاظ کارروائی سے حذف کرتا ہوں اور اس کے بارے میں خصوصی طور پر میں کہتا ہوں کہ جو الفاظ حذف کیے جاتے ہیں۔ ان کو رپورٹ نہیں کیا جاتا۔ کیا آپ اس تحریک التوائے کار کی اجازت دیتے ہیں؛ ایک کو پہلے dispose of کریں گے تو پھر دوسری کی بات ہو گی۔

"یہ تحریک پیش کی گئی ہے کہ اہمیت عامہ رکھنے والے ایک اہم اور فوری مسئلے کو زیر بحث لانے کے لیے اسمبلی کی کارروائی ملتوی کی جائے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مرکزی حکومت نے کھاد' پٹرول' ڈیزل اور مٹی کے تیل کی قیمت بڑھا دی ہے۔ عوام کے رد عمل پر ڈیزل اور مٹی کے تیل کی قیمت 50 فیصد کم کر دی ہے جبکہ کھاد اور پٹرول میں کمی نہ کی ہے۔ اس صوبے کے عوام پہلے ہی گرانی اور مہنگائی کی چکی میں پستے جا رہے ہیں وفاقی حکومت نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور مزید قیمتیں بلا کسی جواز کے بڑھا دیں۔ جس سے تمام ملک کے عوام بالعموم اور صوبہ پنجاب کے عوام بالخصوص مضطرب اور بے چین ہیں۔ ان اشیاء کی قیمتیں بڑھنے سے باقی اشیاء کی قیمتیں بڑھیں گی۔ جس سے عوام مزید پریشان ہوں گے۔ وفاقی حکومت کی ناعاقبت مندانہ پالیسی نے غریب عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے حالانکہ پی۔پی۔پی جس کی وفاق میں حکومت ہے غریب عوام کی قوت کے بل بوتے پر کامیاب ہوئی تھی اور ان سے وعدہ تھا کہ ان کے مسائل ختم کرے گی۔ غربت ختم کرنے کی بجائے غریبوں کو قیمتیں بڑھا کر ختم کیا جا رہا ہے اور اس صوبہ پنجاب کو خصوصاً چھرے سے ذبح کیا جا رہا ہے۔ لہذا میری تحریک کو ایڈمٹ فرما کر اس پر بحث کی اجازت دی جائے"۔

تو آج کا یہ اجلاس دس بجے شروع ہوا تھا۔ تین بجے تک تو یہ اجلاس ہو گا اور تین بجے سے آگے دو گھنٹے ہم اس کی بحث کے لیے مقرر کرتے ہیں۔ تین بجے سے لے کر پانچ بجے تک۔

چودھری محمد وصی ظفر: نہیں جناب والا! پہلے گنتی کروائیں۔ اگر کل ممبران کا 1/6 کہیں گے تو پھر بحث ہو سکے گی۔

جناب سپیکر: اس کو ایڈمٹ کرنے کے ضمن میں چودھری وصی ظفر صاحب کی بات جائز ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کو ٹیک اپ نہ کیا جائے؟

چودھری محمد وصی ظفر: جناب' گنتی کی جائے۔ اس کے حق میں 1/6 ممبران ہیں؟

چودھری محمد اعظم چیمہ، جناب والا! قانونی اور اخلاقی طور پر آپ اسے جائز قرار دیں۔ مجھے آج یہ دیکھ اور سن کر انتہائی صدمہ ہوا ہے کہ وہ پارٹی جو اپنے آپ کو غریبوں کی بڑی ہم درد ظاہر کر رہی ہے۔ لیکن آج غریبوں اور غربت ترجمانی کی بات ہوئی ہے تو انھوں نے یہ بات کی ہے۔ ہم گنتی سے نہیں ڈرتے۔ آپ گنتی کا اعلان کروائیں اور گنتی کریں۔ لیکن مجھے ان کی یہ بات سن کر افسوس ہوا ہے۔ خاص طور پر وصی ظفر صاحب جیسے انسان سے کو جو ہمیشہ چاہتے ہیں کہ ایوان کی اور قانون کی بالادستی ہو اور حق کے بارے میں باتیں کرتے رہتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنے الفاظ واپس لیں گے۔ یہ بات کر کے انھوں نے اصول اور انصاف کی دھجیاں اڑائی ہیں۔

جناب سپیکر، جو صاحبان اس کے حق میں ہیں۔ وہ اپنی نشستوں پر کھڑے ہو جائیں۔

وزیر امداد باہمی (رانا پھول محمد خان، الحاج)، یہ بات نہیں۔ جب آپ پہلے رولنگ دے چکے ہیں۔ فیصلہ دے چکے ہیں کہ یہ ایڈمٹ کی جاتی ہے۔

جناب سپیکر، رانا صاحب! جو بات کی گئی ہے وہ جائز ہے۔ اگر اعتراض ہو تو پھر اس پر ووٹنگ ہو گی۔ گنتی کی گئی۔ اس کو ایڈمٹ کرنے کے لیے 1/6 ممبران چاہییں۔ جو صاحبان کھڑے ہیں۔ ان کی تعداد 47 ہے۔ اس لیے میں اس کو admit کرتا ہوں۔ (نعرہ ہائے تحسین)

نوابزادہ غضنفر علی گل، پوائنٹ آف آرڈر۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں، ڈویژن کروائی جائے۔

وزیر امداد باہمی، پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب سپیکر! میں نہایت ادب کے ساتھ یہ گزارش کروں گا کہ اس تحریک التوائے کار کے لیے اور ایک قرارداد بھی ہے۔ آپ نے دو گھنٹے کا وقت بہت تھوڑا رکھا ہے۔ یہ صوبے کی پچاسی فی صد آبادی کی قسمت کا فیصلہ ہے۔ ان کی زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ اس پر ہم امید کرتے ہیں کہ ہم ہی نہیں، بلکہ میں یہ کہوں گا کہ ہمارے دائیں طرف بیٹھنے والے بھائی اس کو پیش کرنے کے حق میں نہ تھے۔ لیکن وہ بھی اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکیں گے۔ ان کا ضمیر انھیں جھنجھوڑے گا۔ اس لیے اس پر بحث کے لیے آپ کم از کم چھ گھنٹے کا وقت رکھیں۔ ہم سب ہی بولیں گے۔

جناب سپیکر، شکریہ رانا صاحب! اس پر سر دست دو گھنٹے کا وقت ہی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ جناب لاء منسٹر صاحب، کیا آپ نے سلمان تاثیر صاحب کی تحریک التوائے کار پر consent دی ہے کہ اس کو

ٹیک اپ کیا جائے؟ پہلے میں نواب صاحب کی بات سن لوں۔

نواب احمد بخش تھیم ، جناب والا! میری تحریک التوائے کار انتہائی اہم ہے۔ کیونکہ دیہاتی غریب بچوں سے چھ روپے فی بچہ گولڈن جوبلی کے لیے وصول کیا جا رہا ہے۔ اور ستر روپے فی ماسٹر۔

جناب سپیکر: یہ کون سے نمبر پر ہے؟

نواب احمد بخش تھیم ، تحصیل کبیر والا ضلع ساہی وال کی بات کر رہا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو میں اس خط کی فوٹو سٹیٹ کاپی بھی پیش کر سکتا ہوں۔ مہربانی فرمائیں۔ غریب بچے یہ پیسے ادا نہیں کر سکتے۔

جناب سپیکر: وینس صاحب! آپ نواب صاحب سے پوچھیے کہ یہ ہمیں تحریک التواء کی کاپی دے چکے ہیں۔ (ابھی تحریک التوائے کار کی کاپی نہیں دی تھی) جی لاء منسٹر صاحب۔

وزیر قانون ، جناب والا! اس سے پہلے کہ میں سلمان تاثیر صاحب کی تحریک التوائے کار کے بارے میں کچھ عرض کروں۔ مجھے انتہائی دکھ اور افسوس کے ساتھ یہ بات اس ایوان کی نوٹس میں بھی لانی ہے اور اور جناب والا! خود بھی اس کے عینی شاہد ہیں کہ کل جناب لیڈر آف دی اپوزیشن صاحب' وصی ظفر صاحب موجود تھے۔ میں نے یہ اصرار کیا کہ ایک دن آپ آزادی صحافت کے بارے میں رکھ لیں اور ایک دن اس ہوش ربا مہنگائی کے لیے رکھ لیں جس نے ہمارے ملک کے غریب عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ ہم منتخب نمائندے ہیں۔ اس کے بارے میں کم از کم ہم اپنا اظہار خیال کر سکیں۔ جناب والا! ہمارے اپوزیشن کے ان بھائیوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ نہیں' ہم دو دن صحافت کے بارے میں' "جنگ" کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ہم صحافت اور آزادی صحافت کا زبردست احترام کرتے ہیں۔ تو ان کی بات سے ہم نے اتفاق کیا تھا۔

وزیر قانون ، ہم نے ان کی بات سے اتفاق کیا۔

ڈاکٹر سید خاور علی شاہ ، جناب سپیکر! ایک وقت میں ایک تحریک التوائے کار laid ہوتی ہے آپ ایک تحریک التوائے کار کے لیے وقت دے چکے ہیں۔ اس لیے اس کے علاوہ کسی بھی دوسری موشن پر بحث نہیں ہو سکتی۔ ایک موشن laid ہوتی ہے اور جب یہ made ہو جائے تو اس کے بعد کوئی دوسری تحریک التوائے کار نہیں لی جا سکتی۔

جناب سپیکر، ڈاکٹر صاحب کی بات درست ہے ایک ہی تحریک التوائے کار تمام مراحل سے گزر کر وہ ایڈمٹ ہو جائے تو ایک ہی تحریک التوائے کار ایڈمٹ ہو سکتی ہے جس کے لیے رولز میں الفاظ made کے ہیں یہ ان کی بات درست ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کو ٹیک اپ کیا جا سکتا ہے۔ اس کو ٹیک اپ کرنے میں کوئی رولز مانع نہیں ہیں۔

ڈاکٹر سید خاور علی شاہ، جب یہ کہا جاتا ہے کہ Now House do adjourn اور House adjourn کے بعد پھر دوسری بزنس شروع ہو جاتی ہے آپ نے وقت بھی دے دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ When you have admitted the motion the House do now adjourn تو پھر آپ کس طرح بحث کریں گے۔

جناب سپیکر، آپ کسی متفقہ بات کو مانتے ہی نہیں۔ نوابزادہ صاحب نہ آپ رولنگ کو مانتے ہیں اور نہ ہی متفقہ بات کو۔

نوابزادہ غضنفر علی گل، میں قیامت تک غلط بات کو نہیں مانوں گا۔

جناب سپیکر، ڈاکٹر صاحب آپ نے رول 67(a) کا حوالہ دیا ہے۔

(a) "Not more than one such motion shall be made on any one day but motions, if any, remaining unconsidered as regards their admissibility shall be held over for the next day and shall be taken up in the same order in which they were recieved, but before the motions of which notices are received subsequently;"

تو اس میں ایک ہی بنے گی۔ میرے خیال میں اس کو ٹیک اپ کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر سید خاور علی شاہ، کول کی پارلیمانی پریکٹس کو دیکھ لیں وہ ایک ہی ہوتی ہے۔

جناب سپیکر، میرے خیال میں اس کو ٹیک اپ کیا جا سکتا ہے اس کو ایڈمٹ نہیں کیا جا سکتا۔

ڈاکٹر خاور علی شاہ، نہیں جناب ایک ہی made ہو گی۔

جناب سپیکر، made ایک ہی ہو گی۔ میں آپ کی اس بات کو مانتا ہوں۔

ڈاکٹر سید خاور علی شاہ ، اس کے بعد ہاؤس adjourn ہو جاتا ہے آپ انڈین پریکٹس کو دیکھ لیں اس کے بعد آپ دوسری بزنس لیتے ہیں۔ Can't take up adjournment motion چاہے وہ کسی بھی نوعیت کی ہو۔

جناب سپیکر، House do now adjourn وہ اس وقت ہو گا جس وقت ہم اس پر بحث شروع کریں گے۔

ڈاکٹر خاور علی شاہ ، تحریک التوائے کار میں یہی ہوتا ہے ایک ضروری بات پر بحث کرنے کے لیے کہ ہاؤس کو adjourn کیا جائے۔ ایک ضروری بات پر بحث کرنے کے لیے۔

جناب سپیکر، موہل صاحب پوائنٹ آف آرڈر پر ہیں۔

میاں منظور احمد موہل ، رول 71 یہ ہے۔

> "On a motion to adjourn for the purpose of discussing a definite matter of recent and urgent public importance, the only question that may be put shall be "that the Assembly do now adjourn", but no such question shall be put after the time for the discussion of the motion has expired."

اس میں جناب والا ان کا موقف درست ہے جب آپ نے گنتی کر لی ہے اور پوری گنتی ہو گئی ہے اور اب آپ نے اس پر بحث شروع کرنی ہے۔ اس کے بعد یہ نہیں آ سکتی یہ اگلے دن پر چلی جائے گی۔ جناب میرا تو یہی استدلال ہے۔

نوابزادہ غضنفر علی گل ، *****

جناب سپیکر، نوابزادہ صاحب میں اپنے نتیجے پر پہنچ چکا ہوں اور وہ بھی وہی ہے ڈاکٹر صاحب جو میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ جب ایک تحریک التوائے کار بن جاتی ہے۔ اس کے بعد دوسری تحریک التوائے

***(بحکم جناب سپیکر کارروائی سے حذف کر دیا گیا) ***

کار ایڈمٹ نہیں ہو سکتی۔ اسی انداز میں made نہیں ہو سکتی لیکن جو ہاؤس adjourn ہونے کا مقصد ہے کہ جس وقت ہم بحث شروع کریں گے۔ اس وقت ہاؤس adjourn ہو گا اور اگر آپ کی بات کو مان لیا جائے اس وقت ایک adjourn موشن made ہو گئی ہے۔ اس کے بعد ہاؤس آ کر adjourn ہو جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ اب نہ تو کوئی adjourn موشن ٹیک اپ ہو سکتی ہے اور نہ کوئی دوسری کارروائی آ سکتی ہے۔

ڈاکٹر سید خاور علی شاہ : جناب سپیکر! کارروائی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد اگر آپ نارمل بزنس لیں گے۔

جناب سپیکر: نارمل بزنس ہی ٹیک اپ ہو گا۔ نارمل بزنس میں تحاریک التوائے کار بھی ہیں۔

ڈاکٹر سید خاور علی شاہ : adjournment موشن نہیں بلکہ دوسرا بزنس لے سکتے ہیں۔

جناب سپیکر: مجھے افسوس ہے ڈاکٹر صاحب میں یہی hold کروں گا کہ اس تحریک التوائے کار کو ٹیک اپ کیا جا سکتا ہے۔ وزیر قانون صاحب آپ سلمان تاثیر صاحب کی تحریک کے بارے میں آپ کچھ فرما رہے تھے۔ فنی طور پر یہ طے ہو گیا ہے کہ یہ ٹیک اپ ہو سکتی ہے۔

وزیر قانون : جناب والا! میں یہ عرض کر رہا تھا جناب کی موجودگی میں اور قائد حزب اختلاف کی موجودگی میں یہ طے پایا بجائے اس کے کہ ہم اپنی اکثریت کے بل بوتے پر اس پر پورا دن بحث کریں ہم اس ایوان کو باہمی افہام و تفہیم سے چلائیں ہماری طرف سے ایک تحریک التوائے کار آ جائے جس کو حزب اختلاف کی بھی تائید حاصل ہو گی ۔ وصی ظفر صاحب نے خاص طور پر کہا ہم بھی اس پر تقاریر کریں گے۔ آپ کی موجودگی میں یہ بات طے ہوئی ہے اس کے بعد جناب لیڈر آف دی اپوزیشن اور آپ کی اور میری موجودگی میں یہ طے ہوا تھا جس طریقے سے اس کی مخالفت کی گئی ہے میں سمجھتا ہوں کہ اپوزیشن میں قول و فعل کا تضاد پایا جاتا ہے۔ اس کا منہ بولتا ثبوت انہوں نے خود پیش کیا ہے۔ جناب سپیکر! یہ بہت افسوس کی بات ہے۔ روٹی ، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگانے والی پارٹی غریبوں کے نام کا استحصال کرنے والی پارٹی پردہ تہذیب میں غارت گری آدم کش کرنے والی پارٹی آج مہنگائی کی مخالفت کر رہی ہے مجھے زیادہ خوشی ہوتی اگر ہمارے ارکان اس ایوان میں آج 1/6 موجود نہ ہوتے تو پنجاب کے غریب عوام کو پتہ چلتا ان کا نام لے کر غریبوں کا استحصال کرنے والی پارٹی مخالفت کی وجہ سے آج

اس ایوان میں غریبوں کی حمایت کے لیے بحث نہیں ہو سکی۔

جناب سپیکر! میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ موجود تھے اور وصی ظفر صاحب بھی موجود تھے۔ سلمان تاثیر صاحب بھی موجود تھے۔ (قطع کلامی)

MR. SPEAKER: Nawabzada Sahib, take your seat.

نوابزادہ غضنفر علی گل، جناب والا! یہ گڑبڑ کو دعوت دے رہے ہیں۔

جناب سپیکر، نوابزادہ صاحب! Take your seat

نوابزادہ صاحب کے یہ الفاظ جو لاءمنسٹر صاحب کے بارے میں کہے گئے ہیں ان کو میں کارروائی سے حذف کرتا ہوں۔ (قطع کلامی) Order please. Have your seat please Take your seat

Nawabzada Sahib. نوابزادہ صاحب! I am sorry to say کہ آپ اکیلے آدمی اس ہاؤس کے ڈیکورم کو خراب کر رہے ہیں۔

نوابزادہ غضنفر علی گل، جناب والا! میں ہاؤس کے ڈیکورم کو خراب کر رہا ہوں؟ میں نے تو نشاندہی کی ہے۔

جناب سپیکر، نوابزادہ صاحب! تشریف رکھیں۔ take your seat please

ڈاکٹر سید خاور علی شاہ، جناب والا! یہ باتیں آرام سے بھی ہو سکتی تھیں اور معزز رکن آرام سے بھی بول سکتے تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ بھلائی کرو اچھا کام کرو۔ نوابزادہ صاحب ماحول کو ایسے ہی خراب کر رہے ہیں۔ انہیں سمجھائیں کہ کم از کم ماہ رمضان میں تو اخوت، محبت اور آپس میں بھائی چارے کی فضا پیدا کریں۔ ہم سب مسلمان ہیں اور ہمیں آپس میں پیار محبت سے رہنا چاہیے۔ یہ باتیں جو میرے بھائی غصے سے اور جوش سے کر رہے ہیں یہ بڑی محبت سے، حلیمی اور پیار سے بھی ہو سکتی تھیں۔ ہمیں ان باتوں کا اثر ہوتا۔ ہم ان کی تائید کرتے اور تعمیل کرتے۔

جناب سپیکر، شکریہ شاہ صاحب! اب میرے خیال میں وقت آ گیا ہے۔ کہ محترم لیڈر آف دی اپوزیشن اور اپوزیشن کے میرے نہایت ہی معزز بھائی نوابزادہ صاحب کو سمجھائیں کہ وہ اپنے طرز عمل کو تبدیل کریں۔ جناب لاء منسٹر!

نوابزادہ غضنفر علی گل ، جناب والا! میں آپ کے ان الفاظ پر واک آؤٹ کرتا ہوں۔

(اس مرحلے پر نوابزادہ غضنفر علی گل صاحب ایوان سے باہر تشریف لے گئے)

جناب سپیکر، نوابزادہ صاحب کے یہ الفاظ میں کارروائی سے حذف کرتا ہوں۔

رانا پھول محمد خان ، جناب والا! میری گزارش ہے کہ نوابزادہ صاحب کو واپس بلا لیا جائے۔ کسی صاحب کی ڈیوٹی لگائیں کہ وہ انہیں واپس ایوان میں لے آئیں۔ اب وہ خاموشی سے تشریف رکھیں گے اور ڈانس نہیں کریں گے۔ (قطع کلامیاں)

جناب سپیکر، رانا صاحب! تشریف رکھیے۔

ملک محمد اسلم گورداسپوری ، جناب سپیکر! پارلیمانی روایات کے مطابق اس میں تحریک التوا کسی جانب سے بھی پیش کی جا سکتی۔ لیکن یہ دنیا کے لوگ پوری طرح جانتے ہیں کہ غریبوں کے حامی کون ہیں اور ان کے غریبوں کے ساتھ رشتے کتنے پرانے ہیں۔ اگر حزب اقتدار کے محترم لیڈر اس قرارداد کو پیش کرنا چاہتے ہیں تو بصد شوق پیش کریں۔ لیکن یہ کہہ کر کہ یہ عوام کے چیمپئن ہیں اور ادھر عوام کے دشمن ہیں تو اس پارلیمانی ہاؤس میں اتنا جھوٹ نہ بولنے دیا جائے۔ لوگ دریشک صاحب کو بھی پہچانتے ہیں اور اسلم گورداسپوری کو بھی پہچانتے ہیں۔ بڑی مہربانی ۔

جناب سپیکر، جی۔ لاء منسٹر صاحب صرف سلمان تاثیر صاحب کی تحریک التوا کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں گے۔ سلمان تاثیر کی تحریک التوا کے بارے میں آپ یہ فرمائیں کہ آپ نے اس پر اتفاق فرمایا ہے کہ یہ take up ہو جائے۔

وزیر قانون ، جناب والا! اسی کے لیے میں آپ کی خدمت میں عرض کرنی چاہتا ہوں۔

جناب سپیکر ، پچھلی بات کو آپ جانے دیں۔

وزیر قانون ، جناب والا! میں یہی عرض کر رہا تھا کہ آپ کی موجودگی میں کوئی اس قسم کی بات نہیں ہوئی تھی کہ میں سلمان تاثیر صاحب کو آؤٹ آف ٹرن یہ تحریک التوا take up کرنے دوں گا۔ میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ میں چیک کر لوں گا کہ اگر ہمارے پاس جواب آیا ہوا ہے کیونکہ اپوزیشن کا point of view پیش ہو جاتا ہے اور گورنمنٹ کا جواب نہیں پیش ہوتا۔ تو اس صورت میں گورنمنٹ کو بڑی

embarrassment face کرنی پڑتی ہے۔ لیکن وصی ظفر صاحب نے بھی۔ سلمان تاثیر صاحب نے بھی اس بات پر بار بار insist کیا ہے کہ آپ ہمیں تحریک التوا صرف پڑھ لینے کی اجازت دے دیں۔ کیونکہ ہماری بڑی مجبوری ہے۔ ہم نے یہ تحریک التوا پڑھنی ہے اور ہمیں out of turn take up کرنے کی اجازت دیں۔ میں جناب والا! اس ہاؤس کے ماحول کو خوشگوار بنانے کی spirit کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ہاؤس کے معاملات کو بہتر انداز میں چلانے اور تعاون کے جذبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے میں سلمان تاثیر صاحب کو آؤٹ آف ٹرن تحریک التوا پیش کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں کی اجازت سے ان کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ پیش کریں۔

رانا پھول محمد خان ، پوائنٹ آف آرڈر ۔

جناب سپیکر ، جی۔

وزیر امداد باہمی (رانا پھول محمد خان) ، جناب والا! میں پھر گزارش کروں گا کہ نوابزادہ صاحب کو ہاؤس میں بلوایا جائے۔ وہ ناراض نہیں۔ وہ چھپتے ہیں اور میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر وہ تشریف نہ لائے تو ان کے حلقے کے کاشت کاروں کے مسائل پر کون اظہار خیال کرے گا۔ وہ جان بوجھ کر کہ میں تقریر نہ کروں اور میں خلاف نہ بولوں۔ ہم کہتے ہیں کہ انہیں بولنے دیجیے۔ وہ تقریر کرنے سے بچنا چاہتے ہیں۔ (قطع کلامیاں)

جناب سپیکر ، آرڈر پلیز ۔

جناب احمد علی اولکھ ، جناب والا! میری دو تحاریک التوا ہیں اور اپنی ٹرن پر ہیں جو انتہائی اہم ہیں۔ ملک کی معیشت کے بارے میں ہیں۔ اس میں لاکھوں افراد کے روزگار کا مسئلہ ہے۔ تو میں استدعا کرتا ہوں کہ ان کو آؤٹ آف ٹرن لے لیا جائے۔

جناب سپیکر ، ملک صاحب! آپ تشریف رکھیے۔ اس کے بعد میں دیکھتا ہوں کہ ان کو take up کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ جی سلمان تاثیر صاحب!

جناب سلمان تاثیر ، جناب والا! میں یہ تحریک پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ اہمیت عامہ رکھنے والے ایک اہم اور فوری مسئلہ کو زیر بحث لانے کے لیے اسمبلی کی کارروائی ملتوی کی جائے۔ مسئلہ یہ ہے کہ 18 مارچ 1990ء کے روزنامہ "جنگ" لاہور میں شائع ایک بیان کے مطابق مری میں 343 کنال سرکاری

اراضی بہت کم قیمت پر فروخت کر دی گئی۔ تفصیل یوں ہے کہ محکمہ جنگلات کی مری کے علاقے میں مسوث میں واقعہ 343 کنال قیمتی اراضی وزیر اعلیٰ کے احکامات پر ایک شخص ظفر اقبال کو بہت ہی کم قیمت پر دی گئی۔ گذشتہ سال 28 دسمبر 1989ء کو کالونیز ڈیپارٹمنٹ بورڈ آف ریونیو نے یہ زمین محکمہ جنگلات سے حاصل کی اور اس کے چھ دن بعد ایک منصوبے کے تحت یہ زمین وزیر اعلیٰ کے ایک پرانے دوست کو "پرائیویٹ سودے" کے ذریعے 50 ہزار روپے فی کنال میں فروخت کی گئی جبکہ مارکیٹ ریٹ اس سے بہت زیادہ ہے۔ یہ کوشش بھی کی جا رہی ہے کہ مزید قیمت کم کر کے 40 ہزار روپے فی کنال مقرر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ زمین کی قیمت ایک کروڑ 88 لاکھ روپے بھی 6 ماہ کے اندر وصول کی جائے۔ یہ سودا وزیر اعلیٰ کے حکم پر ہوا جو کہ اپنے آپ کو ہر قسم کے طریق کار سے اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ یہ پنجاب کے سرکاری خزانے کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں اور دوستوں، حواریوں کو کھلا لٹا رہے ہیں۔ اس واقعہ سے صوبہ پنجاب کے عوام میں سخت بے چینی اور اضطراب پایا جاتا ہے۔ اس پر اسمبلی کی کارروائی روک کر بحث کی جائے۔ جناب والا! یہ ایک بہت بڑا فراڈ ہے۔

میاں منظور احمد موہل : جناب والا! اس پر شارٹ سٹیٹمنٹ نہیں ہو سکتی۔

جناب سلمان تاثیر : جناب والا! میں اس پر ایک شارٹ سٹیٹمنٹ دے رہا ہوں۔

جناب سپیکر : اس پر کوئی شارٹ سٹیٹمنٹ نہیں ہوتی۔

جناب سلمان تاثیر : جناب والا! یہ بہت بڑا فراڈ ہے۔ یہ پنجاب کی زمین لوٹی جا رہی ہے۔ یہ جنگلات کی زمین لوٹی جا رہی ہے۔

جناب سپیکر : سلمان تاثیر صاحب! تحریک التوا پر شارٹ سٹیٹمنٹ نہیں ہوتی۔

جناب سلمان تاثیر : لیکن جب اتنا بڑا فراڈ ہو رہا ہے تو کم از کم میں ایک شارٹ سٹیٹمنٹ تو دے سکتا ہوں۔

جناب سپیکر : اگر یہ admit ہو جائے گی تو اس پر دو گھنٹے کے لیے بحث ہو گی۔

جناب سلمان تاثیر : جناب والا! یہ وہی ہے جو جنرل جیلانی کو زمین تقسیم کی گئی تھی وزیر اعلیٰ سے یہ فراڈ کیا جا رہا ہے۔

جناب سپیکر : آپ تشریف رکھیے۔

جناب سلمان تاثیر : جناب والا! آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ کروڑوں کا فراڈ ہے۔

جناب سپیکر : یہ تحریک التوا پیش ہو گئی ہے۔ اس کو made کرنے کے بارے میں جیسے کہ آپ پہلے سن چکے ہیں کہ اس کو admit کرنے کے لیے further take up نہیں کیا جا سکتا یہ اگلے ورکنگ ڈے پر جائے گی۔

جناب سلمان تاثیر : جناب والا! میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ جنگلات کی زمین ہے اور اس ملک میں ویسے بھی جنگلات کی کمی ہے اور یہ ساری زمین منظور نظر کو یا کسی ساتھی کو تقسیم کرنا یہ بڑی افسوس کی بات ہے۔

جناب سپیکر : سلمان صاحب ' آپ اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتے۔ آپ اپنی سیٹ پر تشریف رکھیں۔

وزیر مال : اگر آگے پڑھیں گے تو پھر اس کا جواب بھی آ جائے گا۔

آزادی صحافت پر بحث

جناب سپیکر : اب بحث کا آغاز کرتے ہیں۔ میں رانا شوکت محمود صاحب کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ آج صحافت کی آزادی کے موضوع پر بحث کا آغاز فرمائیں۔

رانا شوکت محمود (قائد حزب اختلاف) : جناب سپیکر! یہ اجلاس ہم نے حزب اختلاف والوں نے طلب کیا تھا اور یہ اجلاس صرف اور صرف صحافت سے مسائل اور ان کو اپنی پیشہ وارانہ خدمات سرانجام دیتے ہوئے جو تکالیف یا مشکلات انہیں پیش آتی ہیں ان کے حل کے لیے طلب کیا تھا۔

جناب والا! پہلے تو میں یہ گزارش کرنا چاہوں گا کہ وزیر قانون نے کل جو میٹنگ آپ کے دفتر میں کی اس کے بارے میں ذکر فرمایا ہے تو جناب والا۔ میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ یہ غالباً پارلیمانی تاریخ میں پہلی بار ہوا کہ یہ جو اجلاس حزب اختلاف نے بلایا تھا یہ ایک مخصوص طبقہ اور معاشرے کے ایک اہم حصے کی مشکلات کے حل کے لیے تھا۔

(اس مرحلہ پر ملک غلام محمد نوانہ صاحب کرسی صدارت پر متمکن ہوئے)

جناب چیئرمین : جی رانا صاحب ارشاد فرمائیے۔

رانا شوکت محمود ۔ جناب والا! میں عرض کر رہا تھا کہ ہم نے جو اجلاس طلب کیا تھا یہ ایک مخصوص مقصد کے لیے تھا اور پارلیمانی تاریخ میں اس اجلاس کو پہلی دفعہ ہائی جیک کر لیا گیا۔ ہم حیران رہ گئے کہ ہائی جیکنگ کے مختلف واقعات دنیا میں ہوتے رہتے ہیں اور یہ پڑھے بھی تھے لیکن اس ایوان کے اجلاس کو ہائی جیک ہوتے ہوئے ہم نے پہلی مرتبہ دیکھا کہ جو اجلاس ہم نے بلایا تھا اس کے ایجنڈے میں سے سب کچھ نکال کر اپنا ایجنڈا دے دیا گیا اور اگر اس صورت حال کا ابھی ذکر ہوا تو پھر حکومت کو عوام کے مسائل کے حل کے لیے خود ایک اجلاس طلب کرنا چاہیے تھا۔ ہم تو خود یہ چاہتے ہیں کہ اسمبلی کا یہ ایوان اکثر سیشن میں ہو تاکہ عوام کی تکالیف اور ان کے مسائل کا حل یہاں پر ڈھونڈا جا سکے اور ہمارے ذمے جو ایک فریضہ ہے اسے ہم سب ادا کر سکیں۔ تو جناب والا افسوس تو یہ ہے کہ حزب اقتدار اجلاس بلانے سے ہمیشہ گریز کرتی ہے اور جہاں اسمبلیوں کے اجلاس نہیں بلائے جاتے وہاں انتظامی محکمے زیادہ طاقتور ہو جاتے ہیں اور جب انتظامی محکمے زیادہ طاقتور ہوں تو پھر صوبے میں anarchy پھیلتی ہے فاش ازم شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت بالکل یہی صورت حال اس صوبے میں موجود ہے۔ جناب والا! اس ایوان کے معزز ممبران اپنے دل سے چاہتے ہیں کہ اس صوبے کے عوام کی حالت بہتر ہو مگر ہم صورت حال کو بہتر کرنے کی بجائے اسے زیادہ سے زیادہ ابتر کیے جا رہے ہیں اور اس کی بنیادی وجہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہے کہ اسمبلی اپنا رول صحیح طور پر ادا نہیں کر رہی اور اسے صحیح طور پر ادا کرنے کی وجہ یہی ہے کہ ہم اجلاس ہی نہیں بلاتے ہیں۔ جناب یہاں زیادہ اجلاس بلائے جائیں یہاں پر لوگوں کے زیادہ مسائل زیر بحث لائے جائیں اور ان طبقوں کے جو محروم ہیں جو بے کس ہیں اور جو لاچار ہیں کے مسائل کو زیر بحث لایا جائے اس سے انتظامی محکموں کی گرفت کم ہو گی اور لوگوں کی صورت حال بہتر ہو گی اور پھر ایک اور بھی حقیقت ہے کہ ہم اس اسمبلی کے ذریعہ وقفہ سوالات میں اور پھر تحاریک التوائے کار میں اور پھر تحاریک استحقاق کے ذریعہ ایک بے لگام انتظامیہ کو لگام دے سکتے ہیں اور اسمبلی کی بنیادی طاقت۔ بنیادی قوت یہی ہوتی ہے اور یہی پارلیمانی نظام کا خاصہ ہے کہ ہم انتظامیہ پر حاوی ہوتے ہیں اور حاوی ہونے کے جو ذرائع ہیں ان کا میں نے ذکر کیا اس لیے جب ہم اجلاس ہی نہیں بلائیں گے تو پھر انتظامیہ یقیناً بے لگام ہو گی تو جناب اگر آپ نے یہ مسائل زیر بحث لانے تھے تو پھر آپ کو اپنا اجلاس بلانا چاہیے تھا اور ہمارے اس اجلاس میں اطرح سے غاصبانہ قبضہ کرنا

کسی طریقے سے جائز نہیں تھا اور جیسے کہ میں نے عرض کیا ہے یہ اجلاس ہم نے ایک مخصوص طبقے کے لیے بلایا تھا اور ہمارا جو مخصوص مقصد صحافت کی آزادی کا تھا صحافت کی آزادی اس ملک کے لیے ایک انتہائی اہم فلسفہ ہے کسی بھی مہذب معاشرے میں۔ کسی بھی جمہوری ملک میں جب تک صحافت آزاد نہیں ہو گی نہ جمہوریت کو تحفظ ہو گا اور نہ ہی معاشرے میں لوگوں کو تحفظ مل سکے گا۔ یہ حقیقتاً اور واقعتاً لازم و ملزوم چیزیں ہیں کہ جس معاشرے میں جس ملک میں پریس آزاد ہے۔ صحافت آزاد ہے اور صحافی حضرات آزاد ہیں اس ملک میں امن بھی ہو گا چین بھی ہو گا اداروں کو استحکام بھی ہو گا اور جو fascism کی tendency اور fascism کی سوچ ترقی کر جاتی ہے وہ طاقت اور پاور میں کمتر ہو گی اور کنٹرول ہو گی۔ جناب والا یہی بنیادی فلسفہ ہے اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اس ملک میں جمہوریت کو اور جمہوری اداروں کو پھلنے پھولنے کا موقع نہیں ملا اس لیے ضروری ہے کہ صحافت کو یہاں پر زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے اسے تحفظ دیا جائے تاکہ وہ اپنے فرائض صحیح طور پر انجام دے سکیں اور جمہوریت کو مستحکم کر سکیں۔

جناب والا! حقیقت یہ ہے کہ جب اس ملک میں مارشل لاء لگتا ہے اور ہمارے ملک میں تو اکثر مارشل لاء لگتا ہے اس وقت سیاسی ادارے اور سیاسی آوازیں دب جاتی ہیں اس وقت آئین بھی ختم ہو جاتا ہے اور اسمبلیاں بھی ختم ہو جاتی ہیں اس دور میں عوام اور مظلوموں کو آواز اٹھانے کی جرأت ہی نہیں ہوتی کیونکہ ان کے لیے لڑنے والا اور ادارہ باقی نہیں رہ جاتا اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے کوئی ایسا ادارہ یا ایسے لوگ نہیں رہ جاتے جو عوام کو تحفظ دے سکیں تو اس صورت میں اخبارات ہی غریب عوام کا تحفظ کرتے ہیں اس صورت ظلم اور زیادتی کے خلاف وہی آواز اٹھاتے ہیں اور وہ ظلم اور زیادتی آمریت کے دوران حکومت اور حکومتی اداروں کی طرف سے ہوتی ہے اور ہم نے اس ملک میں دیکھا ہے کہ جب بھی مارشل لاء لگتا ہے عدالتیں بھی اپنے تمام حقوق کھو بیٹھتی ہیں اور عدالتوں کے سارے کے سارے حقوق مارشل لاء کورٹس کو منتقل ہو جاتے ہیں اور بڑے بڑے جج صاحبان بھی مارشل لاء کورٹس کے فیصلوں کے تابع ہو کر رہ جاتے ہیں تو ایسی صورت حال میں جب ملک کے اندر آواز اٹھانے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہ جاتا تو اس وقت یہ صحافی اور اخبارات ہی ہیں جو ہماری آواز اٹھاتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ آمریت کے ان تمام مظالم کو بے نقاب کرتے رہتے ہیں اور پھر آخر میں آمریت کے جانے

کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔

پھر جیسے میں عرض کر رہا تھا کہ ایسے وقت میں جب ملک کے اندر کوئی ادارہ اور کوئی ایسا عدالتی فورم بھی نہیں رہ جاتا جو ہمارے حقوق کا تحفظ کر سکے تو اس وقت اخبارات ہی یہ فریضہ انجام دیتے ہیں تو اتنے اہم ادارے کو، اتنے اہم پیشہ کو ہمارا فرض ہے کہ ہم تحفظ فراہم کریں۔ یہ ایک نہایت ہی افسوس ناک امر ہے کہ جمہوریت کے اس دور میں جب جمہوریت کو استحکام ملنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ جب جمہوری ادارے اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں تو اس وقت پریس کو زیادہ خطرات لاگو ہو گئے ہیں۔ پریس کو اگرچہ پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی حکومت نے تحفظات فراہم کیے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی حکومت نے وہ تمام قباحتیں جو اخبارات کو کنٹرول کرنے کی، صحافیوں کو کنٹرول کرنے کی اور خبروں کو کنٹرول کرنے کی دور کی ہیں لیکن اس کے ساتھ ایک اور جو میں سمجھتا ہوں کہ انتہائی سنگین صورت حال پیدا ہوئی ہے کہ اخبارات کو اور صحافیوں کو دباؤ اور تشدد کے ذریعے اپنی خبریں چھاپنے پر مجبور کرنے کی صورت حال پیدا ہوئی ہے۔ مختلف سیاسی گروہوں نے، سیاسی جماعتوں نے یہ وتیرہ اپنا لیا کہ وہ اخبارات کے دفتروں میں جاتے ہیں اور وہاں جا کر دھمکیاں دیتے ہیں اور اپنے مطلب کی، اپنے مقصد کی خبر چھپوانے کے لیے یہ تشدد اختیار کرنے کی باتیں کرتے ہیں جس سے صحافی یقیناً ان کے بوجھ تلے آتے ہیں کیونکہ صحافت بذات خود بھی آگے دو تین حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔

جناب والا! صحافت ساری ایک طرف تو اخباری رپورٹر یا اخباری نمائندوں پر مشتمل ہے۔ دوسری طرف ایک ایسا سٹاف ہے جو سامنے تو نہیں آتا لیکن وہ اخبارات کے لیے ضروری ہے مثلاً کاتب ہیں یا دوسرے وہ لوگ جو اخبارات میں کام کرتے ہیں اور پھر ایک اور طبقہ سینئر سٹاف کا ہے جو ایڈیٹرز پر مشتمل ہے اور پھر ایک مالکان ہیں تو یہ چار طبقے جو صحافت کے اہم ہیں ان میں سے کوئی نہ کوئی ان سیاسی جماعتوں کے دباؤ میں آ جاتا ہے اور پھر خبروں میں یہ دھاندلی شروع ہو جاتی ہے تو یہ ایک صحافت کی صحت مند ترقی کے لیے میں سمجھتا ہوں کہ انتہائی خطرناک صورت حال ہے۔ اس میں سے ایک پر ہم نے یہاں لاہور میں مظاہرہ کیا وہ بہت ہی سنگین بات تھی۔ بہت ہی سنگین صورت حال تھی کہ ایک اخبار نے اس وقت کی حکومت کے چند لوگوں کے خلاف جو کچھ خبریں چھاپیں تو ان سے نمٹنے کے لیے اس اخبار کو پہلے ایک طلباء کی تنظیم کے ذریعے دھمکیاں دلوائی گئیں اور پھر جناب والا! ان دھمکیوں کے بعد

ایل۔ڈی۔اے کے ذریعے نوٹس دلوائے گئے کہ اگر آپ نے اپنی ان خبروں کا رخ تبدیل نہ کیا تو ہم آپ کی جو بھی عمارت آپ نے تعمیر کی ہے وہ ہم گرا دیں گے تو جناب والا اس کے بعد بھی جب یہ دیکھا کہ صورت حال ٹھیک نہیں ہو رہی ہے تو پھر اپنی ایک طلباء تنظیم کے ذریعے اس دفتر پر حملہ کروایا گیا۔ (قطع کلامیاں)

جناب والا! میرے خیال میں وزراء صاحبان جو صحافت میں دلچسپی نہیں رکھتے یا صحافیوں کی باتوں میں دلچسپی نہیں رکھتے اور دوسرے موضوعات پر گفتگو کر رہے ہیں ان کو کہا جائے کہ وہ خاموشی سے باتیں سنیں کیونکہ یہ بہت اہم موضوع ہے۔

جناب چیئرمین ، رانا صاحب آپ اپنی تقریر جاری رکھیں۔ وزراء سے گزارش ہے کہ وہ براہ مہربانی خاموشی اختیار کریں۔

رانا شوکت محمود ، جناب والا! اس پر ان لوگوں نے پھر اس تنظیم کے ذریعے اس دفتر پر حملہ کیا اور 23 مارچ کے لیے جو شمارے تیار ہو رہے تھے جن میں قائد اعظم کی تصاویر تھیں اور پاکستان کے حوالے سے مضامین تھے ان کو جلایا گیا۔ ان کو پیروں تلے روندا گیا اور جب اس کے ردعمل کے طور پر صحافیوں نے ایک جلوس نکالا جو پر امن جلوس تھا اور جب وہ جلوس ایک سیاسی جماعت کے دفتر کے سامنے سے گزرا تو وہ جلوس جو انتہائی پر امن تھا اور جس نے کوئی اشتعال انگیز بات بھی نہیں کی تھی اس جلوس پر اس دفتر سے فائرنگ کی گئی اور نہ صرف اس فائرنگ کے نتیجے میں ہمارے صحافی ڈرے اور گھبرائے بلکہ ان میں سے چند ایک کو چوٹیں بھی آئیں۔ پھر جن لوگوں نے فائرنگ کی ان کی تصاویر کیمروں میں محفوظ تھیں جن میں ویڈیو اور ٹیلی ویژن بھی تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود جن میں صحافیوں نے اپنی جان اور زندگی کا اتنا risk لیا صحافیوں کے خلاف بھی پرچہ درج ہو گیا کہ صحافیوں نے اس سیاسی جماعت کے دفتر کے سامنے جا کر اشتعال دلایا اس لیے ان پر فائرنگ کی گئی۔ حالانکہ صحافی تو بالکل سڑک کے اوپر تھے تو جناب والا! اس صورت حال میں جب واقعات یہاں تک پہنچے ہوں تو صحافت اور صحافی کیسے اپنا فرض ادا کر سکتے ہیں۔ ہم نے mainly اور بنیادی طور پر یہ اجلاس اس لیے طلب کیا تھا کہ جب صحافت کو اس حد تک خطرہ پہنچے گا کہ آہستہ آہستہ صحافت میں ایک صحافی کو اس بات پر گولی مار دینے تک نوبت پہنچے گی کہ اس نے ایک بات اپنی مرضی سے حقائق اور واقعات کے مطابق اپنی دانست میں صحیح

لکھی ہے اور وہ بات اگر کسی کی دل آزاری کر گئی اور دلآزاری کرنے پر معاملہ یہاں تک پہنچے گا کہ ان کو گولیوں کی بوچھاڑ کی زد میں لایا جائے تو پھر نہ صرف صحافت بلکہ ساری جمہوریت اورجمہوری ادارے خطرے میں ہیں۔ جناب والا! یہ صورت حال انتہائی افسوس ناک ہے اور نہ صرف یہ بلکہ اس کے علاوہ بھی میں چند گزارشات کرنی چاہتا ہوں وہ یہ ہیں کہ جب ہم صحافت کی بات کرتے ہیں اور صحافت کو جمہوریت کے لیے ایک انتہائی اہم ادارہ سمجھتے ہیں تو پھر اس میں صحافیوں کے چند دوسرے مسائل بھی ہیں زیر بحث لانے ضروری ہیں۔

جناب والا! اب نہ صرف یہ کہ یہ اس سیاسی جماعت کے دفتر سے ان صحافیوں کے جلوس پر فائرنگ کی گئی بلکہ یہ ایک مستقل عمل ہے جو اس صوبہ میں چل رہا ہے اور اس مستقل عمل کا حصہ یہ تھا کہ اس سے پہلے حلقہ 99 کے الیکشن کے دوران جیا بگھا میں بھی صحافیوں پر فائرنگ کی گئی۔ جیا بگا میں کچھ صحافی جب انتخاب میں دھاندلی کی تصاویر لے رہے تھے تو ان پر فائرنگ کی گئی اور ان پر بھی گولی چلائی گئی جس میں "Dawn" کے سٹاف رپورٹر اور فوٹو گرافر طارق محمود تھے ان کے کیمرے سے فلم نکالی گئی اور ان کا کیمرہ توڑا گیا۔ یہ بھی ایم۔ایس۔ایف کے طالب علموں نے کیا اور کیمرہ بھی آج تک واپس نہیں کیا۔ اسی طرح "مشرق" کے فوٹو گرافر اقبال چودھری تھے ان کو بھی ایم۔ایس۔ایف کے طالب علموں نے مارا اور ان کے کیمرے کو بھی نقصان پہنچایا۔ اس سے پہلے "مساوات" کے رپورٹر تھے اور کیمرہ مین تھے ان کا بھی کیمرہ توڑا گیا اور ان کو بھی نقصان پہنچایا گیا۔ اسی طرح دوسرے چند رپورٹروں کو بھی مارا پیٹا گیا۔ ایک فیقہ کے نام سے ہمارے کارٹونسٹ کو بھی تھانے میں بلا کر بے عزتی اور تنگ کیا گیا تو یہ ایک سلسلہ ہے جو چل رہا ہے اور پھر یہ بڑھتا بڑھتا یہاں تک پہنچا ہے کہ اب اخبارات اپنا فرض صحیح طور سے انجام نہیں دے سکتے اور اگر یہ صورت حال رہی تو جناب پھر اس صوبہ میں زیادتیاں جرائم، رشوت، بے ایمانی بددیانتی۔ چوری اور ڈاکہ زنی کی خبریں کیسے عوام تک پہنچے گی۔ تو پھر جو بھی اٹھے گا ڈاکہ مارے گا اور اخبار کے دفتر فون کرے گا کہ اگر تم نے میری خبر دی تو تمہیں بھی ہم اس انجام تک پہنچائیں گے تو یہ ایک انتہائی سنگین صورت حال ہے۔ اس اسمبلی کا یہ بنیادی فرض ہے کہ ہم ایک اہم ترین ادارے کو تحفظ فراہم کریں اور اس بات کا اعادہ نہ ہونے دیں کہ جو باتیں ہوئی ہیں اور جن کا ذکر اس اسمبلی میں ہو رہا ہے۔ کل ایک تقریر کے دوران میں نے سنا کہ ماضی

میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے فلاں فلاں بات کی تو جناب یہ تو کوئی دلیل نہیں کہ اگر ماضی میں کوئی بات ہوئی تو وہ اب بھی جاری رکھی جائے۔ اگر ماضی میں وہ بات بری تھی تو اب تو اور بھی زیادہ بری ہے کہ اب جمہوریت ہے۔ کیونکہ اب جناب جمہوریت ہے اور ان جمہوری اداروں میں ان باتوں کا اعادہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان باتوں کو روکنا چاہیے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ دلیل دینا اور اسے دھرانا کسی طرح بھی جائز نہیں بلکہ یہ تو ایک مذاق ہے ان اداروں کے ساتھ ان لوگوں کے ساتھ' ان طبقوں کے ساتھ جن کے ساتھ پہلے بھی زیادتی ہوئی تھی اب بھی ہم ان طبقوں کے ساتھ زیادتی روا رکھیں گے۔ یہ کوئی ایسی دلیل نہیں اس دلیل کا کوئی جواز نہیں ۔ پھر اسی طرح یہ کہا گیا ہے' طلباء تنظیم جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اگر وہ تنظیم ایک اچھی اور نیک تنظیم ہے اور اس کے عہدے دار نہایت اچھے اخلاق کے مالک ہیں تو پھر اس صوبے کے وزیر اعلیٰ بار بار کیوں کہتے ہیں کہ انہیں ہم لاقانونیت کے لیے استعمال کریں گے۔ پھر یہ کیوں کہتے ہیں کہ بدامنی اور لوگوں کو نقصان پہنچانے کے لیے استعمال کریں گے۔ یہ اخباری بیانات ہیں جن کی کوئی تردید نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ کہا گیا کہ ہم ایم۔ایس۔ایف کو ان لوگوں کے لیے استعمال کریں گے جو لوگ پارٹی چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ اس تنظیم نے سیالکوٹ میں جا کر انوارالحق کا دفتر جلایا۔ اسی تنظیم کے ممبران نے شیخوپورہ میں پیپلز پرو گرام کا دفتر جلایا۔ اسی تنظیم کے عہدے داروں نے مرکزی وزراء جیسے مانیکا صاحب ہیں ان کے گھر جا کر فائرنگ کی۔ بات یہ کرتے ہیں کہ یہ تنظیم قائد اعظم کی ساتھی ہے اور انہوں نے قائد اعظم کا ساتھ دیا۔ لیکن قائد اعظم کا نام لے کر اسی تنظیم کو بدامنی اور لاقانونیت کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے اور وہ استعمال ہو رہے ہیں پھر جناب یہ کیسی تنظیم ہے یا یہ کیسی حکومت ہے کہ وہ طلباء کی تنظیموں کو بدامنی چوری' ڈاکہ زنی اور بدمعاشی اور غنڈہ گردی کے لیے اکساتی ہے اور اکسانے کے بعد پھر اس پر فخر کرتی ہے کہ دیکھا ہم نے کیا سبق سکھانے۔ جناب والا! اس سے کسی کی کوئی خدمت نہیں ہو رہی۔ اس طرح صوبے میں کسی طرح کوئی خدمت نہیں ہو رہی بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب حکومت خود اس قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرے تو پھر اس سے زیادہ بدقسمتی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ جو لوگ صوبہ میں امن و امان قائم کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ لوگوں کو تحفظ دینے کے ذمہ دار ہیں وہ عوامی تنظیموں کے ذریعے بدامنی پھیلائیں اور صوبہ کے امن و امان کو خراب کریں اور خود امن و امان کو تہہ و بالا کرنے میں پارٹی بن جائیں تو پھر میں سمجھتا

ہوں کہ کسی کی عزت کسی کا مال اور کسی کی جان بھی محفوظ نہیں۔ بالکل یہی صورت حال اسی صوبے میں پیدا ہو چکی ہے۔ نہ صرف یہ صحافت کے خلاف بلکہ اس قسم کی تنظیموں کو دوسرے تمام جو مخالفین ہیں ان کے خلاف بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ بذات خود ایک خطرناک صورت حال ہے۔ جناب والا! جب میں یہ ذکر کر رہا ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ صحافیوں کے بارے میں بھی چند باتیں کرنی چاہئیں۔ جب ہم صحافت کی بات کرتے ہیں تو صحافیوں کو اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے زیادہ سے زیادہ اچھی اور بہتر سے بہتر سہولتیں مہیا کرنی چاہئیں تاکہ وہ اپنے فرائض صحیح طرح سے سر انجام دے سکیں۔ جس سے اس ملک میں fascism اور آمریت کے تحت جو ادارے بنتے ہیں ان کی روک تھام ہو سکے۔ جناب والا! صحافیوں کے لیے ایک جو سنگین صورت حال پیدا ہو چکی ہے وہ contract employment اصول جو کہ اخبارات کے مالکان نے اپنایا ہوا ہے۔ contract employment کے تحت کچھ ایجنسیاں بنائی گئی ہیں اور ایجنسیوں کے ذریعے اخبارات میں ملازمتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ جناب والا! جب یہ صورت حال ہو تو کوئی ملازم چاہے وہ جس اخبار میں بھی کام کر رہا ہے اس کو کسی قسم کا بھی کوئی قانونی تحفظ حاصل نہیں۔ نہ اس کی انشورنس اور نہ ہی اس کی تنخواہ نہ ہی اس کے کوئی conditions of service شرائط ملازمت رہ جاتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں پھر چلی جاتی ہیں اور اخباری کارکن ٹھیکے داری سسٹم کے تحت وہ ایک غلام کی صورت میں کام کرتا ہے۔ اسی صورت حال میں کوئی صحافی بھی ایک آزادانہ اور اپنے پیشہ وارانہ خدمات سرانجام نہیں دے سکتا۔ جب تک کہ اس کو ملازمت کا تحفظ حاصل نہ ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس اسمبلی کو پورا زور لگانا چاہیے زور کیا ایک قانون پاس کرنا چاہیے اور میں یہ گزارش کروں گا جیسا کہ میں نے ہمیشہ یہاں کھڑے ہو کر گزارشات کی ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ حزب اقتدار میں اس وقت جو لوگ بیٹھے ہیں۔ انہوں نے کبھی بھی ان باتوں پر توجہ نہیں دی اور پھر یہ وقت گزرتا جا رہا ہے ہمیں چاہیے کہ ہم اچھی باتیں کریں خواہ وہ کسی طرف سے بھی کیوں نہ آئیں۔ اس سلسلے میں حکومت کو قانون لانا چاہیے کہ ہم contract labour اخبارات میں ختم کرتے ہیں۔ اخباری صنعت کے ہزاروں لوگ جو اس صنعت سے وابستہ ہیں ان کو تحفظ ملے گا۔ ان کے حالات زندگی بہتر ہوں گے اور اس ملک میں جمہوریت کو استحکام ملے گا اور آمریت او فاشسٹ جو بھی tendency یا سوچیں ہیں ان کا خاتمہ ہو سکے گا۔ اسی ضمن میں ایک اور گزارش کرنا چاہتا ہوں وہ صحافیوں سے ذرا اوپر والے طبقے کی بات

ہے۔ مالکان کی بات ہے۔ مالکان کو کنٹرول کیا جاتا ہے اشتہارات کسی بھی اخبار کی پالیسی کنٹرول کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ کیونکہ صحافت میں بھی اخلاق کا اب وہ معیار نہیں رہا جو کسی زمانے میں ہوتا تھا۔ جناب والا! میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس اسمبلی کو یہ اصول بھی وضع کرنا چاہیے۔ قانون بنانا چاہیے کہ اشتہارات اصول کے تحت قانون کے تحت، سرکولیشن کی حیثیت سے دیے جائیں۔ اپنی مرضی سے نہ دیے جائیں جب بھی اشتہارات کے سلسلے میں مرضی شامل ہو گی تو صحافت ہمیشہ کنٹرول میں رہے گی۔ صحافت آزاد نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح ایک عجیب صورت حال ہے کہ لاہور جو ایک مرکزی شہر ہے۔ لاہور اس ملک کے سیاست کا مرکز ہے۔ لاہور پنجاب کی ساری معاشرتی اور سماجی زندگی کا مرکز اور یہاں پر ہزاروں لوگ اخباری صنعت سے وابستہ ہیں لیکن لاہور جیسے شہر میں کوئی پریس کلب نہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ لاہور جیسا شہر ہو اور یہاں پر پریس کلب موجود نہ ہو۔ یہاں پر ایل۔ڈی۔اے کی ہزاروں کنال زمین بطور رشوت کے اور بطور لوٹ مار کے اور لوگوں کو خوش کرنے کے لیے، لوگوں کو سیاسی طور پر ساتھ رکھنے کے لیے یہاں پر دن رات دی جا رہی ہے۔ لہذا پریس کلب کے لیے دو چار کنال زمین دینا کوئی مشکل بات نہیں۔ اس اسمبلی کو پریس کلب کے لیے فوری طور پر زمین دینی چاہیے۔ یہ ہمارے سب کے لیے بے عزتی ہے۔ میرے خیال میں اسمبلی کے لیے بے عزتی ہے کہ اتنا بڑا لاہور کا شہر ہو جہاں پر اتنا بڑا پریس ہو لیکن پریس کلب نہ ہو۔ اس اسمبلی کو انہیں گرانٹ بھی دینی چاہیے۔ پیسہ بھی دینا چاہیے اور پریس کلب کے لیے زمین بھی دینی چاہیے۔ (نعرہ ہائے تحسین)۔ اسی طرح ایک اور صورت حال بھی ہے جس کے لیے ہمیں یہ مطالبہ کرنا چاہیے کہ اخبار نویسوں کی تنخواہ اور مراعات کے لیے جو Wage Board ہے اس کے فیصلے جلدی کیے جائیں اور اس کا اطلاق بھی کیا جائے۔ جب میں اخباری کارکنوں کے مسائل پیش کر رہا ہوں تو اخبارات کے فوٹو گرافروں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ اخبارات کے فوٹو گرافرز بالخصوص پولیس تشدد کا نشانہ بن رہے ہیں اور پچھلے سال سوا سال سے تشدد کا نشانہ بن رہے ہیں۔ یہ ایک انتہائی زیادتی ہے کہ جب بھی کوئی ایسی تصویر اتارتے ہیں جس سے کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک ثبوت مہیا ہو گا۔ ان کی زیادتی کا ظلم کا یا کسی غیر قانونی حرکت کا ثبوت مہیا ہو گا تو وہ فوٹو گرافروں سے کیمرے چھین لیتے ہیں ان کو مارتے پیٹتے ہیں۔ جناب والا! ہمیں صحافیوں اور فوٹو گرافروں کو ان کی خدمات سرانجام دینے کے لیے کوئی خصوصی قوانین وضع کرنے چاہئیں۔ ان کو اسمبلی

تحفظ دے تاکہ وہ اپنے فرائض صحیح طور پر سر انجام دے سکیں۔ جناب والا! میں آپ کا ایک دفعہ پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے گزارشات پیش کرنے کا موقع فراہم کیا۔ میں یہ بھی یقین کرتا ہوں کہ میری ان گزارشات کو اور ان تجاویز کو اس وقت کی حکومت میں جو بھی لوگ ہیں وہ توجہ دیں گے۔ غور کریں گے اور ان کو عملی جامہ پہنائیں گے۔ کیونکہ اس طرح صوبے میں ایک انتہائی اہم ادارے صحافت کو تحفظ ملے گا اور بہتری کی صورت پیدا ہو گی۔ بہت بہت شکریہ اور مہربانی۔

جناب چیئرمین : بیگم بشریٰ رحمان صاحبہ۔۔۔۔۔

بیگم بشریٰ رحمان : بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ جناب والا! رمضان المبارک کا نہایت ہی مقدس مہینہ ہے اور آج ہم ایک بہت ہی مقدس پیشے کے بارے میں گفتگو کرنے کے لیے یہاں پر اکٹھے ہوئے ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے قائد حزب اختلاف رانا شوکت محمود صاحب تقریر فرما رہے تھے۔ ہمارا یہ خیال تھا کہ چونکہ یہ اجلاس اپوزیشن نے بلایا ہے اور اس وقت وہ ہمارے قابل صد احترام صحافیوں کے بارے میں دھواں دھار تقریریں کرنے کے موڈ میں ہیں اور آزادی صحافت پر بات کرنے کے موڈ میں ہیں۔ تو ہمارا تھوڑا سا یہ خیال تھا کہ اس طرح سے ہمیں بھی کچھ رہنمائی حاصل ہو جائے گی ان تمام گلوں شکوں کے ساتھ ساتھ جو وہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی عذر دے کر حکومت پنجاب کا کرتے آئے ہیں کچھ تجاویز بھی ان کی طرف سے آئیں گی۔ آج بہت سی امیدیں جناب رانا شوکت محمود صاحب کے ساتھ وابستہ تھیں لیکن ہم شروع سے لے کر آخر تک یہ سمجھنے کی کوشش کرتے رہے کہ حقیقت میں وہ کیا کہنا چاہتے ہیں اور کس سے کہنا چاہتے ہیں۔ جناب والا میں اس وقت صرف چار نکات پر بات کروں گی اور میں موضوع سے ادھر ادھر ہونے کی کوشش نہیں کروں گی اور نہ ہی جناب والا! میری یہ نیت ہے کہ میں کسی بات کا بہانہ دے کر کسی کو روئے سخن کسی کی طرف کرکے کس کو اپنے طنز و طعنے کا نشانہ بناؤں۔

جناب والا! پہلا نکتہ یہ ہے کہ آزادی صحافت اور آزادی تحریر و تقریر " کیا ہے اور جناب والا! دوسرا نکتہ یہ ہے کہ "صحافت" کسی بھی ملک کا چوتھا ستون ہوتا ہے اور تیسرا نکتہ یہ ہے کہ "صحافت کا اور جمہوریت" کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے اور آگے میں جو نکتہ میں پیش کروں گی وہ ایک تجویز کی صورت میں ہو گا۔ کہ اندریں حالات حزب اختلاف اور حزب اقتدار کا رویہ پریس کے ساتھ آزادی صحافت کے ساتھ آزادی تحریر و تقریر کے ساتھ کس قسم کا ہونا چاہیے۔ جناب والا! آپ مجھے اجازت عنایت فرمائیں کہ میں آزادی

تحریر و تقریر یہاں پر بیان کروں اور میں یہ تھوڑا سا متن پڑھ کر سناؤں یہ میں نے انسائیکلوپیڈیا میں سے اس لیے نقل کیا ہے تاکہ اس کی wording صحیح کی صحیح آپ کے سامنے پیش کر سکوں۔ کہ freedom of expression کیا ہے۔ آزاد اور جمہوری ممالک میں عوام کو تحریر و تقریر کی مکمل آزادی ہوتی ہے عوام کو حق حاصل ہوتا ہے---- قطع کلامیاں---- جناب والا! کوئی کوٹیشن کوئی متن، کوئی مطلب، ڈکشنری میں سے کوئی لفظ، لفظ کی تشریح اس کی تفسیر کلام پاک کی آیت، آیت کی تشریح اور اس کی تفسیر سب کچھ پڑھا جا سکتا ہے۔ جناب وصی ظفر صاحب آج کچھ اور موڈ میں ہیں۔ آزاد ممالک میں عوام کو تحریر و تقریر کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔ عوام کو حق حاصل ہوتا ہے کہ حکومت کی طریق کار پر نکتہ چینی کر سکیں اور اپنے مطالبات کو جرأت کے ساتھ حکومت کے سامنے پیش کر سکیں آزادی تحریر و تقریر کے ساتھ ساتھ حکومت کی طرف سے کچھ پابندیاں بھی عائد ہوتی ہیں جن کے تحت کسی مقرر یا اخبار نویس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کوئی ایسی تقریر کرے یا مقالہ لکھے جس سے ملک میں رہنے والی مختلف قومیتوں کے درمیان منافرت یا بدامنی پھیلنے کا اندیشہ ہو یا اس سے ملک کی سالمیت کو کوئی خطرہ لاحق ہو اس کے ساتھ انہیں اس امر کی بھی اجازت نہیں ہوتی کہ وہ کسی کی ذات، مذہب یا عقیدے کے خلاف کوئی بات لکھیں یا کہیں۔ جناب والا! یہ تو تفسیر freedom of expression کی۔ اب انسائیکلوپیڈیا آزادی صحافت کے بارے میں لکھتا ہے freedom of expression آزادی کے لغوی معنی بیرونی مداخلت کا فقدان ہے اور آزادی صحافت سے مراد اخبارات و رسائل کو اس امر کی آزادی دینا ہے کہ اگر وہ حکومت کے کسی فعل کو ناپسند کریں تو اس پر تنقید کر کے رائے عامہ کو اس کی خرابیوں سے آگاہ کر سکیں۔ اخبارات و رسائل کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ جو چاہیں چھاپیں بشرطیکہ ان کا ایسا کرنا کسی تعزیری قانون کے خلاف نہ ہو۔ ہر مہذب ملک میں اخبارات کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی مسئلے پر اپنی دیانت دارانہ رائے کا پوری آزاد کے ساتھ اظہار کرے۔ اگر ایسا نہ ہو تو کوئی قوم سیاسی، اخلاقی یا ذہنی لحاظ سے ترقی نہیں کر سکتی۔ جناب والا! یہ تو مستند تاریخ ہے آزادی صحافت کی اور آج ہم اس تاریخ کو من عن اس طرح ہی مانتے ہیں۔ جناب والا! میں حزب اختلاف سے یہ پوچھنے کی جسارت کرتی ہوں کہ کیا آزادی صحافت یا آزادی تحریر و تقریر کی ہم نے منافی کی ہے۔ اس کے لیے ہم نے کوئی ایسا قانون بنایا ہے جو اس کے خلاف ہو، جناب والا! اس فورم پر کھڑے ہو کر ہم سب بھی تو یہی کہہ رہے ہیں کہ

کسی بھی جمہوری ملک میں آزادی ہونی چاہئے۔ آزادی تحریر' آزادی تقریر اور آزادی صحافت ہونی چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ جناب والا! ہم یہ کہتے ہیں کہ صحافیوں کو عزت نفس کے ساتھ زندہ رہنے کا حق دیا جانا چاہیے۔ جس طرح میں نے ابھی عرض کیا کہ صحافت حکومت کا چوتھا ستون ہے۔ جناب والا! اگر آپ حکومت کو ایک پایہ تخت سمجھیں اور اس کا ایک پایہ اس میں سے نکال دیں تو آپ کو محسوس ہو گا کہ وہ تخت سلامت نہیں رہ سکتا وہ تخت ہلنا شروع ہوتا ہے۔ وہ تخت لنگڑانا شروع کر دیتا ہے۔ جناب والا! دستور ساز اسمبلیاں ایک ستون' عدلیہ اس کا دوسرا ستون' انتظامیہ اس کا تیسرا ستون اور صحافت اس کا چوتھا ستون ہے۔ جب حکومت کا یہ چوتھا ستون نہ ہو تو اس کے بغیر حکومت کیسے چل سکتی ہے۔ جمہوریت کیسے چل سکتی ہے۔ سیاست کیسے چل سکتی ہے اور اس کی نفی ہم کیسے کر سکتے ہیں اور ہم کس طرح سے ان کو تکالیف پہنچا سکتے ہیں اور ہم ان پر کس طرح سے تشدد کر سکتے ہیں۔ کیونکہ صحافی نہ صرف نکتہ ور ہوتے ہیں۔ نہ صرف سخن ور ہوتے ہیں۔ نہ صرف چارہ گر ہوتے ہیں بلکہ یہ بادشاہ گر ہوتے ہیں۔ یہ چاہیں تو بادشاہ بنا دیں یہ چاہیں تو رائے عامہ کو استوار کریں۔ یہ چاہیں تو رائے عامہ کو ہموار کریں۔ ہم انکی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں ۔ جناب والا! لیکن میں آپ کے توسط سے قابل احترام حزب اختلاف سے یہ پوچھنے کی جسارت کرتی ہوں کہ جس وقت وفاقی حکومت کی طرف سے "جنگ" کراچی پر حملہ ہوا تھا۔ تو اس وقت یہ لوگ کہاں پر تھے جناب والا! اس وقت بھی واویلہ کیوں نہیں مچایا گیا۔ یہ شروعات کس کی طرف سے کی گئیں۔ ہم نے اس وقت بھی منع کیا تھا کہ ستم کی اس تیغ کو اس طرح سے مت چلاؤ کہ یہ یہاں پر رواج بن جائے۔ جناب والا! جب اسلام آباد میں "مرکز" کے دفتر پر حملہ ہوا اور ان صحافیوں کی عزت نفس کو مجروح کیا گیا اور ان کے دفاتر جلائے گئے تو اس وقت جناب حزب اختلاف کہاں تشریف فرما تھے اور جب "نوائے وقت" راولپنڈی کے دفاتر کو جلایا گیا اور اس پر حملہ کیا گیا اور انکی عزت نفس کو مجروح کیا گیا اور ان کی پگڑیوں کو اچھالا گیا اس وقت یہ قابل صد احترام یہ حزب اختلاف کہاں تھے اور جناب والا جو بار بار فرماتے ہیں کہ ہم نے اجلاس بلایا اور انہوں نے ہائی جیک کر لیا۔ ہم نے اجلاس بلایا یہ ہمارا تمہارا کیا ہوتا ہے کیا یہ صحافت کو بھی ہمارے اور تمہارے خانے میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ درست ہے جناب والا! ان کی صحافت دیکھئے اور پھر سارے ملک کی صحافت دیکھیے۔ افسوس صد افسوس آج حزب اختلاف نے اور ہماری مرکزی حکومت نے ہماری صحافت کو قومی صحافت

نہیں رہنے دیا۔ حمید نظامی (مرحوم) نے کہا تھا کہ قلم کی بھی عصمت ہوتی ہے بلکہ اسی طرح سے جس طرح سے کسی ماں بہن کی عصمت ہوتی ہے۔ جناب والا! یہ صحافی یہ قلم کی عصمتوں کے امین ہوتے ہیں۔ پھر یہ اتنے بدقسمت کیوں ہو گئے۔ اس جمہوری دور میں اور پچھلے جمہوری دور میں قلم کو خریدنے کی کوشش کی گئی۔ ضمیر کو خریدنے کی کوشش کی گئی۔ زبان کو خریدنے کی کوشش کی گئی۔ ذہن کو خریدنے کی کوشش کی گئی۔ جناب انہوں نے پہلے بھی بولی لگا کر جو یہاں ایک منڈی بنائی تھی اور اب بھی انہوں نے ہی یہ منڈی بنائی ہے۔ ہم تو جناب اس وقت بھی فریاد کرتے رہے۔ پچھلا جو اجلاس ڈیڑھ ماہ کا ہوا۔ جناب سپیکر! اس میں تو روئے سخن میں بھی فرق تھا جناب والا! اس میں ہم چلا رہے تھے ہم رو رہے تھے کہ دیکھئے ان صحافیوں کی عزت نفس کو مجروح مت کیجیے یہ ہمارا روئے سخن مرکز کی طرف تھا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے حالات بدل گئے اور ان کا رخ پنجاب حکومت کی طرف ہو گیا اس سے یہ مراد ہے کہ حزب اختلاف والے کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈتے ہیں کہ کوئی چھوٹی سی بات ہو تفرقہ ڈالنے کی یا حکومت پنجاب کو تنقید اور تنقید کا نشانہ بنانے کی۔ اس وقت بھی صحافیوں نے یہی کہا کہ جناب ہمارے حقوق کا تحفظ کیجیے۔ اسلام آباد میں علمائے کرام نے ایک جلوس نکالا اور وہ شیطان صفت سلمان رشدی کے خلاف تھا لیکن وہاں پر ان پہ گولی چلائی گئی اور اس کے خلاف علماء پر گولی چلائی گئی۔ اس وقت حزب اختلاف خاموش رہی۔ جب انہوں نے صحافیوں کے تمام حقوق سلب کر لیے اس وقت بھی یہ خاموش رہے اور آج جو کچھ پنجاب میں ہوا ہے۔ جناب سپیکر! میں خود اس کی مذمت کرتی ہوں میں یہ کہتی ہوں کہ چونکہ صحافی بادشاہ گر ہوتے ہیں۔ صحافی چونکہ چوتھا ستون ہوتے ہیں اس لیے ہمیں انکی عزت نفس بہت عزیز ہے۔ ہمیں ان کا تحفظ بہت عزیز ہے۔ ہمیں ان کے حقوق بہت عزیز ہیں اور میں ان کا احترام بہت عزیز ہے اور دنیا کی کوئی جمہوری سلطنت، کوئی جمہوری ملک، کوئی عوامی حکومت صحافیوں کے بغیر نہیں چلتی نہ چل سکتی ہے۔ جمہوریت صحافت کے بغیر نہیں رہ سکتی اور صحافت جمہوریت کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ سیاست صحافت کے بغیر نہیں چل سکتی اور صحافت سیاست کے بغیر نہیں چل سکتی۔

جناب والا! اس لیے آج ہم صحافیوں کو اسی طرح قابل صد احترام سمجھتے ہیں۔ احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ غالباً اس معزز ایوان کو یاد ہو گا کہ پچھلے عرصہ میں میں نے ایک قرار داد منظور کروائی

تھی اس میں میں نے یہ عرض کیا تھا کہ صحافیوں کے لیے ایک فنڈ مخصوص کیا جائے اس میں سے ان کو تمام زندگی کی سہولیات دی جائیں۔ ان کی عزت نفس بحال کی جائے ان کے بچوں کو وظائف دیے جائیں۔ ان کو رہنے کے لیے گھر دیئے جائیں۔ ان کو رہائش کی سہولتیں دی جائیں۔ ان کے لیے وہ تمام سامان آسائش و آرائش ہونا چاہیئے جہاں وہ سکون کے ساتھ بیٹھ کر لکھ سکیں۔ پڑھ سکیں۔

حضور والا! اگر میں صحافی کی تعریف کروں تو وہ صرف اتنی سی تعریف ہے صحیح ہوتی ہے تو صحافی صبح کو جگاتا ہے۔ حضور والا! اپنے قلم سے صبح کو صحافی جگاتا ہے۔ انسانیت کے جسم کے اوپر جتنے داغ ہیں وہ اپنے قلم سے چن لیتا ہے اور پھر وہ شام کو کاغذ کے اوپر ان کو اس طرح سے بکھا دیتا ہے جیسے آسمان پر ستارے بکھے ہوئے ہوتے ہیں۔

جناب چیئرمین ، شکریہ بیگم صاحبہ۔

بیگم بشریٰ رحمان ، جناب والا! مجھے ایک منٹ اور دیجیے میں اسے ختم کر لوں۔ جناب والا! میں ایک تجویز پیش کرنا چاہتی ہوں۔ چونکہ جذبات انگیز تقریریں تو ادھر سے بھی بہت ہوئی ہیں لیکن ابھی تک انہیں معلوم نہیں ہوا کہ وہ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ ہم سب بھی وہی کچھ کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ لیکن ایک تجویز میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتی ہوں اور وہ تجویز پیش کرنے سے پہلے اگر آپ مجھے ازراہ عنایت۔ نوازش تھوڑی سی اجازت دیں تو میں ایک سٹیج ڈرامے کا ایک ڈائیلاگ سنا دوں۔ میرا خیال ہے وہ حزب اختلاف کے لیے بہت صحیح ہو گا۔

جناب والا! ایک سٹیج پر ڈرامہ ہو رہا تھا۔ ڈرامے میں بادشاہ سلامت اپنے بیٹے سے پوچھتے ہیں کہ جان پدر تم نے اس لڑکی کو کہاں دیکھا تھا۔ بیٹے نے کہا ابا حضور میں نے اسے کل مینا بازار میں دیکھا تھا۔

چودھری محمد وصی ظفر ، ہم الحمرا ہال میں نہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔

بیگم بشریٰ رحمان ، جناب والا! یہاں تو ہر روز جو ڈرامہ ہوتا ہے وہ الحمرا سے بھی اونچا ہوتا ہے۔ یہاں تو کریکٹر ایکٹر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایسی ایسی باتیں ہوتی ہیں اور ہم سنتے ہیں۔

جناب چیئرمین ، آپ اپنی بات جلد مکمل کریں۔

بیگم بشریٰ رحمان ، جناب والا! بات سن لیجیے۔ بادشاہ سلامت نے کہا کہ جان پدر تمہیں اس لڑکی میں کیا پسند آ گیا ہے کہ تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو تو اس کے بیٹے نے وصی ظفر کی طرح مسکراتے

ہوئے کہا کہ ابا حضور اس کے رخساروں پر کالا کالا تل ہے ہمیں وہ پسند آ گیا ہے۔ بادشاہ سلامت نے تالی بجائی اور وزیر کو بلایا اور کہنے لگا علی قلی خان آج کے نوجوانوں کی عقل ماری گئی ہے ایک ذرا سے تل کے لیے سالم عورت سے شادی کر لیتے ہیں۔ چھوٹی سی بات کے لیے پیپلز پارٹی والے ہنگامہ کرنا اس کو اپنی عادت سمجھتے ہیں۔

جناب والا! آخر میں میں ایک تجویز پیش کرنا چاہتی ہوں کہ ہمارے پاس پہلے سے صحافیوں کے لیے ضابطہ اخلاق ہے۔ لیکن میں نے یہ عرض کیا تھا کہ موجودہ حالات میں حزب اختلاف کو حزب اقتدار کو کیا کرنا چاہئے اس کے لیے ایک تجویز ہے کہ حزب اختلاف کو حزب اقتدار کے ساتھ مل کر سی۔ پی۔این۔ای والوں کے ساتھ بیٹھ کر اس ضابطہ اخلاق کو ایک بار پھر دھرانا چاہئے۔ اس میں پھر تھوڑی سی ترامیم کرنی چاہئیں اور حکومت کے ساتھ تعاون کر کے صحافیوں کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے اس پر عمل درآمد کے لیے کام کرنا چاہئے اور اس بات پہ تعاون کرنا چاہئے کہ وہ ضابطہ اخلاق جو صحافیوں کے لیے بنایا گیا ہے اس پر نظرثانی ہو جائے اور وہ لاگو ہو جائے۔ جناب والا! اس پر عمل درآمد کے لیے کام کرنا چاہئے۔ اگر اس میں کوئی کمی محسوس کرتے ہیں اس دور میں جو کہ عوامی اور جمہوری دور ہے۔ صحافیوں کے حقوق سلب کیے جا رہے ہیں تو ان کو اس میں شامل کر کے سی۔پی۔این۔ای والوں کے ساتھ بیٹھ کے ایک اور ضابطہ اخلاق بنا لیں۔ بجائے شور مچانے کے واویلا کرنے میرا خیال ہے اس سے بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔ شکریہ۔

جناب چیئرمین ، سید ذاکر حسین شاہ صاحب

سید ذاکر حسین شاہ ، جناب سپیکر! وزیر اعظم نواز شریف کا بیڑ اونچا کرو یہ تھا وہ قصور یہ تھا وہ گناہ۔ یہ تھی وہ غلطی روزنامہ "جنگ" لاہور کی کہ انہوں نے اس خبر کو شائع کیا۔ اس پر جب اعتراض ہوا تو اخبار والوں نے کہا کہ اس بات کا ہمارے پاس ثبوت ہے کہ وزیر اعلیٰ پنجاب نے جلسے میں یہ کہا تھا کہ وزیراعظم نواز شریف کا بیڑ اونچا کرو۔ دوسرے دن وزیر اعلیٰ نے کہا کہ یہ اخبار جھوٹا اخبار ہے۔ صرف اتنی سی بات پر صرف اتنی سی خبر کی اشاعت پر اخبار کے دفتر پر حملہ کیا گیا۔ اخبار کے دفتر کو آگ لگائی گئی۔ اخبار کے بندھے ہوئے بنڈل کو نذر آتش کیا گیا۔ صحافیوں کو ہراساں کیا گیا۔ اتنے بڑے اخبار کے دفتر میں غنڈہ گردی' بدمعاشی اور ہلڑبازی کی گئی۔

جناب سپیکر! یہ چند خود سر۔ بے قابو اور جذباتی نوجوانوں کا ذاتی فعل تھا یا اس میں کسی اور کی حمایت شامل تھی۔ اس حملے کا پس منظر جاننے کے لیے ہمیں اس حملے سے پہلے والے چند واقعات کو بھی پیش نظر رکھنا ہو گا۔ پہلے وزیر اعلیٰ پنجاب اخبار کی پالیسی پر برہم ہوئے غصہ نکالا اور اخبار کے اشتہار کو بند کر دیا گیا۔ پھر روزنامہ "جنگ" کے مالکان کو ایک نوٹس جاری کیا گیا کہ بائی لاز کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ عمارت تعمیر کی گئی ہے کیوں نہ اس کو گرا دیا جائے۔

بیگم راج حمید گل ، پوائنٹ آف آرڈر ۔ جناب سپیکر! میرے بھائی غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں کہ سیالکوٹ کے جلسے میں یہ کہا گیا تھا کہ بینر کو اونچا کیا جائے۔ جبکہ جلسے میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ (قطع کلامیاں)

جناب سپیکر! اسی بات کے بارے میں اخبار نے کہا تھا کہ ہمارے پاس ثبوت موجود ہے اور وزیر اعلیٰ نے اس کی تردید کی تھی۔

جناب والا! یہ کہ کیوں نہ اس عمارت کو گرا دیا جائے۔ اخبار کی پالیسی پر وزیر اعلیٰ کی تنقید۔ اخبارات کے اشتہارات کی بندش اور اخبار کی عمارت گرانے کا نوٹس ۔ یہ تین واقعات ہیں جو روزنامہ "جنگ" پر حملے سے پہلے پیش نظر رکھنے چاہئیں۔ نہیں جناب والا! ایم۔ایف۔ایس کے چند بے قابو اور جذباتی نوجوانوں کا ذاتی فعل نہیں تھا۔ اس میں حکومت پنجاب کی ایماء شامل تھی۔ اس میں وزیر اعلیٰ کی آشیر باد شامل تھی۔ جب اس واقعہ پر احتجاج کرنے کے لیے union of journalists لاہور نے جلوس نکالا تو جب وہ جلوس مسلم ہاؤس کے پاس سے گزر رہا تھا اس جلوس کی قیادت نثار عثمانی' بدرالسلام بٹ اور جناب ناصرنقوی جیسے لوگ کر رہے تھے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پولیس آزادی اظہار رائے کے حق میں جلوس نکالنے والے صحافیوں کی جانوں کا تحفظ کرتی۔ لیکن مسلم لیگ ہاؤس کے اندر سے صحافیوں کے جلوس پر فائرنگ کی گئی۔ کلاشنکوف سے گولیاں چلائی گئیں۔ صحافیوں پر ادھر ادھر چھپ کر گولیاں چلائیں۔ انھوں نے اپنی طرف سے تو صحافیوں پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ پہلے دن صحافت پر حملہ کیا گیا اور دوسرے دن صحافیوں پر حملہ کیا گیا۔ نہ صرف گولیاں چلائی گئیں۔ بلکہ مسلم لیگ ہاؤس کے اندر سے صحافیوں کو ننگی گالیاں دی گئیں اور انھیں برا بھلا کہا گیا۔

بیگم نجمہ حمید ، جناب والا! یہ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ میں موجود تھی۔ ہماری میٹنگ ہو رہی

تھی۔ انھوں نے اس وقت یہ روّیہ اختیار کیا کہ چیف منسٹر صاحب کے خلاف بہت نعرہ بازی کی اور گالیاں نکالیں۔

جناب چیئرمین ، بیگم صاحبہ! انھیں اپنی بات مکمل کر لینے دیں۔

بیگم نجمہ حمید ، وہ غلط بیانی تو نہ کریں ناں

جناب سپیکر ، اپنی باری آنے پر اپنی تقریر میں ان کی تصحیح کر دیجیے گا۔

SARDAR SIKANDAR HAYAT KHAN: Point of order Mr. Speaker, I would again like to point out how freedom of press is, important Mr. Nawaz Sharif, the Honourable the Leader of the House should have been here, he should have been present in the House. Mr. Speaker, if he is not here the co-Chief Minister, his brother..........

جناب چیئرمین ، یہ پوائنٹ آف آرڈر نہیں بنتا۔ شاہ صاحب! آپ اپنی بات جاری رکھیں۔

سید ذاکر حسین شاہ، جناب سپیکر! مجھے توقع تھی کہ میری کچی باتوں کا رد عمل ضرور ظاہر ہو گا۔ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ میں یہی چاہتا تھا۔

جناب سپیکر! صحافت پر حملہ اور صحافیوں پر حملہ' یہ دو حملے ہیں۔

SARDAR SIKANDAR HAYAT KHAN: It is an important matter and the press has walked out in protest because of irrelevant remarks made by certain honourable members especially by lady members. I would request you to take up this matter and the Chair to ask honourable member from the Treasury Benches and the honourable member from the Opposition Benches to go and kindly the press to return to the Press Gallary.

ایک فاضل رکن ، ٹریژری بنچز کی طرف سے remarks پر سارے صحافی واک آؤٹ کر گئے ہیں۔ ذرا ادھر بھی توجہ دیں۔

جناب چیئرمین، اس سلسلے میں بیگم بشریٰ رحمٰن صاحبہ اور سردار صاحب سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ مہربانی کر کے تشریف لے جائیں اور صحافی صاحبان کو گیلری میں واپس آنے کے لیے کہیں۔ سید ذاکر حسین شاہ صاحب' آپ اپنی بات جاری رکھیں۔ سلمان تاثیر صاحب اس معاملے کو ختم ہونے دیں۔ دو معزز رکن جا رہے ہیں۔ انھیں بات کرنے دیں۔

جناب سلمان تاثیر، یہ کہنا کہ چونکہ وزیراعلیٰ کے خلاف نعرے لگائے گئے تھے' اس لیے ہم ان پر گولیاں برسا سکتے ہیں' میں سمجھتا ہوں کہ ایسی بات تو اس اسمبلی میں کبھی نہیں ہوئی ہو گی۔ اور نہ کسی اور اسمبلی میں۔

سید ذاکر حسین شاہ، جناب سپیکر! یہی تو ان میں خامی ہے۔ یہی تو ان میں نقص ہے۔ یہی تو ان میں عیب ہے۔ پہلے بھی انھوں نے سچی بات کو برداشت نہیں کیا اور اخبار پر حملہ کیا۔ آج میں ایوان میں سچی بات کر رہا ہوں تو برداشت نہیں کر رہے۔ جناب والا! جمہوریت میں اختلاف رائے ہوتا ہے۔ یہ جمہوریت کا خاصہ ہے۔ جہاں اختلاف رائے نہ ہو' جہاں حزب اختلاف اور حزب اقتدار نہ ہو وہاں جمہوریت نہیں پنپ سکتی۔ وہاں جمہوریت کو نمو اور فروغ حاصل نہیں ہو سکتا۔ پہلے انھوں نے چھوٹی سی بات پر اخبار کو جلایا اور صحافیوں پر گولی چلائی۔ اور آج جب میں نے یہاں بات کی ہے تو اس پر معترض ہوئے۔ انھیں چاہیے تھا کہ اپنی سابقہ غلطی کا یہاں کفارہ ادا کرتے۔ انھوں نے صحافت اور صحافیوں کے ساتھ جو پہلے زیادتی کی ہے اس کی تلافی کرتے۔ لیکن ابھی تک یہ اپنے غلط اقدام پر مصر ہیں۔ جو بھی آواز صحافت اور صحافیوں کے حق میں اٹھتی ہے اس کے خلاف رد عمل کرتے ہیں۔ کسی بھی حکومت' کسی بھی فرد' کسی بھی شخص اور شخصیت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی اخبار کی آزادانہ پالیسی پر اثر انداز ہو۔ دنیا بھر میں اخبارات حکومتوں کے خلاف لکھتے ہیں۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی کی مرضی کے خلاف کوئی خبر شائع کرنے پر اس اخبار پر حملہ کیا جائے۔ اگر کسی اخبار کے اداریوں اور خبروں یا پالیسیوں سے اتفاق نہیں تو وہ اس اخبار کا بائیکاٹ کر سکتے ہیں۔ اس اخبار کو نہ پڑھیں۔ اپنے متعلقین' اپنے مقلدین' اپنے ساتھیوں اور حواریوں سے کہیں کہ جناب' اس اخبار کی پالیسی ہماری پالیسی سے متفق نہیں' ہم اس اخبار کی پالیسی کو ناپسند کرتے ہیں' اس لیے اس اخبار کا مقاطعہ کیا جائے۔ اس اخبار کا بائیکاٹ کیا جائے۔ اس اخبار کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ یہ ہیں وہ طریقے' جو کسی اخبار کے خلاف اپنائے

جا سکتے ہیں۔ اگر مسلم لیگ والے' حزب اقتدار والے پنجاب میں یہ مہذب طریقہ اختیار کرتے تو یہ انھیں حق تھا۔ لیکن اس بناء پر کہ چونکہ وہ اخبار ان کی پالیسی کے مطابق خبریں شائع نہیں کرتا' لہذا اس اخبار کو تقسیم نہ ہونے دیا جائے' اس اخبار کی اشاعت نہ ہونے دی جائے۔ اس اخبار میں کام کرنے والوں کو ہراساں کیا جائے۔ صحافیوں پر فائرنگ کرکے انھیں خوف زدہ کیا جائے' دہشت پھیلائی جائے۔ یہ مہذب لوگوں کا کام نہیں۔ یہ جمہوریت پسند لوگوں کا طریقہ نہیں۔ یہ جمہوریت کا دعویٰ کرنے والوں کو زیب نہیں دیتا۔ جناب والا! میں آپ کی خدمت میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں اس سے قبل کبھی بھی یہ نہیں ہوا کہ کسی چھوٹی سی خبر کی اشاعت پر کسی اخبار پر حملہ کیا گیا ہو۔ یہ بھی پاکستان کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا کہ اخبار والے جلوس نکالیں تو ایک سیاسی جماعت کے دفتر کے اندر سے ان پر فائرنگ کی جائے۔ اور ملزمان کو گرفتار نہ کیا جائے۔۔۔

حاجی عرفان احمد خان ڈاہا، جناب سپیکر! میں شاہ صاحب سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ شاید بھول گئے ہیں کہ ابھی تھوڑا عرصہ پہلے کراچی میں "جنگ" اخبار کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی تھی۔ وہ بھی اسی طرح ایک چھوٹی سی خبر تھی۔

جناب چیئرمین، انھیں اپنی بات مکمل کر لینے دیں۔ شاہ صاحب' آپ اپنی بات جاری رکھیں۔

سید ذاکر حسین شاہ، شکریہ۔ جناب سپیکر! پریس کی آزادی' یا آزادی صحافت کو آئین میں تحفظ حاصل ہے۔ پاکستان کے آئین کی دفعہ 19 ملاحظہ فرمائیں۔ اس آرٹیکل میں صاف کہا گیا ہے۔

"Every citizen shall have the right to freedom of speech and expression , and there shall be freedom of the press , subject to any reasonable restrictions imposed by law in the interest of the glory of Islam or the integrity , security or defence of Pakistan or any part thereof , freindly relations with foreign States , public order , decency or morality , or in relation to contempt of court (commission of) or incitement to an offence.

اسلام کی عظمت پاکستان یا اس کے کسی حصہ کی سالمیت سلامتی یا دفاع غیر ممالک اشتراک کا انعقاد

امن عامہ تہذیب اخلاق کے پیش نظر یا توہین عدالت کسی جرم کے ارتکاب یا اس کی تہذیب سے متعلق قانون کے ذریعے عائد کردہ مناسب پابندیوں کے تابع ہر شہری کو تقریر اور اظہار خیال کی آزادی کا حق ہو گا۔ اور پریس کی آزادی ہو گی۔ اور پریس کی آزادی بنیادی حقوق میں شامل ہیں۔ بظاہر یہ اخبار پر حملہ ہے لیکن اصل میں یہ بنیادی حقوق پر حملہ ہوا ہے۔ یہ آئین کی دفعہ 19 پر حملہ ہے۔ اس ملک میں جمہوریت کے مستقبل کو مخدوش اور تاریک کرنے کے لیے ایک اہم قدم ہے۔ یہ لوگ ایک عرصہ سے کوشاں ہیں کہ کسی طرح سے اس ملک میں جمہوری process چل رہا ہے۔ جو جمہوری عمل چل رہا ہے۔ اس کی بساط لپیٹ دی جائے۔ پہلے انہوں نے ہر کوشش کی کہ اس ملک میں موجودہ جمہوری تجربے کو ناکام بنایا جائے۔ انہوں نے بار بار کوشش کی کہ اس ملک میں مارشل لاء لگایا جائے جناب والا! یہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ کہ اب صحافت پر قدغن صحافت پر قیود صحافت پر حملے یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک میں ہمیشہ کے لیے جمہوری راہیں مسدود کر دی جائیں۔ جمہوری راستے بند کر دیے جائیں۔ اور پھر آمریت لوٹ آئے کیونکہ ان کو فائدہ آمریت سے ہے۔ اور یہ فطرت کی بات ہے۔ جس کو جس نظام سے فائدہ ہوتا ہے اس نظام کی حمایت کرتا ہے۔ چونکہ ان کو نظام آمریت سے فائدہ ہے۔ اس لیے یہ چاہتے ہیں کہ دوبارہ آمریت لوٹ آئے ورنہ اگر یہ جمہوریت کے علم بردار ہوتے تو یہ کبھی بھی صحافت پر حملہ نہ کرتے۔ آخری بات جو میں آپ کی وساطت سے ان کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مارشل لاء دور میں صحافیوں کی ننگی پیٹھوں پر کوڑے مارے گئے۔ صحافیوں کو اذیتیں دی گئیں۔ صحافیوں کو مارا گیا اخبارات پر پابندیاں لگیں۔ اور اب مارشل لاء کی باقیات اور اخبارات پر حملے اور صحافیوں کے جلوسوں پر فائرنگ کر کے اور انہوں نے صحافیوں کو کوڑے مارے۔ انہوں نے صحافیوں پر فائرنگ کی۔ یہ ہے مشن جو یہ اپنے پیش رو کا حکومت پنجاب پورا کرنا چاہتی ہے۔ ہم اس فورم سے صحافیوں کو یقین دلاتے ہیں جب کبھی کسی قسم کا کسی طرف سے بھی صحافت پر حملہ ہوا یا صحافیوں کے خلاف کام ہوا تو ہم ان کے ساتھ ہوں گے اور ہم ان سے یہ کہتے ہیں۔

سچ بات پر ملتا ہے صدا زہر کا پیالہ
جینا ہے تو پھر جرأت اظہار نہ مانگو

جناب چیئرمین، بیگم فوزیہ بہرام صاحبہ۔

بیگم فوزیہ بہرام، جناب سپیکر! بہت بہت مہربانی کہ آپ نے مجھے اظہار خیال کا موقع دیا۔ صحافت وہ پیشہ ہے جسے دیانت داری اور اس کے وقار کو ملحوظ خاطر رکھ کر کیا جائے۔ تو معاشرے کے لیے انتہائی مقدم اور مقدس ثابت ہو سکتا ہے۔ معاشرے کے لیے اس طبیب اور اس مسیحا کا کردار ادا کر سکتا ہے۔ جو معاشرے کی ہر برائی پر انگلی رکھنے کے قابل ہے۔ صحافت کل بھی جمہوری معاشرے کے فروغ کے لیے مقدس اور مقدم تھی اور آج بھی ہے بات دراصل صحافت کے وقار کی تھی بات ان عناصر کو ظاہر کرنے کی ہے۔ جو اس مقدس پیشے کی دھجیاں اڑاتے رہے ہیں۔ اور اڑا رہے ہیں۔ جنہوں نے کل بھی قلم کو زبردستی عوام سے اپنی خامیوں کو چھپانے کے لیے استعمال کرایا اور سچ کو زور بازو سے جھوٹ میں تبدیل کرنے کی کوشش کی اور حقائق کو پوشیدہ رکھا۔ لیکن پھر بھی ان تمام کالی کرتوتوں کے ثبوت قلم بند ہیں۔ جن کو چھپانے کی کوشش کی گئی۔ اگر صحافت کی آزادی پر بحث کرنی مقصود ہے۔ تو سب سے پہلے ہم ان صحافیوں اور قلم کے ان مجاہدوں کو سلام پیش کریں جنہوں نے تمام تر مظالم برداشت کیے مگر قلم کو فروخت نہیں کیا۔ اور غیر جانب دار رہے۔ اور میں سلام پیش کرتی ہوں بھٹو مرحوم کے دور میں آزادی اظہار کے مجاہد زیڈ۔اے۔سلہری۔ "پاکستان ٹائمز" کے ایڈیٹر الطاف حسین قریشی اعجاز حسین قریشی۔ مجیب الرحمان شامی مولانا صلاح الدین آغا شورش کاشمیری کو اور میں روزنامہ "زندگی" کو سلام پیش کرتی ہوں چٹان کو، جسارت کو، لیل و نہار کو، اذان حق پنجاب پنچ کو جنہوں نے اس دور میں معاشرتی اور جسمانی تکالیف تو برداشت کیں مگر صحافت کے مقدس پیشے کے علم کو داغ نہیں لگنے دیا۔ اور آج ان احکامات کی بھی مذمت کی جانی چاہیے جنہوں نے اس مقدس پیشے کو انتقامی دور میں تبدیل کر کے اس پر حکم رانی کرنا چاہی جیسے بھٹو مرحوم کے دور میں Press & Publication Ordinance میں ترمیم کر کے اخبارات کے پریس کی تبدیلی کا طریقہ کار۔۔

بیگم نجمہ حمید، جناب سپیکر! پریس والوں کو جو میری بات ناگوار گزری ہے وہ اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں اس کے ساتھ ہی پریس والے پریس گیلری میں آ گئے ہیں۔

محترمہ بشریٰ رحمان، جناب سپیکر! تھوڑی دیر پہلے قابل صد احترام صحافی نجمہ بہن کی ایک بات کو برا مان کر چلے گئے تھے میں ان سے آپ کے توسط سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ پریس گیلری میں تشریف لے آئیں اور پریس گیلری کو رونق بخشیں۔

بیگم فوزیہ بہرام، جناب سپیکر! میں اس مقدس پیشے کے متعلق بات کر رہی تھی اور ان احکامات کی مذمت کی بات کر رہی تھی جنہوں نے اس پیشے کو انتقامی طور میں تبدیل کر کے اس پر حکم رانی کرنا چاہی اور اس بھٹو مرحوم کے دور میں Press & Publication Ordinance میں ترمیم کر کے ان احکامات کو تبدیل کر کے پیچیدہ بنایا گیا declaration کا حصول ناممکن بنا دیا گیا۔ اور بحیثیت سول ایڈمنسٹریٹر کے ہم جمہوریت کے نام لیواؤں نے Press Trust Board اور trusties کو توڑ دیا۔ 1971 ۔میں فوج نے مسلح غنڈوں سے پرو گریسو پیپرز کے کارکنوں کی جان بچائی جناب رانا صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ ماضی کی باتیں کوئی دلیل نہیں ہیں۔ اگر ماضی کی باتیں دلیل نہیں ہیں۔ تو موجودہ زمانے میں اسلام آباد میں مرکز کے دفتر پر کیوں حملہ ہوتا ہے۔ "جنگ" کراچی میں کیوں حملہ ہوتا ہے۔ "نوائے وقت" راولپنڈی میں کیوں حملہ ہوتا ہے۔ نیشنل ٹرسٹ کے "پاکستان ٹائمز" "مشرق" ۔ "امروز" اور مارننگ نیوز" کے ایڈیٹروں کو کس جرم میں برطرف کیا گیا سو سے زائد صحافی جو برطرف کیے گئے ہیں ان کی جگہ نااہل اور ناپسندیدہ صحافیوں کو کیوں ملازمتیں دی گئیں۔ اس وقت بھی سندھ ہائی کورٹ میں اور لاہور ہائی کورٹ میں سات petitions پیپلز پارٹی کی انتقامی کارروائیوں کے خلاف زیر سماعت ہیں۔ جناب والا! بات وہیں آتی ہے کہ ہمیں بحث اس بات پر نہیں کرنی چاہیے کہ صحافت کے مقدس پیشے کی اہمیت کیا ہے۔ ہمیں بات یہ کرنی ہے کہ اس مقدس پیشے کی اہمیت کو ختم کرنے کے لیے کون عناصر کام کر رہے ہیں۔ مگر اپوزیشن کی کسی تقریر میں ایسی بات کا نہ کوئی ذکر ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ جناب سپیکر! ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم عوام کو پاکستانی قوم کی حیثیت سے نکال کر گروہوں میں تبدیل کر رہے ہیں۔ ادھر سے ایک پارٹی کی بات ہوتی ہے۔ ادھر سے ایک دوسری پارٹی کی بات ہوتی ہے۔ صحافیوں کو غلط استعمال کر کے قوم کو معاشرتی انتشار میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ ذرائع ابلاغ کو زبردستی کردار کشی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اسمبلیوں کو لڑائی جھگڑے اور کیچڑ اچھالنے کی جگہ میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ ہم نے اس سوا سال میں قوم کی کیا خدمت انجام دی ہے۔ اور آج قوم ہمیں ایسے لیڈر سمجھتی ہے جن کی جیبیں لوٹ کھسوٹ اور ضمیر فروشی کی دولت سے بھری ہیں۔ میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ یہ قصور صحافت کا ہے نہیں یہ قصور صحافت کا نہیں یہ قصور ہمارے ان بیانات کا اور ان رویوں کا ہے جو ہم اخبارات میں شائع کراتے ہیں۔ کون ہے لیڈر نہ صرف یہ۔۔

ملک محمد وزیر اعوان: جناب والا! لکھی ہوئی تقریر پڑھنے کی اجازت ہے ؟ اگر اجازت ہے تو پھر ہمیں بھی اجازت دے دی جائے۔

بیگم فوزیہ بہرام: جناب والا! میں تحریر پڑھ نہیں رہی۔ بلکہ میں پوائنٹس دیکھ رہی ہوں۔

ملک محمد وزیر اعوان: جناب سپیکر! میں نے تو پوائنٹ آؤٹ کیا ہے۔

جناب سپیکر: بیگم صاحبہ! آپ کوئی پڑھ رہی ہیں ؟

بیگم فوزیہ بہرام: نہیں جی۔ میں تو پوائنٹس دیکھ رہی ہوں۔ ظاہر ہے کہ جب یہ تقریر میں نے خود ہی لکھی ہے تو مجھے یاد تو ہے۔ (قطع کلامیاں) بالکل ٹھیک ہے لیکن اس بات کا خیال رہے کہ ماہ رمضان ہے اور اس بات کا بھی خیال رہے کہ رمضان ہے کیا۔ یہ نہ ہو کہ ادھر باہر لابی میں بیٹھ کر سگریٹ پئے جائیں اور اندر آ کر کہا جائے کہ ماہ رمضان ہے۔

ملک محمد وزیر اعوان: جناب والا! میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں روزے سے ہوں۔

بیگم فوزیہ بہرام: ایک آپ ہوں گے کیا آپ سب کی قسم کھا سکتے ہیں ؟ جناب والا! بات کر رہی تھی کہ نہ صرف قوم بلکہ صحافی بھی ڈھونڈ رہے ہیں کہ کون ہے لیڈر جس کی آواز میں آواز ملائی جائے۔ کون ہے جو قوم کو ایک منزل کی سمت لے کر جانا چاہتا ہے ؟ کون ہے جو غریب عوام کو ایک دوسرے کے سامنے دشمن بنا کر کھڑا نہیں کرنا چاہتا؟ کون ہے جو ذرائع ابلاغ کو آزاد چھوڑ کر معاشرے کو بہتری کی جانب موڑ دینا چاہتا ہے ؟ اور کدھر ہے وہ ماحول جس میں صحافی صحیح صحافت کا حق ادا کر سکیں ؟ کدھر ہے وہ ماحول جس میں صحافی کسی ایک عام ایم پی اے کی جدوجہد کی کہانی بلا کسی خوف لکھنے کو تیار ہوں ؟ اور کدھر ہے وہ ماحول جس میں وہ باتیں جو یہاں پر میرے غریب ایم پی اے ساتھی اپنے حلقے کے عوام کی بہتری کے لیے کرتے ہیں وہ اخبارات کی زینت بنے ؟ جناب سپیکر! میں آپ کی وساطت سے اس ایوان میں بیٹھے ہوئے اپنے معزز ساتھیوں سے اور خاص طور پر ملک حاکمین صاحب جو آج موجود نہیں ان سے کہنا چاہتی ہوں جنہوں نے ایک روز قائداعظم رحمت اللہ علیہ کی تصویر سے مخاطب ہو کر بڑی جذباتی تقریر کی۔ میں انہیں کہنا چاہتی ہوں کہ قائداعظم رحمت اللہ علیہ روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ محترمہ فاطمہ جناح جیسی خواتین روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔ جب ہم بات آزادی صحافت کی کرتے ہیں' جب ہم اتنے sensitive اور دیانت داری موضوع اس ایوان میں تقریر اور بحث کے لیے لے

کر آتے ہیں تو ہمیں قوم کو تصاویر سے باتیں کر کے نہیں دکھانا ہے۔ ہمیں قوم کو یہ نہیں جانا کہ آج اگر قائداعظم رحمت اللہ علیہ نہیں ہیں تو ہم نے ان کی تصاویر سے باتیں کرنی ہیں۔ آج ہم میں سے ایک ایک آدمی کو اس قوم کی خاطر قائداعظم خود بننا ہو گا۔ ایک ایک عورت کو محترمہ فاطمہ جناح کا کردار ادا کرنا ہو گا۔ اور گفتار کی بجائے کردار کا وہ نمونہ اس قوم کو دکھانا ہو گا جس کی تلاش میں یہ قوم اپنا تشخص کھو رہی ہے۔ اور قوم کو یقین دلانا ہو گا کہ آزادی صحافت کو جمہوریت پامال نہیں کرتی۔ اور قوم کو یقین دلانا ہو گا کہ بذات خود جمہوریت اس ملک میں ناکام نہیں ہو سکتی۔ اس کے ساتھ ہی میں آپ سے اجازت چاہوں گی۔ شکریہ۔ (نعرہ ہائے تحسین)

سید ذاکر حسین شاہ، جناب سپیکر! ایک چھوٹی سی گزارش ہے کہ میری تقریر کے دوران حزب اقتدار کی دو خاتون رکن کی جانب سے صحافیوں کے بارے میں ریمارکس پر پریس والے چلے گئے تھے۔ جناب والا! میری تقریر کی اشاعت کا کوئی مناسب بندوبست کیا جائے۔

بیگم راج حمید گل، جناب سپیکر! میرے بھائی پھر غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں پریس والوں نے صرف ایک بہن کی بات پر اعتراض کیا تھا دوسری بہن کی بات پر اعتراض نہیں کیا تھا۔

جناب سپیکر، تو شاہ صاحب کی تقریر کی اشاعت کا کوئی بندوبست ہونا چاہیے۔ میرے پاس جو نام ہیں ان میں چودھری علی اکبر مظہر وینس صاحب بول چکے ہیں؟

چودھری علی اکبر مظہر وینس، نہیں جناب۔

جناب سپیکر، نہیں۔ اچھا پھر بسم اللہ کیجیے۔

چودھری علی اکبر مظہر وینس، جناب سپیکر! ہم نے یہ اجلاس ایک نہایت ہی اہم واقعہ پر بحث کرنے کے لیے طلب کیا ہوا ہے اور ہم اس پر بحث کر رہے ہیں۔ جناب والا! ایک اخبار جس پر ایک سیاسی جماعت کے طلباء کی تنظیم جس کا بڑا مقدس نام ہے ایم ایس ایف (مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن) اور وہ اپنے تئیں جناب قائداعظم علیہ رحمت کے جانشین بھی گردانتے ہیں۔ ان کی اس اخبار کے دفتر پر غنڈہ گردی اور صحافیوں پر ان کی فائرنگ جناب والا! ایک ایسے وقت میں جب ملک میں جمہوریت کا دور دورہ ہے۔ اور جمہوری حکومتوں میں ذرائع ابلاغ کسی حکومت کا جزو لاینفک ہوا کرتا ہے۔ اور اخبارات ذرائع ابلاغ کا ایک نہایت ہی اہم ستون ہوتا ہے ان پر ایک تنظیم کی طرف سے حملہ اور غنڈہ گردی کے

سلسلے میں جناب والا! افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے اس صوبے کے مقتدراعلیٰ یعنی سوچنا یہ ہے کہ اس کے پیچھے کون سا ذہن اور کون سی وہ پالیسی کارفرما ہے کہ جس کے تحت یہ عمل دہرائے جا رہے ہیں کہ وزیراعلیٰ پنجاب بار بار اس بات کا اعلان کر چکے ہیں اور اس حد کے ساتھ کر چکے ہیں کہ وزیراعظم پاکستان نے بھی انہیں فرمایا کہ ہمیں کالجوں اور یونیورسٹیوں کو کلاشنکوف اور بندوق سے پاک کر کے طلباء کے ہاتھوں میں قلم دینے کا بندوبست کرنا چاہیے۔ تو انہوں اس بات کو ٹال کر یہ کہا کر پہلے سیاست دانوں کو سیدھا کر لیں۔ پہلے اسمبلیوں کو سیدھا کر لیں۔ ممبروں کو سیدھا کر لیں اور انہوں نے اس بات کا اعادہ کیا کہ میں اپنے مخالفوں کو اس تنظیم کے ذریعے سیدھا کروں گا۔ تو جناب والا! میں اس ہاؤس کے فلور پر کھڑے ہو کر بڑے ادب سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس ایم ایس ایف میں کیا اس ہاؤس میں بیٹھے ہوئے کسی ممبر ' رکن کا کوئی بیٹا کوئی بھتیجا ہے یعنی اس کا کوئی ممبر ہے ؛ اور جناب وزیراعلیٰ کا اپنا بیٹا اپنا بھتیجا یا بھانجا اس ایم ایس ایف کا کوئی سربراہ یا کوئی لیڈر ہے جو ہاتھ میں بندوق لے کر وزیراعلیٰ صاحب کے مخالفوں پر جا کر فائرنگ کرتا ہے ؟ جناب والا! اگر ایسا واقعتاً ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وزیراعلیٰ صاحب کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اس تنظیم کو اپنے مخالفوں کو سیدھا کرنے کے لیے استعمال کرے۔ لیکن اگر جناب والا! ہمارے مقتدر لوگ' ہمارے ملک کے سرمایہ دار' ہمارے ملک کے اونچے طبقے کے لوگ' ہمارے ملک کے جاگیردار اور صنعت کار اپنے بچوں کو ان سکولوں میں قطعاً نہیں پڑھاتے جہاں ہمارے بچے پڑھتے ہیں یا غریب کے بچے پڑھتے ہیں۔ یہ اس ملک کے 95 فی صد 96 97 فی صد رہنے والوں لوگوں کے سوچنے کا مسئلہ ہے۔ جناب والا! میں نے آج تک چیف کالج میں ایم ایس ایف کا کوئی جلسہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا میں نے چیف کالج کے بچوں کو سڑکوں پر کھڑے ہو کر ٹائر جلاتے ہوئے آج تک نہیں دیکھا۔ جناب والا! کسی پبلک سکول میں' میں نے کسی تنظیم کا ذکر ہوتے نہیں دیکھا۔ جو تنظیم ہاتھوں میں کلاشنکوفیں لے کر ایک دوسرے پر فائرنگ کر رہی ہو۔ یہ صرف غریبوں کے بچے ہیں جن کو بطور ایم ایس ایف کے' جمعیت کے استعمال کیا جا رہا ہے اور اپنی دوکان داری اور اپنی سیاسی دوکانوں کو چمکایا جا رہا ہے۔ جناب والا! ہماری ایک محترم۔ ہماری ایک محترمہ' ہماری ایک نہایت ہی شیریں بیان قادر الکلام محترمہ ممبر صاحبہ نے یہ فرمایا کہ مجھے اپوزیشن کی کسی تقریر سے یہ سمجھ نہیں آئی کہ ہم کیا کہنا چاہتے ہیں ؟ جناب والا! میں ان کی خدمت

میں یہ عرض کرنی چاہتا ہوں کہ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جب تلوار اورقلم کی "جنگ" چھیڑ دی جائے تو اس میں جو فتح ہوتی ہے وہ ہمیشہ قلم کی ہوا کرتی ہے۔ شمشیر کی نہیں ہوا کرتی۔ اور جناب والا! شمشیر سے لکھے ہوئے الفاظ کے مقدر میں ہوتا ہے کہ وہ مٹ جایا کرتے ہیں اور قلم سے لکھی ہوئی تقاریر تاریخ کا حصہ بنا کرتی ہیں۔ جناب والا! ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب بھی کوئی مقتدر' جب بھی کسی ملک کا کوئی حاکم' کسی صوبے کا حاکم اپنے مخالفوں کو اس طرح سیدھا کرنے کی نویدیں سناتا ہے۔ تو اس کے پیچھے اس کی سیاسی تربیت اور اس کا پچھلا سارا ماضی عیاں ہوتا ہے کہ اس کی تربیت کس نہج پر ہوئی۔ کس بات پر ہوئی۔ تو سیاسی بلوغت نہ رکھنے والے لوگ جناب والا! تجوریوں سے اٹھا کر اور بڑے بڑے منصبوں پر آویزاں کر دیئے جانے والے لوگ جو حادثات اور واقعات کی وجہ سے کسی منصب پر فائز ہو جاتے ہیں ان کے ورثے میں یہی باتیں آیا کرتی ہیں اور وہ جمہوریت کو نہیں سمجھ سکا کرتے اور وہ جمہوریت کا خاصہ اور جمہوریت کی روح سمجھنے سے قاصر ہوا کرتے ہیں۔ جناب والا! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ کیا ہوا اور کیونکر ہوا اس کے پیچھے ایک بہت بڑا ہاتھ ہے حضور والا! آپ کی کوئی خبر غلط نہیں چھاپ سکتے ہیں اگر غلط چھپ جائے تو اس کی تردید ہوا کرتی ہے نہ کہ شمشیر اٹھا کر اس پر حملہ کر دینا یہ کوئی بات نہیں ہے اور یہ مطالبہ کرنا کہ میری خبر کو اہم کر کے چھاپا جائے یہ مطالبہ نہیں یہ دھونس ہوا کرتی ہے اور اخبارات پر اور ذرائع ابلاغ پر دھونس جمانا آزادی کو داغ دار کرنے کے مترادف ہوا کرتا ہے اور جناب والا! یہ بھی سنا جا رہا ہے کہ "جنگ" نے صلح کر لی ہے تو جناب والا! میں یہ عرض کروں گا اور یہ مانتے ہیں کہ جناب وزیراعلیٰ پنجاب بہت طاقت ور ہیں بہت بااختیار ہیں اور پنجاب کے مرد آہن ہیں لیکن اگر "جنگ" نے ان کی اس دھونس میں آ کر کلمہ حق گوئی اور بے باکی کے اس رویے کو بدلا تو جناب والا! "جنگ" کو یہ سوچنا پڑے گا کہ تمام صحافی برادری میں نہیں بلکہ پورے عوام الناس میں اس ملک کے تمام عوام میں اپنا وہ مقام جو وہ اس وقت حاصل کیے ہوئے ہے اس کو کھو دے گا اس کو دھونس اور دھاندلی کے سامنے اپنا سرنگوں نہیں کرنا چاہیے اور کلمہ حق گوئی کو جاری رکھنا چاہیے۔ تو جناب والا! یہ ایسا کیوں ہوا ہوتا یہ ہے ہے کہ جس کا کام ہوتا ہے اگر وہی لوگ کرتے ہیں تو وہ کام ٹھیک ہوتا ہے لیکن جب جناب والا سناروں کا کام لوہاروں کو دے دیا جائے تو پھر حضور والا! لوہار ہاتھوں میں کھنکنے والی چوڑیاں نہیں بنائیں گے وہ ہاتھوں میں لگنے والی بیڑیاں' ہتھکڑیاں اور مہلک ہتھیار

بنائیں گے اور لوہار نہیں سمجھا کرتا کہ لوہے کے کام ہونے اور سونے کے کام ہونے کا جو عمل ہے اس عمل کے بعد اس پر کون سا عمل آزمایا جاتا ہے۔ اس لیے جناب والا! جو لوگ حادثات کی وجہ سے اختلافات کی وجہ سے اور سیاسی نابلوغت کی وجہ سے ان منصبوں پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں پھر جناب والا! ان کے "جنگ" پر حملے کے عمل نے تاریخ میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ لوگ نہ سیاسی ہیں نہ جمہوری ہیں اور نہ ہی اسلامی ہیں حضور والا! اگر یہ لوگ سیاسی ہوتے تو انہیں یہ عمل بالکل نہیں دہرانا چاہیے تھا اگر یہ جمہوری ہوتے تو جمہوریت کی سیاست کے جو ذرائع ابلاغ ہیں وہ اخبار ہیں ابھی میری بہن نے یہ فرمایا کہ چوتھا ستون ہوا کرتے ہیں تو جناب والا! یہ کبھی اسے گرانے کے لیے نہ کرتے لیکن جناب والا! اس کا کیا علاج کیا جائے ہمارے اس طرف کے بیٹھے ہوئے بھائی ہمیشہ تاریخ کی پچھلی باتوں کو اٹھا کر چل پڑتے ہیں اور ان کی بالکل وہی صورت حال ہے کہ جس طرح کوئی آدمی کہتا ہے کہ پدرم سلطان بود کہ ہم قائداعظم رحمت اللہ کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جناب والا! میں ان سے پوچھتا ہوں کہ ٹھیک ہے قائداعظم رحمت اللہ بہت بڑے انسان تھے انہوں نے ہمیں آزادی دلائی ہم انہیں سلام کرتے ہیں لیکن تم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچو کہ آپ کیا ہو پدرم سلطان تو کوئی بات نہ ہوئی کہ میرا باپ بادشاہ تھا۔ آپ میں کون سی ایسی بات ہے جو قائداعظم کے پیروکاروں والی ہے افسوس کی بات تو جناب والا یہ ہے کہ اس معزز ایوان کے سامنے جو آزادیوں کا جمہوریت کا اور آئین کا علم بردار ہے اور نشان ہے اس کے سامنے ایک ایسی تصویر لگائی گئی جس پر تمام ڈکٹیٹروں کی تصویریں لگا کر ساتھ لکھا گیا کہ ہم انتظار میں ہیں جناب والا! یہ صورت حال ان کے ضمیر کی عکاسی کرتی ہے اور بابائے قائداعظم کے ساتھ اس سے بڑا اور ظلم کیا ہوگا کہ اس کے دونوں طرف ڈکٹیٹر اور جو اس ملک کے آئین کو روندنے والے' اس ملک کی سیاسی آزادی اور سیاست کو تباہ کرنے والے۔ جمہوریت کو تباہ کرنے والے اور اس ملک میں بسنے والے لوگوں کی شہری آزادی اور بنیادی حقوق کو پامال کرنے والوں کے فوٹو جناب قائداعظم رحمت اللہ کے ساتھ چھاپ کر اس سے اور بڑا ظلم قائداعظم رحمت اللہ کے ساتھ یہ لوگ اور کیا کر سکتے ہیں حضور والا! میں یہ گزارش کر رہا تھا کہ یہ لوگ اپنے ان مقاصد کے لیے طلباء کو استعمال کر رہے ہیں میں نے اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ عرض کیا ہے کہ خدا کے لیے طلبا پر رحم کرو اور یہاں یونیورسٹیوں کی حالت یہ ہے کہ وہاں پے کئی کئی سالوں سے اپنی

یونیورسٹیوں میں داخل نہیں ہو سکتے اور وہ اپنے گھر بیٹھ کر تنخواہیں لے رہے ہیں اور باقی استاد کلاشنکوفوں کے سائے میں آتے ہیں اور میں جناب والا! آپ کی وساطت سے ان سے ایک سوال کرنا چاہوں گا کہ مجھے اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ بات بتائیں جس ماں کا بچہ، جس ماں کا بیٹا، جس ماں کا لخت جگر کسی یونیورسٹی یا کالج میں جاتا ہے کیا وہ ماں سارا دن اپنے گھر میں سکون سے بسر کرتی ہے کیا اس کو یہ خطرہ لاحق نہیں رہتا کہ میرا بچہ نا جانے قتل ہو کر گھر واپس آتا ہے یا پھر جیل کی کال کوٹھڑی میں مجھے اس سے ملاقات کرنا پڑتی ہے۔ جناب والا! کون سی صورت حال ہے جنہوں نے اس صوبے میں قائم کر رکھی ہے خدا کے لیے میں ان کی منت کرتا ہوں یہ لوگ اپنے بچوں کو تو امریکہ میں پڑھاتے ہیں، اپنے بچوں کو ایچی سن کالج میں پڑھاتے ہیں اپنے بچوں کو ماڈل سکولز میں پڑھاتے ہیں لیکن ہمارے بچے جن سکولوں اور کالجوں میں پڑھتے ہیں وہاں ایم-ایس-ایف جمعیت وغیرہ وغیرہ کے نام پر اپنی اپنی تنظیمیں بنا کر سیاست کو چمکانا یہ کوئی سیاست نہیں یہ اس ملک کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے اور آنے والی نسلیں ہمیں کبھی بھی اس سے معاف نہیں کریں گی۔

جناب والا! رہا سوال اس بات کا ذرائع ابلاغ کے بارے میں ان کا یہ کہنا کہ اس وقت تم نے بھی "جنگ" پر حملہ کیا تھا اس وقت تم نے مرکز پر حملہ کیا تھا تو اس سے مجھے یہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ جناب ابھی ان کی تشنگی باقی ہے انہوں نے ابھی سیر حاصل حملے نہیں کیے یہ وہ پچھلی روایت جو ہم جا رہے ہیں کہ تم نے یہ کچھ کیا تھا اس لیے ہم بھی یہ کچھ کریں گے خدا کے لیے اس عمل کو ایک اچھا عمل نہ سمجھیں اور اچھی باتوں کی تقلید کریں بری باتوں کی تقلید نہ کریں اور یہ کوئی جواز بھی نہیں اس بات کے لیے کہ کسی کو یہ کہا جائے کہ تم نے چوریاں کی تھیں اس لیے ہم بھی چوریاں کریں گے تم نے قتل کیے تھے اس لیے ہم بھی قتل کریں گے یہ جناب والا! کوئی جواز نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی جواب ہے اس لیے میں گزارش کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی صورت حال سے گریز کیا جائے اور اس ملک کے لوگوں کو صحیح طور پر اپنی آزادی سے ان کے حقوق سے انہیں اپنی زندگی بسر کرنے کا موقع دیا جائے اور اخبارات کو اس طرح تشدد کا نشانہ نہ بنایا جائے ہم اس کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔ شکریہ۔

جناب سپیکر: راؤ طارق محمود صاحب۔ (فاضل ممبر ایوان میں تشریف نہیں رکھتے تھے) ملک شاہ محمد محسن صاحب۔ (فاضل ممبر ایوان میں تشریف نہیں رکھتے تھے) سردار ظفر اقبال صاحب۔

سردار ظفر اقبال، جناب سپیکر! آج اس ایوان کے سامنے جس مسئلے پر ہم بحث کر رہے ہیں وہ یقیناً ایک نہایت اہم مسئلہ ہے اور اسے مجھ سے پہلے بولنے والے سپیکر حضرات نے بھی ایک مقدس اور نہایت اعلیٰ او ارفع مسئلہ قرار دیا۔

جناب سپیکر! صحافت یقیناً ایک مقدس پیشہ ہے اور ایک صحافی یقیناً ایک قابل صد احترام شخصیت ہے اس لیے کہ صحافی جس نے معاشرے کی تمام برائیوں کو بے نقاب کرنا ہوتا ہے اس کا قلع قمع کرنے کے لیے دعوت دینا ہوتا ہے اسی طرح اس نے اچھائیوں کو شائع کرنا ہوتا ہے اور اس کی ترویج کے لیے دعوت دینا ہوتا ہے۔ جناب سپیکر! یہ ایک نہایت اہم بات ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں بے شمار دشواریاں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جناب سپیکر! ایک جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا اور اس کے منہ پر اس کے عیب گنوانا یقیناً ایک جہاد ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جب ایک صحافی یا ایک اخبار حاکم وقت پر نکتہ چینی کر رہا ہوتا ہے تو وہ ایک بہت بڑا مجاہد کر رہا ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ شاید وہ کسی ظلم اور جبر کا شکار ہو لیکن وہ ڈٹ کر اس کے خلاف بات کرتا ہے۔ جناب سپیکر! دنیا میں ایک مسلمہ امر ہے کہ صحافت کو آزاد ہونا چاہیے اور اگر کوئی ملک چاہتا ہے کہ ترقی کرے اس کے عوام خوش حال ہوں تو صحافت کو آزادی دینا اور قلم کاروں کو اس کی آزادی دینا کہ وہ جو بھی بات ہے وہ کہے اور بلا خوف و خطر کہے۔ یہ ایک لازم امر ہے۔ اگر ہم ان کو یہ مواقع مہیا نہیں کرتے ان کے راستے میں قدغن لگاتے ہیں اور ان کے راستے میں خوف و خطر کی رکاوٹیں کھڑی ہوتی ہیں۔ لالچ دیئے جاتے ہیں تو ہم یقیناً اپنے ملک اور اپنے معاشرے کی کوئی خدمت نہیں کر رہے۔ جناب سپیکر! ہم سب نے یہاں پر تقاریر کی ہیں اور بڑے جوش و جذبے کے ساتھ یہ کہا ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ صحافت آزاد ہو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرے وہ محترم دوست جو اس فرض کو ادا کر سکتے ہیں اور اس پوزیشن میں ہیں کہ وہ صحافت کو فی الحقیقت آزاد کریں اور اس ملک کی صحافت جب تک مکمل طور پر آزاد نہ ہوگی ہمارے بہت سے مسائل شاید حل نہ ہو سکیں۔ جناب سپیکر! میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت جس واقعہ پر یہ اجلاس طلب کیا گیا وہ نہایت افسوس ناک واقعہ ہے۔ اس سے متعلق بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ میری ایک بہن نے یہاں پر ابھی یہ بھی کہا کہ کہاں تھی حزب اختلاف اس وقت جب کراچی میں یہ واقع ہوا' کہاں تھی حزب اختلاف اس وقت جب اسلام آباد میں صحافیوں پر ظلم ہوا تو میں اپنی اس محترم بہن سے یہ

عرض کروں گا کہ وہ کوئی ایسا واقعہ نہیں تھا جس کو کہ specify کیا جاتا۔ کیا کوئی ہماری پارٹی یا ہماری حکومت کی طرف سے ایسی یہ بات ہوئی لیکن روزنامہ "جنگ" پر جو حملہ ہوا اس کی تصاویر شاہد ہیں جو ٹی وی پر دکھائی گئیں اور جو کیمرے نے بھی نوٹ کیں کہ وہ ایک سیکشن کی طرف سے' ایک خاص جماعت کی طرف سے حملہ ہوا اور اس کے بعد کوئی اور پروف کی ضرورت نہ تھی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کے باوجود کہ اگر ہماری طرف سے بھی میں ایک منٹ کے لیے یہ کہتا ہوں کہ فرض کر لیجیے کہ کراچی میں یا اسلام آباد میں یا کسی اور جگہ پر صحافیوں پر جو حملے ہوئے وہ خدانخواستہ ہماری طرف سے تھے تو یہ برائی کے لیے کوئی جواز نہیں۔ اگر کسی جگہ پر کوئی غلط کام ہوتا ہے تو یہ جواز نہیں کہ آپ بھی برا کام کریں یا آپ بھی وہی کریں جو کسی جگہ پر برا ہو رہا ہے۔ ہمیں تمام برائیوں کو روکنا ہے۔ اگر ہم سچے پاکستانی ہیں اور اگر ہم صحیح معنوں میں عوامی نمائندے ہیں اور ہم نے اپنے عوام کو جا کر جواب دینا ہے کہ ہم نے اپنے فرائض اسمبلیوں میں صحیح معنوں میں ادا کیے' حکومت میں جا کر صحیح معنوں میں ادا کیے تو ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم ہر برائی کے لیے ڈٹ کر سب کھڑے ہو جائیں تاکہ برائی دوبارہ جنم نہ لے سکیں۔

جناب سپیکر! یہاں پر بات ہوئی کہ یہاں پر سٹوڈنٹس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ پولیس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ سچی خبریں شائع کرنے پر کیمرہ مینوں کو مارا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ حکومت کی طرف سے بھی دباؤ پڑتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ حکومت کے ساتھ ساتھ ایک بات جو میں نے بذات خود نوٹ کی وہ یہ ہے کہ ہمیں اگر صحافت کو مکمل طور پر آزاد کرنا ہے تو ہمیں مالکان کی طرف بھی توجہ دینی ہوگی۔ وہ مالکان جو اخبارات کو چلا رہے ہیں ہمیں اس طرف بھی توجہ دینی ہوگی اور ہمیں ایسی لیجسلیشن کرنا ہوگی جس سے کہ ایک صحافی' ایک اخبار نویس اپنی سچی کارروائی اخبار میں شائع کر سکے اور اخبار میں لکھ سکے۔ آج یہ ہوتا ہے جیسا کہ ابھی کہا گیا کہ "جنگ" کے دفتر پر حملہ ہوا اور صحافیوں کو مارا گیا۔ صحافیوں پر فائرنگ کی گئی لیکن محض "جنگ" کا ایک مالک اٹھ کر اگر تمام صحافیوں کی قربانیوں پر پانی پھیر سکتا ہے تو یہ بھی ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ صحافت آزاد ہو تو پھر صحافت مکمل طور پر آزاد ہو۔ یہ بات نہیں کہ ہم ایک سیکشن پر توجہ دیتے ہیں کہ یہ یہاں سے آزاد ہو جائے لیکن ہمیں ہر پہلو سے اس کو دیکھنا ہے کہ ایک صحافی ایمان داری سے جو کچھ دیکھتا

ہے' جو محسوس کرتا ہے' جو وہ سمجھتا ہے کہ یہ ملک اور قوم کے لیے نقصان دہ ہے وہ اس پوزیشن میں ہو کہ وہ بلاخوف و خطر اخبار میں لکھے اور وہ اخبار میں شائع ہو اور اسے اس قسم کا مکمل تحفظ ہو۔

جناب سپیکر! یہاں جب مالکان کی بات آتی ہے اور ان صحافی دوستوں کی بات آتی ہے جو صحافت کے پیشے سے منسلک ہیں اور اخبارات میں کام کر رہے ہیں تو ابھی یہ بات ہوئی کہ کنٹریکٹ کی بنیاد پر بعض صحافیوں کو رکھا جاتا ہے۔ جناب سپیکر! وہ صحافی بے چارہ کیا لکھے گا وہ کیا ایمان داری برتے گا جسے یہ پتہ ہو کہ اگر میں نے یہ لکھ دیا تو صبح شاید مجھے اخبار میں آنا نصیب ہو کہ نہ ہو۔ اس کے بچے ہیں۔ اس کی ضروریات ہیں۔ تو یہ بھی مالکان کی طرف سے ایک پریشر ہے کہ ایک سچے صحافی کو غلط بات لکھنے پر مجبور کیا جائے۔ ہمیں یہ بھی legislation کرنا ہو گی کہ صحافیوں کی جو موجودہ contract کی بنیاد ہے اسے یکسر ختم کیا جائے اور ان کو وہ تمام حقوق دیئے جائیں جو ایک مستقل ملازم کو حاصل ہوتے ہیں۔ انہیں مستقل کیا جائے اور ان کو اس پوزیشن میں لایا جائے کہ وہ اس ملک اور قوم کی صحیح معنوں میں خدمت کر سکیں۔ شکریہ۔

جناب سپیکر، محترمہ بیگم طاہرہ خان صاحبہ۔

بیگم طاہرہ خان، جناب سپیکر! اپنی معروضات کے اظہار کے لیے اگر مجھے کہیں انگریزی کے الفاظ استعمال کرنا پڑیں تو میں آپ سے اجازت طلب کرتی ہوں۔ جناب سپیکر! آج کو موضوع زیر بحث ہے اس کی نوبت کیوں آئی؟ یہ ایک ایسا المیہ ہے کہ جس کو سمجھنے کے لیے ہمیں گریبان میں جھانکنا ہو گا لیکن کون سا گریبان۔۔ جو آمریت اپنے ساتھ لے گئی۔ آمریت جو احترام کے اختتام کا نام ہے۔ جو آئین کے عدم احترام سے شروع ہوتا ہے اور عوام کے عدم احترام پر ختم ہوتا ہے۔ یہ گیارہ سالہ آمریت کا hang over ہے۔ یہ گیارہ سالہ آمریت کا hang over ہی ہے کہ ہم عوامی نمائندے بھی ابھی تک لفظ احترام سے ناآشنا ہیں۔ نہ آئین کا احترام' نہ قدروں کا احترام' نہ اداروں کا احترام ہے۔ ویسے تو ہم جمہوریت کے علم بردار ہیں اور صرف تکیے کے طور پر یہ تو کہتے ہیں کہ مسلسل مارشل لاء کی وجہ سے ہمارے ملک میں مختلف ادارے پنپنے نہ پائے اور فیشن کے طور پر یہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ مختلف اداروں کی غیر موجودگی نے ہمارے ملک کو فکری اور معاشی طور پر مفلوک الحالی تک پہنچایا اور ہم ایڈہاک ازم کا شکار ہوگئے۔ "کیا ہو گیا" ایک نہ ختم ہونے والا syndrom ہے۔ اگر ہم کیا ہو گیا کے

syndrom سے نکل پائیں تو دیکھیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ اگر ہم دیکھ سکیں کہ کیا ہو رہا ہے تو ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی اپنے آپ کو بری الذمہ نہ سمجھے۔ دیکھیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ جناب آج ہے کوئی اور جس پر ہم الزام تراشی کر سکیں۔

چودھری محمد فاروق (پارلیمانی سیکرٹری)۔ پوائنٹ آف آرڈر۔ میں معذرت چاہتا ہوں میں ان کی تقریر میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جناب سپیکر! میں مجبور ہو کر یہ بات کر رہا ہوں کہ اپوزیشن والوں نے یہ اجلاس requisition کیا تھا لیکن اپوزیشن کی اجلاس میں دل چسپی کا یہ عالم ہے کہ اس وقت ایوان میں ان کے تین اراکین موجود تھے چوتھے صاحب اب آئے ہیں۔ قائد حزب اختلاف بھی ڈپٹی اپوزیشن لیڈر بھی، چیف وہپ بھی اور باقی ان کے ذمہ دار اراکین بھی اجلاس کے اندر موجود نہیں تھے۔ اگر تین نہیں تو پانچ اراکین موجود تھے۔ جناب سپیکر! میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ قوم کے ساتھ کیا مذاق ہو رہا ہے اس اجلاس پر حکومت کے عوام کے لاکھوں اور ہزاروں روپے روز کے حساب سے خرچ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اجلاس requisition کرتے ہیں، عوام کو بے وقوف بناتے ہیں وہ صحافی جن کے لیے یہ اجلاس طلب کیا وہ بھی آج اس ایوان کا منظر دیکھ رہے ہیں کہ اپوزیشن کے کتنے اراکین اس کارروائی میں دل چسپی لے رہے ہیں؟ اس کے ساتھ ہی میں اجازت چاہتا ہوں۔

جناب سلمان تاثیر، جناب والا! باہر لابی میں بھی اور اپوزیشن کے کمرے میں بھی سپیکرز لگے ہوئے ہیں تقاریر وہاں پر بھی سنائی دی جاتی ہیں۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ اگر یہاں موجود نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دل چسپی نہیں لے رہے ہیں۔

جناب سپیکر، جی بیگم صاحبہ۔

بیگم طاہرہ خان، جناب والا! میں یہ کہہ رہی تھی کہ موجودہ حالات سے ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی بری الزمہ نہیں۔ کیونکہ آج کوئی اور ایسا شخص نہیں ہے کہ جس پر الزام تراشی کر سکیں۔

It is very convenient, very easy Sir, to shift blames but for a change. Let us play the adult game. Instead of shifting blames let us start accepting responsibilities. We have certain responsibilities. We cannot get away by shifting blames. We

are responsible people.

جناب بحث یہ نہیں ہے کہ اخبار نویسوں پر اور اخبارات پر حملہ کس نے کیا؟ یا کروایا؟

This is neither the point nor the issue.

کس نے کروایا ثانوی بات ہے۔ کیوں ہوا بنیادی بات ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ ہماری موجودگی میں ایسا کیوں ہوا؟ ایک جمہوری دور میں ایسا کیوں ہوا؟ ہم نے ایسا کیوں ہونے دیا! جناب چند ماہ قبل جناب جونیجو صاحب ""جنگ" فورم" پر ایک لیکچر دے رہے تھے جس کا عنوان تھا "پاکستان میں پارلیمانی جمہوریت کا مستقبل" وقفہ سوالات میں میں نے عرض کیا جناب مستقبل تو اس چیز کا ہوتا ہے جس چیز کا وجود ہو۔ پہلے تو آپ یہ ثابت کریں کہ پاکستان میں جمہوریت موجود ہے۔ جناب منطق تو یہ ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں اس لیے کہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوگئے لہذا جمہوریت بحال ہے اس لیے کہ اسمبلیاں قائم ہیں۔ لیکن نہیں جناب نہیں، جو فرق ایک born Muslim اور practising Muslim کا ہے وہی فرق اسمبلیاں بحال ہونے اورجمہوریت کی بحالی کا ہے۔ مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے سے میں مسلمان نہیں ہو جاتی اگر میں اسلام کی practice نہیں کر رہی۔ ویسے تو دنیا جانتی ہے کہ اہم ایک قانون ساز ادارہ ہیں لیکن جناب آپ تو جانتے ہیں کہ ہم لاقانونیت کے بھی بادشاہ ہیں۔ ہم نے بار ہا بار بار آپ کے سامنے اس اسمبلی کے اندر خود law & order situation پیدا کر کے اپنا talent آپ سے منوایا۔

جناب بات یہ ہے کہ ہماری یاداشت بہت کمزور ہے' بہت کمزور ہے ہماری یاداشت ہم بھول گئے ہیں، ہم بھول گئے ہیں کہ ہم نے عوام سے وعدے کیے تھے۔ ہم نے وعدے کیے تھے بنیادی حقوق دلانے عزت نفس بحال کرنے مختلف ادارے قائم کرنے، ٹوٹے پھوٹے اداروں کی تعمیر نو قائم شدہ اداروں کی حفاظت کرنے کے وعدے کیے تھے' جناب ہم صرف کند ذہن ہی نہیں ہم معصوم بھی ہیں۔ بہت معصوم ہیں' نہیں جانتے کہ اگر نئے ادارے قائم نہ کر سکے تو معافی ہو جائے گی۔ لیکن اگر قائم شدہ اداروں کی بے حرمتی کی تو کوئی معافی نہیں ہوگی۔ ہیں ہی کتنے ادارے ہمارے ملک میں؟ ایک ادارہ پاکستان آرمی جس کو ہماری ضرورت ہی نہیں۔ دوسرا ادارہ چند قومی اخبارات کہ جن میں آج ہم خود شرمندہ ہیں۔ اخبار نویسوں اور اخبارات کی توہین کر کے ہم نے خود اپنی توہین کی ہے اپنی تذلیل کی

ہے' ہم نے اپنے آپ کو expose کیا ہے یہ وہ بدسلوکی ہے جو ہم نے خود اپنے ساتھ کی ہے۔ یہ وہ گالی ہے جو خود ہم نے اپنے آپ کو دی ہے۔

جناب! جب ملک معاشی طور پر ایک دوراہے پر کھڑا ہو۔ جب کشمیر اپنی آزادی کی آخری "جنگ" لڑ رہا ہو' جب افغان مجاہدین کے گھروں میں جانے کے خواب شرمندہ تعمیر نہ ہو رہے ہوں اور جب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نظام مصطفےٰ کا قول عمل سے دور اور متضاد ہو' اور ہم شیشے کے کمروں میں بیٹھ کر اہل دانش پر پتھر اچھلتے دیکھیں۔ اہل قلم کے پر امن جلوس کا استقبال گولیوں سے ہو اور ہم خاموش تماشائی بنے رہیں تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی جناب ہماری آنے والی نسلیں پچھتائیں گی کہ انہوں نے پیدا ہونے کے لیے ایک غلط مقام کا انتخاب کر لیا۔ تاریخ سبق تو سکھاتی ہے جناب لیکن سبق کون سیکھتا ہے؛ اور یہ تاریخ ہی بتاتی ہے کہ تاریخ سے سبق کوئی نہیں سیکھتا۔ لیکن جناب ہمارے پاس غلطیاں دہرانے کا بھی وقت نہیں۔ اگر ہم ایک طویل اجتماعی پچھتاوے سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں سبق سیکھنا ہوگا۔ اگر ہم collective humilitation سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں احترام کا مطلب سمجھنا ہوگا اور حرف کا احترام سب سے پہلے سیکھنا ہوگا۔ اس لیے کہ حرف کا احترام بنیادی احترام ہے حرف کی بے حرمتی کے بعد صرف عبادت گاہوں کی بے حرمتی کی باری رہ جاتی ہے جناب اور یہ لمحہ فکریہ ہے۔

ہماری ذہنی پستی کا عالم دیکھیے کہ ہمارے پاس forward block بھی ہے' ہمارے پاس backward block بھی ہے۔ اگر نہیں ہے تو صرف ایک right block نہیں ۔ اور right block صرف اور صرف اس دن ہوگا جب ہماری وفاداریاں افراد کی بجائے ملک کے ساتھ منسلک ہوں گی۔ جب قومی اخبارات جیسے ادارے over inflated ego کے لیے شکار گاہ نہیں بنیں گے۔ جب اختلاف رائے کو ایک بغاوت کا نام دیے بغیر جمہوری حق سمجھ کر تسلیم کیا جائے گا۔ جناب ہم حکم رانوں کو حکم رانی سے تو نہیں روک رہے۔ کیجیے حکم رانی' ہم سمجھتے ہیں کہ بہت اچھا شوق ہے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں اپنا شوق پورا کیجیے۔

But even piracy has its ethics.

مت بھولیے کہ حکم رانی کے لیے چند اصولوں اور چند شرائط کی ضرورت ہوتی ہے۔ عوام کی' اداروں کی'

ایک نظام کی' اور جہاں عوام ہوں گے ادارے ہوں گے' نظام ہو گا وہاں مسائل بھی ہوں گے' اختلاف بھی ہو گا تنقید بھی ہو گی۔ یہ صرف قبرستان کے مکین ہی ہیں جو اپنے care taker کی حکم عدولی نہیں کر سکتے۔ زندہ قوموں کا یہ دستور نہیں جناب۔ آپ حکم رانی کر رہے ہیں ایک زندہ قوم پر کسی قبرستان پر نہیں' آپ کو ضرورت ہے تدبر کی تکبر کی نہیں۔ ضرب لگانے کی بجائے ظرف استعمال کیجیے۔ جناب منزل مل سکتی ہے۔ لیکن شرط ہے کہ راستہ صحیح ہو۔ اگر ائرپورٹ جانے کے لیے میں راوی کی طرف رخ کر کے چلنا شروع کر دیتی ہوں تو میلوں مسافت تو طے ہو جائے گی لیکن ائرپورٹ نہیں آئے گا۔ مجھے ارباب اختیار سے آپ کی وساطت سے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ آپ کا قبلہ درست نہیں۔ اپنا قبلہ درست کر لیجیے اسی میں آپ کی اپنی نجات ہے اور یہ ایک مخلصانہ مشورہ ہے۔ شکریہ۔

چودھری محمد وصی ظفر ، جناب والا! یہ تقریر اتنی اچھی تھی کہ ہم خراج تحسین پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

جناب سپیکر، سید ناظم حسین شاہ۔۔

سید ناظم حسین شاہ، جناب سپیکر! میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یہ موقع فراہم کیا۔ یہاں پر بڑی سیر حاصل بحث ہو چکی ہے گزارش یہ ہے کہ جس مسئلے پر یہ اجلاس بلایا گیا اس پر جو پوائنٹ جو ایشو ہمارے سامنے ہے اس میں جناب والا! یہ بڑی واضح بات ہے اور تاریخ اس چیز کی گواہ ہے کہ کسی کا کردار ہی کسی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں بعض اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ مختلف گھرانوں میں پیدا ہوتے ہیں مگر وہ اپنی عزت و کردار کی وجہ سے عظمت کی بلندیوں کو بھی چھو لیتے ہیں۔ اور کچھ لوگ اپنے ہی ذاتی کردار کی پستی کی وجہ سے اتنے پست ہوجاتے ہیں کہ معاشرہ تو کیا کوئی بھی شخص ان کا نام لینا پسند نہیں کرتا۔ جناب والا! یہاں پر یہ بڑی بات کی گئی' "آزادی صحافت" ہم کیوں چاہتے ہیں اب تاریخ ہی کو لیں' یہی لکھاری ہیں جنہوں نے ہمیں اپنی سابقہ تاریخ سے آگاہ کیا اور یہی صحافی جو کسی معاشرے کے مافی الضمیر ہوتے ہیں یہی ہمیں آئندہ کی ایک پیش گوئی کرتے ہیں کہ آئندہ کے حالات کے لیے ہمیں اپنی پالیسیاں اس طرح کی کرنی چاہیے تاکہ ہم مزید پریشانیوں سے بچ سکیں۔ مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے ان صحافی حضرات کو ہم اس طریقے سے پابند کر سکیں' جناب والا! ہمیں دیکھنا یہ چاہیے کہ کل کو وراثت میں ہم اپنی آئندہ نسل کو

کیا دے رہے ہیں۔ یہی فاشزم کہ جو ہم چاہیں وہ پھر لکھیں۔ جناب والا! اگر صرف اور صرف محض ہماری خواہشات کا ہی احترام کرنا ہے صحافی حضرات نے تو پھر وہ صحافت نہ ہوئی پھر آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ آپ کے ملازم ہیں جو بھی آپ چاہیں کروالیں۔ جناب والا! یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ کل جب ہم ان ایوانوں میں نہیں ہوں گے، کچھ مختلف لوگ ہوں گے، یا جب کوئی اور شخص وزیراعلیٰ ہوگا تو پھر یہی باتیں جو آج ہم بڑی خوشی سے کرتے ہیں اور جس پر ہمیں فخر محسوس ہوتا ہے تو جناب والا! کل پھر یہی باتیں ہمارے لیے سوانح روح ہوں گی اور اس کا پھر ہم گلہ شکوہ کریں گے۔ جناب والا! غلط جب بھی ہو غلط ہوتا ہے۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا یہاں پر یہ بات کی گئی کہ ایم ایس ایف--- یہ ٹھیک ہے اور ہم اعتراف کرتے ہیں کہ یہ قائداعظم محمد علی جناح کی جماعت تھی، مگر قائداعظم محمد علی جناح نے قربانیاں دیں ملک کے لیے اس ملک کے مسلمانوں کے لیے، اس ملک کے عوام کے لیے مگر جناب وراثت میں کون لوگ آگئے۔ جناب صرف یہی نام لے کے بات کرنا ایسی کوئی بات نہیں ہے تاریخ گواہ ہے اس دنیا میں سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام ہوئے ان کے دو بیٹے ہیں ایک رحمت اللہ ہے اور دوسرا لعنت اللہ ہے۔ جناب والا! اس لیے میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ کسی کا کردار ہی کسی کی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے صرف وراثت کی وجہ سے ہی وہ شخص تعریف کے قابل نہیں ہوتا جب تک اس کا کردار اس کی شخصیت کے ساتھ مطابقت نہ رکھے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج یہ لوگ "جنگ" کے اوپر حملہ کر کے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں، ہم مضبوط ہیں، ہم طاقت ور ہیں اور لوگوں کو ہم پر کوئی گلہ نہیں۔ جناب والا! ملک میں صرف اور صرف ایمان داری ہی ایک ایسی چیز ہوتی ہے انصاف ایسی چیز ہوتی ہے جس سے لوگ مطمئن بھی ہوتے ہیں اور لوگ اپنے کاروبار زندگی میں اس لیے حصہ لیتے ہیں ملک کی تعمیر و ترقی میں بھی اس لیے حصہ لیتے ہیں جب ملک میں انصاف ہو، ایمان داری ہو اور ہر شخص کو برابر کے موقع فراہم ہوں مگر جناب یہاں پر اگر despotic rule رکھا گیا، فاشزم اس کو کہتے ہیں کہ جب ایک شخص ہر چیز کو ہر ادارے کو اپنی مرضی کے تابع کرنا چاہتا ہے، اختلاف رائے کا احترام نہیں کرتا اور جو چیز اس کی طبع نازک کے اوپر بارگراں گزرتی ہے تو اس کے خلاف وہ ایسے فاش اقدام اٹھاتا ہے، جناب والا! اس چیز کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی اور کوئی بھی معاشرہ جب privileged class میں محدود ہو کے رہ گیا، تو اس ملک نے ترقی نہیں کی، اس قوم نے ترقی نہیں کی بلکہ وہ روز بروز

پستی کی طرف جاتی رہی اور آخر کار اس ملک و قوم کا صفحہ ہستی سے نام بھی مٹ گیا۔ جناب والا! آپ دیکھیں کہ ہٹلر نے بھی یہی بات کی تھی کہ ہر چیز کے اوپر کنٹرول ہونا چاہیے۔ میسولینی نے بھی یہی بات کی تھی کہ ہر چیز پر کنٹرول ہونا چاہیے' صحافت کے ایجوکیشنل ادارے۔ مگر جناب اس کے نتائج یہ نکلے کہ آج آپ کے سامنے اگر ان کا نام لیا جاتا ہے تو نفرت اور حقارت سے لیا جاتا ہے۔ کسی بھی ملک میں اور کسی بھی وقت جناب والا! قابل آدمیوں کی کمی نہیں ہوتی لیکن دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ اچھے آدمی ہوں قابل آدمی ہوں' ان کی اہلیت کے مطابق ان کو وہ دفتر دیے جائیں تاکہ وہ بیٹھ کر ملک کی سالمیت' تعمیر و ترقی میں کوئی مثبت کردار ادا کرسکیں۔ مگر جناب والا! افسوس کی بات یہ ہے کہ جب ہم جرم کریں تو ہمارا سر ندامت سے جھک جانا چاہیے مگر یہاں پر وہ جاہل شخص ہی ہو سکتا ہے اس سے بڑی جاہلیت کی اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ ایک جرم کریں اور پھر ڈھٹائی سے اس کو defend کریں اور پھر فخر سے اپنی چھاتی پھلا لیں اور سر کو بلند کریں۔ جناب والا! اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ ادارے جو اس ملک و قوم کا مافی الضمیر ہیں ان کو ہم تباہ و برباد کر رہے ہیں پھر کتنی ڈھٹائی کے ساتھ اس ہاؤس میں بھی defend کر رہے ہیں اور باہر بھی اس کی دلیلیں دے رہے ہیں۔ جناب والا! ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہم یہاں پر صرف وکالت کرنے کے لیے نہیں آئے' ہمیں مثبت انداز فکر اپنانا ہوگا' ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارے ملک و قوم کے حق میں بہتر کیا ہے۔ آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے ہم ورثے میں کیا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ یہی جناب والا! کہ اگر ہم اتنے جوش میں آگئے ہیں اور ہمیں سمجھ نہیں آرہی کہ ہم کیا بات کر رہے ہیں؟ چلو آج تو یہ "جنگ" پر صحافیوں پر حملہ کر رہے ہیں آخر کیوں؟ اس کے محرکات کیا تھے؟ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ صرف یہی کہ جناب ہر چیز ان کے تابع ہو' ہر چیز پر ان کی مرضی ہو' تو پھر جناب ان کو یہ بھی کہنا چاہیے جمہوریت یہ نہیں چاہتے' پھر یہ ڈکٹیٹر شپ کی طرف جائیں' جیسے میرے دوست اکبر وینس صاحب نے بڑی واضح بات کی' ایک طرف قائداعظم کی تصویر اور دوسری طرف ساتھ ان لوگوں کی تصویر کہ جنھوں نے اس ملک کے حقوق سلب کیے' اس قوم کو گیارہ سال تک ڈکٹیٹر شپ کی چکی میں پیستے رہے۔ اور پھر یہاں پر ہاؤس میں جناب ایک طرف سے جمہوریت کی بات ہوتی ہے اور دوسری طرف جمہوریت کو جو چیزیں فروغ دے سکتی ہیں' جو ان کی خدمت کر سکتی ہیں ان کے اور اس طریقے سے fascist rule مسلط کر کے تو جناب والا

جمہوریت نہیں آئے گی۔ اس طریقے سے اگر یہ آزادی صحافت کو ختم کر دیں گے تو پھر جناب کل کو ان کے متعلق بھی یہی کچھ لکھا جائے گا' وہی لوگ لکھنے والے ہوں گے' اگر ان کا کوئی مخالف گروپ آ گیا تو پھر وہ بھی ان سے اپنی مرضی سے لکھوائیں گے پھر ان کی یہ چیخ و پکار بے کار ثابت ہو گی۔ جناب والا! میں آپ سے استدعا کروں گا کہ اس پورے ہاؤس کو ایک قرار داد پاس کرنی چاہیے کہ جو کچھ ہوا اس پر ہمارا سر ندامت سے جھک جانے اور ہمیں شرم ہے اور ہم۔۔

جناب سلمان تاثیر۔ یہاں پنجاب کا دفتر بنا دیا گیا ہے پنجاب اسمبلی کو' یہاں میں دیکھ رہا ہوں کہ درخواستیں سائن ہو رہی ہیں "waive the rules" "waive the rules" یہ اسمبلی کا بھی ٹائم ہوتا ہے اور دفتر کا بھی ٹائم ہوتا ہے۔ اس لیے میں درخواست کرتا ہوں کہ اس دفعہ وزیروں کو زبردستی اسمبلی میں بٹھایا گیا ہے اور آپ نے ان کو مجبور کیا ہے' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کم از کم اس دفعہ اپنا دفتر باہر لے کر بیٹھیں اور خاص طور پر میں دیکھ رہا ہوں وزیر قانون سردار نصراللہ دریشک اسمبلی میں اپنے دفتر کا ہی کام کر رہے ہیں۔ یہاں اس سے پہلے چودھری فاروق نے کہا تھا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اپوزیشن کے لوگ نہیں بیٹھے ہوئے ہم تو اس لیے نہیں بیٹھے کہ ہم تو یہاں دفتر کا کام نہیں کر سکتے اگر ہم بھی ان کے ساتھ بیٹھ جائیں اور درخواستیں sign کرنی شروع کر دیں تو یہاں پر بھی اس طرح رونق لگ جائے گی۔ اور میں ان سے یہ بھی سوال پوچھوں گا کہ یہ بھی ہمیں بتائیں کہ وزیراعلیٰ صاحب اس اسمبلی میں کتنی دفعہ آئے ہیں پچھلے ڈیڑھ سال میں' وہ ہمیں بتائیں کہ ایک دفعہ' دو دفعہ یا تین دفعہ وہ تشریف لائے ہیں پھر اس کے بعد یہ اسمبلی کی کارروائی پوری ہو گی۔ شکریہ۔

سید ناظم حسین شاہ۔ جناب سپیکر! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ چاہیے تو ہمیں یہ تھا کہ پورے ہاؤس کو غیر مشروط طور پر معذرت بھی صحافی حضرات سے کرنی چاہیے اور اس کے متعلق ایک قرارداد بھی پاس کرنی چاہیے کہ جو کچھ ہوا جن لوگوں نے کیا انہوں نے بہت غلط کیا ہم اس کی مذمت کرتے ہیں اور ساتھ ہی آئندہ کے لیے ان کو گارنٹی بھی مہیا کرنی چاہیے کہ آئندہ اس قسم کے واقعات نہیں ہونے چاہئیں۔ میری یہی گزارش ہے۔ شکریہ۔

جناب سپیکر۔ چودھری محمد اقبال صاحب بات کرنا چاہتے ہیں۔

وزیر اطلاعات (چودھری محمد اقبال)۔ جناب سپیکر! آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے وقت فراہم کیا۔

جناب والا! آج آزادی صحافت پر بات ہو رہی ہے۔ یہ اجلاس حزب اختلاف نے بلایا ہے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اتنے اہم موضوع پر بات ہو رہی ہے۔

جناب والا! اگر ہم اس بحث میں پڑے رہیں کہ آزادی صحافت کو مجروح کرنے کے لیے کچھ اقدامات پیپلز پارٹی کی طرف سے اٹھائے جاتے ہیں تو اس کو پیپلز پارٹی والے بڑا مستحسن کہیں اور اگر آزادی صحافت کو مجروح کرنے کے لیے کوئی ایسا قدم دوسری طرف سے اٹھتا ہے اس کو دوسری طرف والے لوگ اس کی حمایت کرتے رہیں اس طرح یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکے گا۔ میری اس معزز ایوان سے پرزور درخواست ہے' اپیل ہے کہ آزادی صحافت ایک ایسا موضوع ہے جو کہ ہماری محترمہ بہن کہہ رہی تھی کہ یہ چوتھا ستون ہے۔ اور خاص طور پر وہ حضرات جو جمہوری عمل سے گزر کر آئے ہوں ان کو کم از کم اختلاف رائے نہیں ہونا چاہیے۔

جناب والا! اگر ملک کے اندر ذرائع ابلاغ آزاد نہیں ہوں گے۔ آزادی سے اپنا مافی الضمیر بیان نہیں کر سکیں گے پھر اس ملک کے اندر جو ہم جمہوری طاقت سے منتخب ہو کر آئے ہیں وہ پھر اس ملک کے اندر کیا خدمت کر رہے ہیں۔ کل کو ہم عوام کے سامنے کیا جواب دیں گے کہ ہم نے اس ملک کی اور جمہوریت کی کیا خدمت کی ہے۔ ذرائع ابلاغ کا آزاد ہونا دونوں پارٹیوں کی خواہش ہونی چاہیے اور ہمیں جو آزادی صحافت میں قائل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ہم تو ہر روز جب ریڈیو سے خبریں سنتے ہیں اور جب ذرائع ابلاغ کے ذریعے شام کو خبر نامہ سنتے ہیں تو نہ صرف ہم آزادی صحافت کے قائل ہوتے ہیں بلکہ گھائل بھی ہوتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ جناب والا! ٹیلیویژن پر یک طرفہ جو نقطہ نظر پیش کیا جاتا ہے اس سے دوسرے محروم رہتے ہیں اور ان کی کردارکشی کی جاتی ہے خدا کے لیے اگر ایسی باتیں ملک کے اندر ہوتی رہیں گی تو پھر جمہوریت کی کیا خدمت ہو گی۔

جناب والا! میں اس واقعہ کی تھوڑی سی تاریخ بتانا چاہوں گا۔ اس واقعہ کے ہونے کے بعد اب میں اس کو یہ کہہ دوں کہ "جنگ" کے اوپر پیپلز پارٹی نے حملہ کیا تھا وہ بہت اچھی بات تھی یا آئی جے آئی کی طرف سے حملہ ہوا ہو تو وہ بڑی اچھی بات تھی۔ ملک کے اندر ایسے واقعات ہو جاتے ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ واقعات کو کس طرح ہینڈل کیا جاتا ہے۔ جناب والا! اس وقت میرے پاس 12 اکتوبر کا اخبار ہے جس کے اوپر خبریں ہیں۔ پیپلز پارٹی اور پیپلز یوتھ کے کارکنوں کا "جنگ" کراچی پر

پھر گھنٹے قبضہ" یہ تفصیل سے خبریں ہیں جن کی تفصیل میں میں نہیں جانا چاہتا اس لیے یہ موضوع میں کوئی مدد نہیں دیں گی۔ یہ مسئلے کے حل میں کوئی مدد نہیں کریں گی۔

جناب والا! مسئلہ یہ ہے کہ ہم دونوں پارٹیوں کو اب ہوش میں آنا چاہیے اور ایسے واقعات کو ملک کے اندر دہرانا نہیں چاہیے۔ جب یہ واقعہ یہاں "جنگ" والوں کے ساتھ ہوا میں اور سردار نصراللہ دریشک۔ ہمارے دو ایم این اے ایک ہماری پارٹی کے سیکرٹری جنرل غلام حیدر وائیں ہیں اور ایک ہمارے قابل احترام ایم این اے فیصل آباد سے ہیں۔ چاروں آدمی ہم وہاں حاضر ہوئے۔ ہم نے نہ صرف "جنگ" کے مالک بلکہ ان کے تمام کارکن جن کو انہوں نے مناسب سمجھا ان کے ایک وفد سے ملاقات کی۔ ہم نے ان کے جذبات سنے اور ان کی کڑوی باتیں بھی سنیں۔ ہم نے ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا کہ حضور والا جو یہ واقعہ ہوا ہے اس میں حکومت پنجاب ملوث نہیں۔ اگر آپ کو کوئی غلط فہمی ہے تو آپ ہمارے ساتھ بیٹھ کر بات کریں۔ ہم نے ان سے پر زور اپیل کی کہ آپ اپنی ناراضگی کے اظہار کو چھوڑیں ہمارے ساتھ بات کریں جو اس واقعہ کے ذمہ دار آدمی ہیں ان کی حکومت پنجاب امداد کرنے کے لیے کسی قسم کا کوئی قدم نہیں اٹھائے گی بلکہ ان کو قرار واقعی سزا دی جائے گی۔ جناب والا! پرچے ہوئے کچھ لوگ گرفتار ہوئے۔ کچھ آدمی جیل میں ہیں اور کچھ لوگوں نے ضمانتیں کروائیں۔ اس کے بعد بھی ہمارے ان دوستوں کی جن کا تعلق روزنامہ "جنگ" سے ہے ہمارے لیے بڑے قابل احترام ہیں۔ "جنگ" اخبار وہ اخبار ہے جس نے اس معاشرے میں ملک کے اندر بہت خدمات سر انجام دی ہیں۔ اس نے اس ملک کے لیے اس قوم کے لیے اور جمہوریت کے لیے خدمات سر انجام دی ہیں۔ اسی طرح باقی اخبارات بھی ہمارے لیے محترم ہیں۔ صحافی برادری خاص طور پر ہمارے لیے بہت محترم ہے۔ اس پر بھی ان کی تسلی نہیں ہوئی ہم نے انہیں عرض کیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہم وزیراعلیٰ پنجاب سے ملنا چاہتے ہیں کیونکہ ہماری غلط فہمی مکمل طور پر دور نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ان کا ایک وفد جو انہوں نے خود ترتیب دیا اس میں ان کے کارکن بھی تھے۔ اس میں ان کے ایڈیٹر لیول کے آدمی بھی تھے انہوں نے وزیراعلیٰ پنجاب سے ملاقات کی۔ انہوں نے اپنے مطالبات اٹھائے کہ یہ ہمیں شکایتیں ہیں آپ ہمیں پوری کروا کر دیں۔ وزیراعلیٰ پنجاب نے پورا ان سے وعدہ کیا کہ آپ کے جتنے مسائل ہیں ان پر ہمدردی سے غور ہوگا اور آپ کے مسائل حل کیے جائیں گے۔ آپ کو ہم سے نہ کوئی شکایت ماضی میں رہی

ہے اور نہ آئندہ مستقبل میں ہوگی۔ آپ ہمارے ساتھ تعاون رکھیں اور ہم آپ کے ساتھ تعاون کریں گے اور آپ کو ساتھ لے کر چلیں گے۔ آپ اس ملک کا بہت اہم طبقہ ہے۔ آپ کا پیشہ بڑا مقدس ہے۔ ہم اس کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس میٹنگ میں میں خود موجود تھا۔ ان کے سارے نمائندے موجود تھے۔ اس کے بعد جناب والا! ایک دفعہ رات کو بارہ بجے کے قریب "جنگ" کے مالک میر شکیل الرحمن صاحب حملہ ہونے کے ایک دن بعد انہوں نے مجھے ٹیلی فون کیا۔ مجھے کچھ خدشات ہیں۔ کچھ حضرات نے ٹیلی فون کیے ہیں کہ ہم رات کو آپ کا نقصان کریں گے۔ میں نے جناب سپیکر! خود ڈپٹی کمشنر لاہور کو ٹیلی فون کیا کہ آپ ابھی روزنامہ "جنگ" کے دفتر میں جائیں وہاں پورا بندوبست کریں وہاں ایک مجسٹریٹ تھا پولیس تھی ان کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کیا گیا۔ ڈپٹی کمشنر وہاں موجود تھے انہوں نے مجھے بتایا کہ میں وہاں پہنچ گیا ہوں۔ سارے حالات دیکھ کر آیا ہوں انشاء اللہ کوئی ایسا واقعہ دھرایا نہیں جائے گا۔ ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ یہ سارے واقعات ہیں جو میں آپ کے گوش گزار کر رہا تھا۔

جناب والا! یہ معاملہ اس طرح سے طے ہوگا کہ آزادی صحافت کا خیال پورے ملک کے اندر پوری سیاسی پارٹیاں اور وہ لوگ خاص کر جو اقتدار میں ہیں دونوں فریق ان میں فیڈرل حکومت ہو ان میں صوبائی حکومت ہو دونوں جب تک اس بات کا اعتراف نہیں کریں گے کہ آزادی صحافت اس ملک کا بہت بڑا مسئلہ ہے اور جب تک صحافت آزاد نہیں ہوگی اس ملک کی کوئی پارٹی کوئی خدمت نہیں کر سکے گی۔ جناب والا! ہم صحافی برادری کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کی خدمت کے لیے صبح شام حاضر ہیں۔

جناب والا! اس کے بعد کچھ مسائل کی بات ہوئی تھی۔ اس بارے میں میں صرف یہ عرض کروں گا کہ ان کے بہت مسائل فیڈرل گورنمنٹ سے تعلق رکھتے ہیں ان کی قیود میں آتے ہیں ہماری قیود میں نہیں آتے۔ ہمارے پاس جو بات رانا شوکت محمود صاحب نے کی ہے وہ بڑی متعلقہ ہے۔ پریس کلب کی انہوں نے بات فرمائی تھی ہماری پریس کلب والے دوستوں سے بات ہوئی ہے۔ زمین کا معاملہ طے ہونے والا ہے۔ یونہی ان کو زمین مل جائے گی حکومت پنجاب پوری گرانٹ دے کر پریس کلب کو بلوائے گی اور ہم صحافی برادری کی سارے مسائل میں انشاء اللہ پوری دل چسپی لیں گے سارے

مسائل کو مکمل طور پر حل کریں گے۔ اگر پھر بھی ان کے جذبات کسی طریقے سے مجروح ہیں میں ایوان میں ان سے معذرت خواہ ہوں اور ہماری پوری حکومت ان سے معذرت خواہ ہے۔ ہم ان کی خدمت کے لیے صبح شام ملاقات کرتے رہیں گے۔

جناب سلمان تاثیر: جناب والا! چودھری اقبال صاحب کی یہ بڑی میٹھی باتیں ہیں لیکن یہ ہمیں یہ بتائیں کہ وہ دو ایم ایس ایف کے لڑکے جو مسلم لیگ ہاؤس کے اوپر سے فائرنگ کر رہے تھے جن کی فوٹو ٹی۔ وی نے بڑی واضح طور پر لگائی تھیں۔ وہ گرفتار ہوئے ہیں یا نہیں ہوئے۔ یہ کیسے ہوا ہے کہ وہ مسلم لیگ کے جلسے کا استقبالیہ کر رہے تھے جو 23 مارچ کو ہوا۔ یہ باتیں کہ مجروح ہوا یا نہیں ہوا یہ بتائیں وہ لوگ گرفتار ہوئے ہیں یا نہیں ہوئے۔ اگر ملک وزیر اعوان پر 307 کا مقدمہ درج کیا جا سکتا ہے تو ان پر مقدمہ کیوں نہیں درج ہو سکتا۔ کیوں نہیں ان کو گرفتار کیا جاتا۔ اصلی بات تو یہ ہے یہ میٹھی باتیں کرنا اور کہنا کہ ہم یوں کر دیں گے بلڈنگ بنا دیں گے اس سے کوئی بات نہیں بنتی۔

وزیر اطلاعات، وزیر قانون اس کے متعلق بات کر رہے ہیں وہ ساری باتیں آپ بتائیں گے۔ جو باقی رہ گئی ہیں۔

چودھری علی اکبر مظہر وینس، پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب سپیکر! پچھلے اجلاس میں آپ نے رولنگ دی تھی کہ آئندہ اجلاس میں وزیراعلیٰ پنجاب ہاؤس میں ضرور حاضر ہوں گے۔ اور ہوا کریں گے۔ آپ نے یہ واضح طور پر فرمایا تھا' بلکہ آپ نے ہدایت دی تھی کہ آئندہ جو اجلاس ہو گا اس میں وزیراعلیٰ ضرور حاضر ہوں گے۔ آپ کی واضح ہدایت کے باوجود انھوں نے اس کے خلاف عمل کیا ہے اور وزیراعلیٰ صاحب نے اس ہاؤس میں تشریف لانا گوارا نہیں کیا۔ جناب والا! آج پھر آپ انھیں کوئی تلقین فرما دیں کہ وزیراعلیٰ پنجاب' پنجاب کے وزیراعلیٰ ہیں۔ اگر انھیں وزارت عظمیٰ کا' نیشنل پالٹکس کا شوق ہے تو اس کو چھوڑ کے' نیشنل اسمبلی کا الیکشن لڑ کر' قومی اسمبلی میں بیٹھ کر قومی سیاست کریں۔ انھوں نے اس صوبے کو گروی کیوں رکھا ہوا ہے۔ وہ باہر بیٹھ کر حکومت کر رہے ہیں' کبھی یہاں بھی آ جایا کریں اور ہمارے باتیں بھی کبھی سن لیا کریں۔ وہ اس صوبے کے حکم ران ہیں۔ اگر انھیں national politics کا بڑا شوق ہے تو قومی اسمبلی میں چلے جائیں۔

جناب سپیکر: تشریف رکھیے۔ جی رانا صاحب۔

وزیر امداد باہمی: میں یہ گزارش کروں گا کہ وزیراعظم اور وزیراعلیٰ کا ہاؤس میں حاضر رہنا ضروری نہیں۔ اگر یہ ہوتا تو بے نظیر صاحبہ' وزیراعظم صاحبہ کو بھی اس ہاؤس میں حاضر رہنا پڑتا۔ (مداخلت) اب آپ کو کیوں "پیڑ" ہوتی ہے۔ میں تو جمہوریت کی بات ہی کر رہا ہوں۔ تو یہ کوئی ضروری نہیں۔ باقی جہاں تک صحافیوں کا تعلق ہے' ہم میں سے ہر رکن۔۔

چودھری علی اکبر مظہر وینس: اگر قومی اسمبلی کے سپیکر وزیراعظم کو ہدایت کریں گے کہ وہ اسمبلی میں آیا کریں' تو وہ اسمبلی میں آیا کریں گی۔ (قطع کلامیاں)

جناب سپیکر: آرڈر پلیز۔ راہی صاحب' انھیں اپنی بات مکمل کر لینے دیں۔ ان کے بعد بھی آپ بات کر سکتے ہیں۔

وزیر امداد باہمی: جناب والا! میں تو صرف دو منٹ گزارش کروں گا کہ صحافیوں نے اپنے قلم سے اس ملک کے قیام کے لیے جو محنت کی۔

جناب سپیکر: رانا صاحب' آپ اسی بحث میں حصہ لینا چاہتے ہیں؟

وزیر امداد باہمی: نہیں' میں صرف دو باتیں کہہ رہا ہوں۔ ہمیں اس کا اعتراف ہے۔ ہم صحافیوں کی عزت کرتے ہیں۔ لیکن وزیراعلیٰ کا یہاں ہونا اس میں شامل نہیں۔ لیکن کچھ واقعات ایسے ہوگئے ہیں کہ اس ملک کے ریونیو پر سے عوام کا اعتماد اٹھ گیا ہے۔ (قطع کلامیاں) جب وزیراعظم ہاؤس میں تشریف نہیں لاتیں تو وزیراعلیٰ اگر ایوان میں نہ آئیں تو اس میں کیا گناہ ہے' کیا برائی ہے۔ ہر بات کو گھسیٹنا اچھی بات نہیں۔ اس ملک کا خدا حافظ ہے۔

جناب سپیکر: آپ تشریف رکھیں۔ خواجہ محمد یوسف صاحب پوائنٹ آف آرڈر پر بولنا چاہتے ہیں۔

خواجہ محمد یوسف: اچھا بھلا ہاؤس چل رہا تھا۔ بہت معنی خیز تقریریں ہو رہی تھی۔ تو اس سے ہمیں کچھ فائدہ اٹھانا چاہیے تھا۔ میں اس ایوان میں تجویز پیش کرنی چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ باقی ممبران بھی اس سے اتفاق کریں گے کہ رانا صاحب کو ایک ٹائٹل دیا جائے۔ "بھس میں آگ لگانے والی جمالو"۔ یہ شرارت پیدا کرتے ہیں' excitement ہوتی ہے اور ہاؤس کا ماحول خراب ہو جاتا ہے۔ یا انھیں "وزیر بھس میں آگ لگا" بنا دیا جائے۔

نواب زادہ غضنفر علی گل، یہ ان پڑھ وزیر ہم پر مسلط کر دیا گیا ہے۔۔

وزیر امداد باہمی، "بے ہماو" میری رشتہ دار نہیں، ان کی رشتہ دار ہے۔ بھس میں آگ لگانا کام ان کا ہے۔
(قطع کلامیاں)

جناب سپیکر، آرڈر پلیز۔ رانا صاحب تشریف رکھیں۔

مہر اختر عباس بھروانہ، پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب والا! میں نے آپ کا ایک بیان بھی اخبار میں پڑھا ہے کہ وزیراعلیٰ صاحب کا ہاؤس میں آنا کوئی ضروری نہیں۔ غالباً یہ آپ نے بیان دیا ہے۔

جناب سپیکر، اگر آپ مجھے بات کرنے دیں تو میں وضاحت کیے دیتا ہوں کہ میں نے کیا کہا تھا۔(قطع کلامیاں) ایک بات جو علی اکبر مظہر وینس نے کی ہے، اس کے بارے میں مجھے اپنی بات کرنی ہے۔ بھروانہ صاحب، آپ تشریف رکھیں گے؛ آپ پہلے بات کر چکے ہیں۔ سب باتوں کو گڈمڈ نہ کریں۔ ایک بات جو وینس صاحب نے کی ہے، پہلے اس پر بات ہونے دیں۔ میرے حوالے سے علی اکبر وینس صاحب نے بات کی ہے کہ میں نے وزیراعلیٰ صاحب کی اس ایوان میں تشریف آوری کے بارے میں پچھلے اجلاس میں کوئی بات کی تھی۔ میں نے جو بات کی تھی، مجھے یاد ہے۔ اور وہ یہ تھی کہ قائد ایوان کو ایوان میں حاضر رہنے کے لیے پابند نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر وہ تشریف لائیں تو ان کی تشریف آوری سے ایوان کی کارروائی اور زیادہ بامقصد ہو جائے گی۔ یہ تھی وہ بات، جو میں نے کی تھی۔

مہر اختر عباس بھروانہ، پوائنٹ آف آرڈر۔ رانا صاحب کے متعلق میرے بھائی گل صاحب نے جو بھی کلمات ادا کیے ہیں۔ یہ اچھے کلمات نہیں ہیں۔ رانا صاحب ہمارے بزرگ ہیں۔ ہمارے لیے قابل احترام ہیں۔ اگر اس قسم کی باتیں ہوں گی تو ہماری طرف سے بھی پھر ایسی باتیں ہوں گی جو ان کے لیے قابل اعتراض ہوں گی۔ یہ اچھے پارلیمینٹرین ہیں۔۔

وزیر امداد باہمی، میری ذات پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ میرا بیٹا ہے، اور اگر بیٹا بھٹک جائے تو کوئی بات نہیں۔

مہر اختر عباس بھروانہ، میں کئی بار یہ عرض کر چکا ہوں کہ اس ایوان میں پہلے یہ روایات چلی آرہی ہیں کہ اسی ایوان میں ہم نے لیڈر آف دی اپوزیشن کی تقاریر بھی سنیں، ان کے پوائنٹ آف آرڈر بھی

سنے۔ مجھے افسوس سے بار بار یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے اپوزیشن والے بھائی کوئی اچھا رول ادا نہیں کر رہے۔ تو اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہییں کہ دوسری طرف اشتعال پیدا ہو۔ تو میری یہ درخواست ہو گی' خاص طور پر نواب زادہ صاحب سے' کہ وہ اس قسم کی باتیں ایوان میں نہ کریں۔

نواب زادہ غضنفر علی گل، نقطہ ذاتی وضاحت۔ رانا پھول محمد خان اور میرا آج کا تعلق نہیں ہے۔ میرے والد مرحوم اور رانا پھول محمد خان اس ایوان میں اکٹھے ممبر رہے ہیں۔ اس وقت میں بچہ ہوتا تھا اور ان گیلریوں سے رانا صاحب کی گل افشانیاں دیکھا کرتا تھا۔ رانا صاحب اور میرے جو اندرونی تعلقات ہیں' وہ مہر صاحب کو نہیں پتا' اور ہونا بھی نہیں چاہیے۔ یہ چاچے بھتیجے کی بات ہے۔ رانا صاحب اور میرے درمیان کوئی سیاسی تعلق نہیں۔ جہاں تک اس ایوان کی روایات کا تعلق ہے' اپوزیشن والے انتہائی غلطی پر ہیں کہ کہتے ہیں' وزیراعلیٰ کیوں نہیں آتا۔ اگر مہر صاحب کو یہ بات ناگوار گزرتی ہے تو مجھے افسوس ہے۔ ہم تو ہمیشہ کہتے رہیں گے کہ اگر ایوان میں قائد ایوان نہ ہو اور ان کی جگہ ایسے لوگ ہاؤس چلانے کے لیے مقرر کر دیے جائیں جو ایوان کو چلانے کی اہلیت نہیں رکھتے تو ایوان کا وقار برقرار رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس ایوان کی روایات رکھنے کے لیے میری گزارش ہے کہ اس ایوان کا وقار اور اونچا ہوگا اگر ادھر کے بے زبانوں کو زبان دے دی جائے اور وہ اپنے خیالات اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرنا شروع کر دیں' ادھر سے ہم کریں۔ مقابلہ ہوگا۔ محنت ہوگی اور اس سے وقار پیدا ہوگا۔ صم' بکم' کمی قبرستان کا سا سماں ہے۔ ادھر اکیلے ہم اذان دے رہے ہیں تو صورت حال تو انھیں بری ضرور لگے گی۔

جناب سپیکر، راؤ طارق محمود صاحب۔

راؤ طارق محمود، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جناب سپیکر! میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے مجھے یہاں پر بات کرنے کا موقع فراہم کیا۔ یہ اجلاس پاکستان پیپلز پارٹی کی درخواست پر آزادی صحافت پر بات کرنے کے لیے بلایا گیا ہے۔ اس سے پہلے بہت سی باتیں ہو چکی ہیں اور بڑی قیمتی باتیں اس ایوان میں ہوئی ہیں۔

جناب والا! صحافت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ صحافت کے بغیر جمہوریت اور آزادی کا تصور نہیں۔

جناب فضل حسین راہی، جناب سپیکر! کوئی طریقہ ہے کہ یہ (درخواستوں پر) دستخط کرنا بند کر دیں تسیں انہاں نوں آکھ آکھ کے تھک گئے او۔ انہاں نوں آکھ آکھ کے تہاڈیاں قلماں چپٹیاں ہو گئیاں نیں۔ ایہناں نوں چاہی دا اے کہ ایسہ ماحول بہتر کرن۔

جناب سپیکر، راہی صاحب! سنجیدہ بات ہو رہی ہے۔ آپ تشریف رکھیں۔

راؤ طارق محمود، صحافت کی اہمیت پر بات ہو رہی ہے۔ صحافت کے بغیر موجودہ اسمبلیاں موجودہ جمہوریت بے کار ہو کر رہ جاتی ہیں۔ جناب والا! یہ سب کچھ ایک طویل عرصے کے بعد میں آزادی صحافت کا نمونہ دیکھنے کو ملا ہے۔ پورے پاکستان کے 42 سال میں اتنی آزادی صحافت کسی دور میں میسر نہیں آئی جتنی آج اس دور میں ہے اس سے نہ اپوزیشن کو اعتراض ہے اور نہ ہی حزب اقتدار کو اعتراض ہے۔ بلکہ دونوں پارٹیاں اس بات کا اعتراف کرتی ہیں اور یہی بات ہے کہ آزادی صحافت کو ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کیونکہ آج جو کسی کا کردار ہے وہ شائع ہو رہا ہے۔ آج جو کسی کی قابلیت ہے وہ اخبارات میں آ رہی ہے۔ آج جو کسی کی زبان سے الفاظ نکلتے ہیں کسی لیڈر کی زبان سے وہ شائع ہو رہے ہیں۔ یہی الفاظ آزادی صحافت کو ختم کرنے کی بجائے اگر میاں صاحب کو وزیراعظم بننے کا شوق ہے۔ اور انہوں نے پسرور میں یہ کہہ دیا کہ نواز شریف وزیر اعظم کے بینر کو اونچا کرو اور اخباروں نے یہ بات شائع کر دی اس کے بعد میاں صاحب نے یہ کہا کہ "جنگ" اخبار جھوٹا اخبار ہے۔

صاحب زادہ محمد احمد، جناب سپیکر! میں فاضل رکن کی تصحیح کے لیے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میرا تعلق پسرور سے ہے اور میں اس جلسے میں موجود تھا جس جلسے میں قائد ایوان میاں نواز شریف صاحب نے خطاب کیا تھا جناب سپیکر! انہوں نے ہرگز ہرگز یہ الفاظ نہیں کہے تھے دور سے ایک بینر تھا جس پر لکھا ہوا تھا قائداعظم زندہ باد پاکستان زندہ باد وہ دور سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہاں لوگوں کا بہت انبوہ تھا ایک بہت کثیر اجتماع تھا وہ بینر نظر نہیں آ رہا تھا۔ لوگ چلا رہے تھے کہ اس کو راستے سے ہٹا دیا جائے تاکہ ہم وزیراعلیٰ کو دیکھ سکیں وزیراعلیٰ صاحب نے یہ کہا تھا کہ اس بینر کو نیچا کر دیں یا اوپر کر دیں صرف یہ بات تھی حاشا وکلا یہ بات نہیں کہی اوپر بینر کریں جس پر لکھا ہوا تھا کہ مستقبل کے وزیراعظم۔ لہذا یہ بالکل غلط ہے۔

جناب فضل حسین راہی، جناب والا! ان کو کہیں کہ یہ قائداعظم کا نام نہ لیا کریں۔

راؤ طارق محمود، جناب والا! میرے فاضل ساتھی نے جو بات یہاں کی ہے۔ کہ وہ پسرور کے جلسے میں موجود تھے میں پسرور کے جلسے میں موجود نہیں تھا۔ یہ بات حقیقت ہے کہ وہ اس میں موجود تھے لیکن اخبار میں یہ آیا اور "جنگ" اخبار نے یہ شائع کیا کہ میاں صاحب نے یہ کہا کہ وزیراعظم نواز شریف کے بینر کو اونچا کرو اس دن کے بعد اگلے دن میاں صاحب کا بیان تھا کہ "جنگ" اخبار جھوٹا ہے اس دن کے بعد اگلے دن "جنگ" نے یہ بیان شائع کیا کہ ہم اس بات کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔ کہ نواز شریف صاحب نے یہ بات کہی اس دن کے بعد میاں صاحب نے بجائے ثبوت مانگنے کے "جنگ" اخبار کے دفتر کو تباہ کرا دیا۔ جناب یہ تمام سلسلہ اس بات کو ثابت کرتا ہے میں اس بات سے قطعاً انکاری نہیں ہوں کہ میں اس جلسے میں موجود نہیں تھا۔ اگر وہ صاحب موجود تھے تو انہیں چاہیے تھا کہ "جنگ" اخبار کے اس مؤقف کو غلط ثابت کرتے جہاں "جنگ" اخبار یہ کہہ رہا تھا کہ ہم اس کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ میاں صاحب نے بات کی ہے۔ لیکن اس بات کو جھٹلانے کی بجائے "جنگ" کے اخبار پر حملہ کرنا یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ اس کے بعد یہ تمام صورت حال پیدا ہوئی۔ جناب والا! اس کے بعد ایک بیان "جنگ" میں یہ بھی آیا کہ اختیار ان کے پاس ہے تو اقتدار میرے پاس ہے یہ میں نے خود پڑھا جناب والا! یہ فرعون کی زبان میں بولنا جناب سپیکر ان سے کہیں کہ ایوان کے تقدس کا خیال رکھیں۔ تو جناب والا وہی فرعون کی زبان میں بولنا۔

سید ناظم حسین شاہ، جناب سپیکر! آپ کو بارہا یہ کہا گیا کہ وزیر قانون کو کہیں کہ وہ کم از کم 20/15 منٹ کے لیے قانون کا احترام کر لیں۔ جناب والا! ہم اس ایوان میں آئے ہیں۔ اور یہاں پر بڑی سنجیدگی سے بیٹھنا چاہیے اور بڑی سنجیدگی سے ہی ہر بات سننی چاہیے اور سنجیدگی سے ہی جواب دینا چاہیے۔ یہاں پر درخواستوں پر دستخط ہو رہے ہیں۔ ان پر پابندی تو نہیں ہے کہ یہ ضرور ایوان میں بیٹھیں۔ آپ اپنے دفتر میں چلے جائیں وہاں جا کر دستخط کریں۔ جناب سپیکر! اگر اس کا ڈیکورم نہیں رکھنا تو پھر اس ایوان کو بلانے کی کیا ضرورت ہے۔ اتنا پیسہ خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

رانا پھول محمد خان، اجلاس آپ نے بلایا۔

سید ناظم حسین شاہ، جناب والا! ٹھیک ہے ہم نے اجلاس بلایا یہ سمجھتے ہوئے بلایا۔ رانا پھول خان صاحب ہمارے بزرگ ہیں اور ہمارے دیرینہ ساتھی ہیں۔ نہ ان کو عمر کا لحاظ ہے اور نہ ہی ان کو اپنے

عہدے کا لحاظ ہے۔ اسی طریقے سے جناب وزیر قانون صاحب کو قانون کے اس طریقے سے دھجیاں نہیں اڑانی چاہئیں۔ کچھ تو ڈیکورم رکھیں۔ یہ ہمارے لیے مثال ہیں۔ ہم ان سے incentive لیں گے کیا اس صوبے کا وزیر قانون اس طریقہ کا ہوتا ہے۔ میری یہی گزارش تھی شکریہ۔

جناب سپیکر: جی راؤ طارق محمود صاحب اپنی بات کو ختم کیجیے۔

راؤ طارق محمود: جناب والا! یہ تمام interruption ہو رہی ہے۔ جناب والا! یہ فرعون کا لہجہ ہے۔ اور یہ نمرود کی زبان ہے۔ اور یہ تاریخ گواہ ہے۔ کبھی بھی ایسے لہجے اور کبھی بھی ایسی غرور کی باتیں پروان نہیں چڑھ سکیں۔ اور کسی نے خوب کہا ہے غرور نہ کر چار دن کی شاہی ہے۔ یہی رسم جہاں دن بدلتے رہتے ہیں اور یہ منظر بھی دیکھا ہے اہل دنیا نے کہ نمرود اپنی ہی آگ میں جلتے رہتے ہیں جناب والا! اس صوبے میں بڑے بڑے وزیراعلیٰ گذرے ہیں۔ اس ملک میں بڑے بڑے لوگ گذرے ہیں بڑے بڑے جواب گذرے ہیں لیکن یہ کہاں کا وتیرہ ہے کہ اخبارات کے حوالے سے یہ کہا جائے کہ اگر اختیار ان کے پاس ہے تو اقتدار ہمارے پاس ہے یہ انتہائی شرم ناک باتیں ہیں۔ گیارہ سال کا ایک دور گذرنے کے بعد آج بھی وہ رویہ نہیں بدلا وہ آمرانہ رویہ آج بھی قائم ہے۔ اور یہی ایک جمہوری اداروں کے خلاف سازش ہے۔ کہ جمہوری اداروں کو تباہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جمہوریت کا سامنا نہیں کر سکتے۔ وہ لوگ تنقید کا سامنا نہیں کر سکتے۔ اور جمہوریت کو تباہ کرنے کے درپے ہیں۔ انہیں پتہ ہے کہ ان کی نجات مارشل لاء میں ہے۔ ان کو پتہ ہے ان کی نجات آمریت میں ہے۔ اس نظام کو لانے کے لیے کبھی وہ کوئی حربہ اختیار کرتے ہیں کبھی کوئی حربہ اختیار کرتے ہیں۔ جناب والا! میں آپ سے گزارش کروں گا۔ نواز شریف پر "جنگ" اخبار کا بڑا احسان ہے۔ میاں صاحب پنجاب کے اتنے بڑے لیڈر نہ بنتے اگر "جنگ" اخبار ان کے پورے پورے portrait شائع نہ کرتا۔ میں اس بات کو پورے وثوق سے کہتا ہوں میاں صاحب پر دو ہستیوں کا بہت بڑا احسان ہے۔ ایک جنرل ضیاء الحق کا جنہوں نے ان کے گلے کو مضبوط کیا۔ اور نمبر 2 "جنگ" اخبار نے ان کو لیڈر بنایا۔ یہ دوسری بات ہے کہ "جنگ" اخبار کو اس کا خمیازہ خود بھگتنا پڑا یہ بھی ہم تسلیم کرتے ہیں کہ پیپلز پارٹی کی کچھ ایسی باتیں ہوئیں کہ میاں صاحب کو ابھرنے کا موقع ملا جناب والا! 23 مارچ یوم پاکستان کے حوالے سے انتہائی اہم دن مسلم لیگ کی تنظیم ایم ایس ایف نے جو "جنگ" اخبار کے ساتھ کیا وہ ایک الگ بات ہے۔ لیکن

اس دن جب ٹی وی پر وہ اخبار ہمیں دکھائے جا رہے تھے۔ اور وہاں پر قائداعظم کی تصویر دکھائی جا رہی تھی۔ اور ہم دیکھ رہے تھے کہ ایم ایس ایف کے غنڈے قائداعظم کی تصویروں کو روند رہے ہیں۔ جناب والا! ہمیں قائداعظم بڑے بے بس نظر آئے کہ وہ اپنے ہی وارثوں کے ہاتھوں قائداعظم کی بے بسی مجھے نظر آئی ہمیں اس پر خود شرمندگی ہے۔ جناب اگر یہ لوگ بابائے قوم کا احترام نہیں کر سکتے اگر یہ لوگ اپنے پورے پاکستان کے قائد کا احترام نہیں کر سکتے تو ان سے کسی خیر کی توقع نہیں ہوگی۔ یہ لوگ کلاشن کوفیں اٹھا کر پیپلز پارٹی کو دھمکیاں دیتے ہیں۔ یہ وزیراعظم کو دھمکیاں دیتے ہیں کہ ہم ان کو لگامیں ڈال دیں گے۔ جناب والا! پیپلز پارٹی کو لگام ان کے جو بڑے گزرے ہیں وہ نہیں ڈال سکے۔ یہ تو اس قابل ہی نہیں ہیں کہ پیپلز پارٹی کو لگام ڈال سکیں۔ جناب والا! اس کے بعد یہ بھی سنا گیا کہ صلح ہوگئی ہے یعنی دو صنعت کاروں میں صلح ہوگئی ہے۔ دو سرمایہ داروں میں صلح ہوگئی ہے کہ "جنگ" کے مالکان اور میاں صاحب کی صلح ہو گئی ہے۔ بجا۔ صلح ہو گئی ہے۔ لیکن جناب! یہ ان کی صلح ہوئی ہے جن کی مجبوری سرمایہ ہے۔ یہ ان کی صلح ہوئی ہے جن کی مجبوری اشتہار ہیں۔ یہ ان کی صلح ہوئی ہے جن کی مجبوری کاروبار ہے۔ میں صرف یہ پوچھتا ہوں کہ جن کی مجبوری قلم ہے وہ کس سے جا کر صلح کریں۔ جن کی مجبوری ان کا ضمیر ہے وہ کس سے جا کر صلح کریں۔ آج بھی "جنگ" کے صحافی، آج بھی "جنگ" کی کارکنان اس بات کو بڑے دکھ سے بیان کرتے ہیں کہ ہم جا کر کس سے بات کریں۔ ہم کس کے سامنے جا کر اپنا رونا روئیں۔ کہ ہم پر جو ظلم ہوا ہے ہم پر جو قیامت گزری ہے وہ کس کو جا کر بیان کریں اس لیے کہ "جنگ" کے مالکان کے اشتہار بند ہوئے۔ ان کا کاروبار بند ہوا۔

وزیر اطلاعات (چودھری محمد اقبال): پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب سپیکر! میں ریکارڈ کی درستی کے لیے جناب والا کی وساطت سے فاضل رکن کو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جن لوگوں کی چیف منسٹر صاحب سے بات چیت ہوئی تھی وہ "جنگ" کے کارکن تھے مالک نہیں تھے۔ یہ ریکارڈ درست فرمالیں۔

راؤ طارق محمود: جناب والا! یہ ایک لابی ہے اور درست ہے۔ اور پھر ہر شام کو اخبارات کے دفاتر میں مسلح لوگ جاتے ہیں اور ان سے اپنی پسند کی فوٹو لگواتے ہیں۔ اور لیڈ کے بہانے سے کہ پہلی لیڈ اس حوالے سے لگائی جائے کہ وزیراعظم کا نام چھوٹا ہو اور وزیراعلیٰ کا نام بڑا ہو۔ تو جناب یہ ایک مسلسل پریکٹس تھی اور اس پر اگر چند باضمیر لوگ سامنے آئے تو ان کو جتایا گیا کہ اگر آپ کے پاس قلم ہے

تو ہمارے پاس کلاشنکوف ہے اور اگلے دن جب اخبار کے کارکنان نے جلوس نکالا تو ان کے اوپر فائرنگ کی گئی۔ ان کے اوپر کلاشنکوفوں سے فائرنگ کی گئی۔ اور پھر غلام حیدر وائیں نے یہ بیان دیا کہ جناب اس جلوس پر فائرنگ اس لیے کی گئی کہ اس میں جگو ملزم اور اس کے رشتے دار موجود تھے۔ تو جناب یہ ایک اتفاق ہے۔ ہم نے ٹیلی ویژن پر دیکھا۔ ہم نے اس جلوس میں جا کر دیکھا کہ وہ "جنگ" کے کارکنان تھے۔ وہ صحافی تھے جو اپنے اوپر ہونے والے ظلم کے خلاف آواز بلند کر رہے تھے۔ جناب۔ یہ ایک انتہائی افسوس ناک بات ہے۔ انتہائی شرم ناک بات ہے اس صوبے میں جہاں پر اس وقت جمہوریت کا دور دورہ ہے۔ اس اسمبلی کے اندر ہر اچھی بری بات کی جا سکتی ہے۔ ہر تلخ سے تلخ بات کی جا سکتی ہے۔ ہمیں اپنی آنے والی نسلوں کو ایک ورثہ دے کر جانا ہے۔ ایک سبق دے کر جانا ہے۔ ایک اچھی روایت دے کر جانا ہے۔ میری حزب اقتدار اور حزب اختلاف سے بھی گزارش ہے کہ آپ اور میں پانچ سال دس سال، بیس سال گزاریں گے اس کے بعد نئی نسل نے آنا ہے۔ لیکن صرف اتنا سوچیے کہ جب نئی نسل آئے تو وہ ہمارے کارنامے پڑھ کر شرمندہ نہ ہوں۔ وہ ہماری باتیں پڑھ کر شرمندہ نہ ہوں۔ وہ یہ نہ کہے کہ ہم لوگ ان کے وارث کیوں ہیں بلکہ وہ ہمیں اپنا وارث سمجھنے پر فخر محسوس کریں۔ جناب والا! آپ سے بھی گزارش ہے اور سب سے بڑی بات کہ جو اسمبلی میں ماحول پیدا ہو گیا ہے تو قائد ایوان صاحب کو یہاں پر ضرور آنا چاہیے۔ ان کے آنے سے ہمارے حوصلے بلند ہوتے ہیں۔ ان کے آنے سے آپ کے حوصلے بلند ہوتے ہیں۔ وہ قائد ایوان ہیں۔ ان کو آنا چاہیے۔ اس لیے کہ ان کی سب سے اچھی اور سب سے بہترین جگہ پنجاب اسمبلی ہے۔ اگر وہ اپنی یہ بنیاد چھوڑیں گے تو ہو سکتا ہے کہ ان کی بنیاد ان سے چھن جائے۔ اور جب بنیاد ہی نہیں رہے گی تو ساری عمارت گر جائے گی جناب والا! میں آپ کا بہت مشکور ہوں اور آپ کا بہت شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری ان تلخ باتوں کو بڑے حوصلے سے سنا۔ مہربانی

جناب سپیکر، شکریہ۔ اب ہمارے پاس پندرہ منٹ ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تین مقرر ہیں جو بولنا چاہتے ہیں۔ اس میں محمود الحسن ڈار صاحب۔ خواجہ محمد یوسف صاحب ہیں۔ اور فضل حسین راہی صاحب ہیں۔ ادھر لاء منسٹر صاحب نے بھی اس کو wind up کرنا ہے۔ (قطع کلامیاں) تو پھر میرے خیال میں لاء منسٹر صاحب کو wind up کروا دیں۔ (قطع کلامیاں) خواجہ صاحب بھی اتفاق کرتے ہیں۔ ڈار صاحب بھی

اتفاق کرتے ہیں۔ راہی صاحب! آج آپ بھی اتفاق کر جائیں۔ کوئی بات نہیں۔

جناب محمود الحسن ڈار، جناب والا! میں دو تین منٹ سے زیادہ نہیں لوں گا۔

جناب سپیکر، چلیں۔ آپ دو منٹ میں ختم کریں۔ محمود الحسن ڈار صاحب!

جناب محمود الحسن ڈار، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جناب سپیکر! میں مشکور ہوں کہ آپ نے دو تین منٹ کے لیے اجازت دی۔ جناب۔ یہاں آزادی صحافت پر کافی تقاریر ہوئیں۔ یہ ایک بنیادی بات ہے کہ اس کا احترام اور اس کی دیکھ بھال وہی کر سکتا ہے جس کی اس کے ساتھ کوئی وابستگی ہو اگر میں تحریک پاکستان کی بات کروں تو موجودہ حکومت میں بہت کم لوگ ہیں جن کی قائداعظم کے ساتھ وابستگی ہوگی۔ یا جنہوں نے ان کو دیکھا ہوگا۔ اور اگر میں مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کی بات کروں تو اس وقت کی مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن میں میرے خیال میں بہت کم ہمارے اراکین ساتھی یہاں بیٹھے ہوں گے جنہوں نے اس وقت اس جماعت اور تنظیم کے ساتھ کام کیا ہوگا۔ جناب قائداعظم اور مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن نے تحریک پاکستان کے وقت میں جس جدوجہد میں انہوں نے حصہ لیا تھا وہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے طلبا گلی گلی، کوچے کوچے جا کر پاکستان لینے کے لیے آواز بلند کرتے تھے۔

ایک معزز رکن، اسلامیہ کالج لاہور کی بھی بات کریں۔

جناب محمود الحسن ڈار، جناب والا! میں اسلامیہ کالج لاہور کی بھی بات کروں گا۔ میں خود بھی اس وقت آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ میں مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کا جوائنٹ سیکرٹری تھا ڈاکٹر ضیاء الاسلام یہاں پر صدر تھے۔ میں نے وہ بھی زمانہ دیکھا۔ قائداعظم کو بھی دیکھا۔ ہو سکتا ہے کہ میرے بھائی رانا پھول محمد خان صاحب نے بھی دور دور سے دیکھا ہوگا۔ اس وقت نزدیک نہیں آئے ہوں گے۔ اس وقت یہ جاگیردار اور سرمایہ دار گھبراتے تھے۔ یہ اس وقت انگریز کے پٹھو تھے جو قائداعظم کے ساتھ نہیں جاتے تھے۔ وہ کون جاتے تھے؟ یہی ہمارے ساتھی غریب عوام تھے جو اس وقت بھی ان کے ساتھ تھے جو اپنی جانوں کی قربانیاں اور مال کی قربانیاں دے کر پاکستان میں آئے۔ جناب عالی! دوسری بات میں آزادی صحافت کروں۔ جائیں قائداعظم کو دیکھیں۔ ان کا ساتھ کس نے دیا؟ مولانا ظفر علی خان صاحب کو دیکھیں۔ ان کا ساتھ کس نے دیا۔ ان کا کردار دیکھ لو ان کی قربانی دیکھ لو۔ اس کے ساتھ میں

حمید نظامی کو بھی خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے پاکستان بنانے میں کیا کیا۔ بات یہ ہے کہ اخبارات کے دفاتر پر جا کر حملہ کرنا اور صحافیوں کے ساتھ جس طرح انہوں نے سلوک کیا اسے یہ معمولی بات سمجھتے ہیں۔ جناب۔ اس بات کو یہ مانتے ۔کیوں نہیں کہ انہوں نے خود وہاں پر معصوم لڑکوں کو دہشت گرد بنا دیا۔ وہ تنظیم اس راہ پر چل رہی ہے کہ یقین کریں کہ یہ لوگ خود جا کر ان کو اسلحہ دیتے ہیں۔ کلاشنکوفیں دیتے ہیں۔ یہاں پر جناب فتیانہ صاحب بڑی لمبی چوڑی تقاریر کر رہے تھے۔ میں فیصل آباد کا ثبوت دیتا ہوں۔ میں "جنگ" کی بات' یہاں کی بات کے ساتھ ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ اگر ایم ایس ایف والے جہاں پر جا کر حملہ کرتے ہیں تو مسلم لیگ کے دفتر سے فائرنگ ہوتی ہے۔ یہ بتائیں کہ یہ کہاں تھے۔ اور پھر فیصل آباد کی بات سن لیں۔ پچھلے دنوں ایم ایس ایف کے طلبا نے وہاں پر ایک سمن آباد کی آبادی پر حملہ کیا۔ ان سے جگا ٹیکس لیتے رہے۔ وہاں پر ہمارے غریب مزدور آج بھی ہسپتال میں زخمی پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن وہاں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کیوں کہ یہاں پر حکومت پنجاب کی projection ہے۔ یہ ان کو پوری طرح projection دیتے ہیں۔ اور وہاں پر انتظامیہ کا بھی عمل دخل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ویسے ہیں۔ ہم کیا کریں؟ پچھلے دنوں وہاں پر ایک شخص نسیم شہید کا قتل ہوا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہی جماعت آئی جے آئی والی تھی۔

جناب سپیکر: شکریہ ڈار صاحب!

جناب محمود الحسن ڈار: جناب صرف ایک منٹ دے دیں۔ آئی جے آئی کی جماعت جمعیت کی جماعت۔ اس میں جناب کا لڑکا شہید ہوا۔ کس نے کیا؟ ایم ایس ایف نے کیا آج جناب وہ بھی چیخیں مار رہے ہیں اور کوئی سننے والا نہیں۔ قاتل دندنا رہے ہیں۔ کوئی کسی کو پکڑنے والا نہیں۔ جناب جس طریقے پر یہ خود تنظیم کو لے کر جا رہے ہیں خدارا نہ آپ کی عزت محفوظ ہوگی نہ ہماری عزت محفوظ ہوگی اور نہ کسی غریب کی عزت محفوظ ہوگی جس طریقے پر وہ کلاشنکوفیں لے کر لوٹ مار کر رہے ہیں۔ جناب والا! فیصل آباد کا سب سے بڑا ڈکیت میئر کارپوریشن ہے اور یہ وزیراعلیٰ پنجاب نواز شریف کا رشتہ دار ہے یہ وہاں پر ان تنظیموں کو پوری طرح سے تحفظ دیتا ہے اور وہ ان کو ناجائز کام کرنے کا حکم دیتا ہے وہاں پر روزانہ کلاشنکوفیں تقسیم ہوتی ہیں خدارا فیصل آباد کے حالات جا کر دیکھو وہاں پر لوگوں کا جینا حرام کیا ہوا ہے کوئی تاجر باہر نہیں نکل سکتا یہاں فیصل آباد کے رہنے والے میرے معزز ساتھی میاں فاروق

بیٹھے ہوئے ہیں اور چودھری ریاض صاحب نے خود وزیراعلیٰ کو کہا ہے کہ خدارا! اس کو سمجھاؤ یہ ڈکیتی چوریاں بند کرے اور یہ خواہ مخواہ ہماری نوجوان نسل کو خراب کر رہا ہے جناب عالیٰ! ان چیزوں کے ساتھ ساتھ میں آپ کی وساطت سے ان سے استدعا کرتا ہوں کہ خدارا طلبا کو سیاست سے دور رکھیں اور ان کی توجہ تعلیم کی طرف دلوائیں۔ شکریہ۔

جناب سپیکر، شکریہ میاں صاحب۔

خواجہ محمد یوسف، جناب والا! مجھے بھی دو منٹ عنایت فرمائے جائیں۔

جناب سپیکر، خواجہ صاحب! دو منٹ میں آپ کیا بات کریں گے ؟

خواجہ محمد یوسف، جناب والا! میں دو منٹ میں یہ عرض کروں گا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ جہاں پر سیاست ہو گی وہاں پر صحافت بھی ہو گی اور اگر صحافت نہیں ہو گی تو پھر سیاست بھی نہیں ہو سکتی پچھلے آمر کے دور میں جب سیاست مصیبت میں تھی تو صحافت نے اس کا ساتھ دیا۔ اور کہیں نہ کہیں ان کی آواز نکالتی رہی آج جب صحافت پر ظلم ہونے شروع ہوئے ہیں تو اس ایوان میں سیاست کی طرف سے صحافیوں کی قدر افشانی کرتے ہوئے ان کے دکھ کا رونا رویا گیا اور یہ بتانے کی کوشش کی کہ صحافت پر اس وقت بے حد ظلم ہوا ہے جناب والا! میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ صحافت اور مالکان کو ذرا الگ الگ نظریہ سے دیکھیں آپ ان صحافیوں کو دیکھیں کہ صبح سے بے چارے آپ کی تقریروں کو اپنے قلم سے لکھ رہے ہیں اور پھر آپ کے عوام تک آپ کے حلقوں تک' آپ کے جاننے والوں تک' آپ کے ووٹروں تک آپ کی کارکردگی پہنچائیں گے ان کا کام ظالم کے خلاف آواز اٹھانا ہے اورقلم کو بند کرنے کے لیے یہ ایسا کرتے ہیں میرے کچھ عزیز دوستوں نے یہاں پر یہ بھی کہا کہ پہلے کسی وقت میں صحافیوں پر بھی ظلم ہوتے رہے بلکہ صحافیوں کو یہاں پر پذیرائی ملتی رہی ہے ہمارے سیالکوٹ سے مشرق کے صحافی چودھری محمد دین صاحب اس اسمبلی کے رکن رہ چکے ہیں کسی دوست نے جناب زاہد ملک کے متعلق ذکر کیا تھا کہ ان کے ساتھ بھی زیادتی ہوئی ہے ان کا رسالہ "حرمت" ہے۔ میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ آمر کے وقت میں۔۔۔

وزیر امداد باہمی، کیا آپ نے ملک سلیمان صاحب کے بارے میں فرمایا ہے۔

خواجہ محمد یوسف، جی میں ملک زاہد کا ذکر کر رہا ہوں۔

وزیر امداد باہمی، نہیں۔ میں نے ملک سلیمان کے بارے میں سمجھا۔

خواجہ محمد یوسف، رانا صاحب' میں پڑھے لکھوں کی بات کر رہا ہوں میں ان پڑھوں کی بات نہیں کر رہا۔ جناب میں زاہد ملک کی بات کر رہا ہوں۔ تو زاہد ملک حرمت رسالہ نکالتے ہیں انہوں نے مضامین قرآن حکیم لکھا۔ کیا آپ اس کے معنی بتا سکتے ہیں۔ رانا صاحب آپ کو اس کے معنی بھی نہیں آتے ہوں گے۔

میں نے زاہد ملک صاحب کو ٹاؤن ہال سیالکوٹ میں گولڈ میڈل دیا اور اس آمر کے وقت میں دیا توجناب والا! میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اس وقت کے جو حکم ران ہیں جن میں رانا صاحب آپ بھی شامل ہیں اور انہوں نے آپ کو بھی اس لیے شامل کیا کہ اس وقت دھاندلی' دھونس اور زبردستی کی حکومت ہے اور اس آمرکو وہ روحانی باپ تسلیم کرتے ہیں اور آمر ان کو وصیت کر کے گئے تھے کہ سیالکوٹ کا رہنے والا میجر یوسف مجھ سے فوت نہیں ہو سکا اس کو میں ختم نہیں کر سکا اس لیے میری آپ کو وصیت ہے کہ آپ اس کو ضرورختم کرنا اسی وصیت کے مطابق ایک جگہ پر مجھے قائد ایوان سے ملاقات کو موقع ملا اور وہ مجھ سے تنگ آئے ہوئے تھے کیونکہ میں نے یہاں پر بہت سی باتیں کی تھیں لہذا وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ آپ سیالکوٹ میں رہتے کہاں پر ہیں تو اس وقت بھی میری ان سے یہی گزارش تھی کہ قائد ایوان میں وہاں پر بڑی محفوظ جگہ پر رہتا ہوں وہ آپ کے بزرگوں کی جگہ کہلاتی ہے یعنی کہ چھاؤنی کہلاتی ہے میں اس چھاؤنی میں رہتا ہوں اور میرے گھر کے دروازے ویسے چوبیس گھنٹے کھلے رہتے ہیں مجھے کسی کا کوئی خوف نہیں آپ وصیت پوری کریں۔ تو جناب والا! ان صحافیوں سے تو ہمیں ہم دردی سے پیش آنا چاہیے کیونکہ یہ ہماری آواز ہمارے عوام تک پہنچاتے ہیں جو کہ اس اسمبلی میں ہوتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ وہ آئین کے مطابق ہو اگر آئین کے مطابق ہوتا رہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں اس ایوان میں آپ کی اکثریت ہے لہذا آپ جو قانون بھی پاس کرنا چاہیں وہ کریں اس میں تو ہم کوئی دخل نہیں دے سکتے۔ سوائے اس کے کہ ہم عوام کو ضرور آگاہ کریں گے کہ اے ہمارے لوگو' اے ہمارے ووٹرو' اے ہمارے ملک کے باسیو کہ یہ جو قائد ایوان دعویٰ کرتے ہین کہ ہم چھ کروڑ کے نمائندے ہیں کیا ہم ان میں سے نہیں ہیں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہماری ایوان میں اکثریت ہے کیا ہم ایوان میں حزب اختلاف نہیں ہیں کیا ہم کسی کے نمائندے نہیں ہیں کیا ہم پنجاب کے

کسی حصے کی نمائندگی نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو پنجاب کے وزیراعلیٰ نے کتنی نوکریاں ہمارے حوالے کی ہیں کتنے ڈویلپمنٹ کے کام ہمارے حوالے کیے ہیں اور ہمارے علاقے کے لوگوں کے کتنے دکھ دور کیے ہیں تو جناب والا! آج اخبارات کے صحافیوں پر جو ظلم کیا گیا ہے اس کے لیے ان کو شرمندہ ہونا چاہیے ان کو اس ایوان میں آ کر معذرت کرنی چاہیے۔

میں نے سپیکر صاحب کی خدمت میں پہلے بھی کئی دفعہ عرض کیا ہے کہ جناب والا! وہ ہمیں دکھائیں تو سہی وہ دیکھنے کی چیز ہے کیا وہ سندھ بلوچستان اور فرنٹیئر میں ہی ہوتی ہے اور جیسے میرے کئی دوستوں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ اگر ان کو اتنا ہی شوق ہے کہ وہ ملکی سیاست میں حصہ لینا چاہتے ہیں تو وہ ادھر سے استعفیٰ دیں قومی اسمبلی کا الیکشن لڑیں اور ادھر جا کر اس ایوان میں اپنا وقت استعمال کریں۔ تاکہ ہمارے جو وزیراعلیٰ ہوں وہ اس ایوان میں ہماری تکلیفوں کو سنیں ہماری باتوں کو سنیں اور ہمارے ساتھ جو انصاف ہو سکتا ہے وہ کرنے کی کوشش کریں۔

جناب سپیکر، شکریہ خواجہ صاحب۔۔۔ جناب فضل حسین راہی۔

جناب فضل حسین راہی، شکریہ جناب والا! ایک دانشور کا قول ہے۔ کہ میرے ساتھ اختلاف رائے آپ کا بنیادی حق ہے اور میں اپنے آخری سانس تک آپ کے اس حق کے تحفظ کے لیے لڑوں گا۔ اور جناب والا! طولی فلاسفر کا کہنا ہے کہ ان لوگوں پر حکومت کرنا بہت آسان ہوتا ہے جو "جنگ" اور خوف کے ماحول میں مبتلا رہتے ہیں اور وہ عوام خود اپنی کمائی سے ایسے ٹیکس ادا کرتے ہیں جو اسلحے کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور جناب والا! آزادی صحافت کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ might is right کی نفی کرنے کا مطلب آزادی ہے might is right۔ جنگل کا قانون ہوتا ہے وہ law of land نہیں اور جب تک ہم law of nature کو law of land میں تبدیل نہیں کرتے ہم سمجھتے ہیں کہ ہم حقیقی آزادی کے تصور تک نہیں پہنچ پاتے اور جناب والا۔۔۔(قطع کلامیاں)

جناب سپیکر، آرڈر پلیز۔ آج فضل حسین راہی تیاری کر کے تقریر کر رہے ہیں لہذا آپ کو اس طرف توجہ دینی چاہیے۔

جناب فضل حسین راہی، تو جناب والا! law of nature یہ ہے کہ ہر چھوٹے جانور کو بڑا جانور کھا جاتا ہے اور یہ جنگل کا قانون ہے ہم نے جنگلوں سے نکل کر معاشرہ تو قائم کر لیا اور شہر بسا لیے لیکن وہ

قانون جو جنگل کے لیے تھا اس کو بھی ہم اپنے ساتھ شہروں میں لے آئے اور جب تک ہم طاقت کی نفی نہیں کرتے میں سمجھتا ہوں کہ اگر طاقت کو استعمال کرتے ہیں تو اس سے انصاف نہیں ہو سکتا انصاف تو بحث کے نتیجے میں ملتا ہے لیکن یہاں بحث کی بجائے کلاشنکوف کے زور پر اور بندوق کے زور پر انصاف نافذ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو کہ حقیقت میں انصاف نہیں جناب والا! میں سمجھتا ہوں کہ جب یہ نظام قائم کیا گیا تھا اس نظام کے تحفظ کے لیے میں سمجھتا ہوں کہ یہ جو طبقاتی اختلاف انسان کے اندر اور معاشرے کے اندر ہے اس کو قائم رکھنے کے لیے یہ نظام تشکیل دیا گیا تھا اور جو قوانین بنائے جاتے ہیں خاص طور پر پریس سے متعلقہ جو قوانین بنائے جاتے ہیں ان کا بنیادی مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ آزادی کو روک دیا جائے اور حکومتی ڈھانچہ جو استحصال کا ذریعہ بنا ہوا ہے اس تک لوگوں کو نہ پہنچنے دیا جائے۔ اس کی اصل شکل عوام تک نہ پہنچائی جائے۔ کبھی یہ ہوتا تھا کہ اخبار مشن کے طور پر نکلتے تھے۔ مولانا ظفر علی خان صاحب تھے انہوں نے مشن کے طور پر اخبار نکالا۔ آج حسین نقی صاحب نے مشن کے طور پر ایک اخبار "پنجاب" نکالا ہے اور اسی طرح بہت سے لوگ مشن لے کر نکلتے تھے۔ اب اخبار کو آہستہ آہستہ ایک انڈسٹری کی شکل دے دی گئی ہے اور آج میں سمجھتا ہوں کہ جب ٹیلنٹ بی اے کرنے کے بعد، ایم اے کرنے کے بعد یونیورسٹیوں سے فارغ ہونے کے بعد صحافت کے میدان میں جاتا ہے تو ان کے انٹرویوز کیے جاتے ہیں اور وہ اس کی ضرورت اس لیے محسوس کرتے ہیں کہ کہیں ان لوگوں کے ذہن میں کوئی progressive aim تو نہیں، کہیں یہ پروگریسو خیالات لے کر تو نہیں ہمارے ادارے میں داخل ہو رہے۔ صرف اس لیے انٹرویوز کیے جاتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ پھر کوشش یہ کی جاتی ہے کہ کوئی ان پڑھ قسم کا افسر صحافیوں کے اوپر لگا دیا جائے جو آنکھیں بند کر کے code پر عمل درآمد کرتا رہے۔ جس کو صرف code کے علاوہ دوسری کوئی چیز نظر نہ آتی ہو۔ اس کو صحافیوں کے اوپر لگا دیا جائے۔

چوہدری محمد وصی ظفر، وقت بڑھا لیا جائے

MR SPEAKER: Time is extended for fifteen minutes.

جناب فضل حسین راہی، جناب والا! میں سمجھتا ہوں کہ صحافت اب بھی آزاد نہیں ہے اگر صحافت آزاد ہو تو وہ کارنامے جو یہاں چیف منسٹر صاحب کرتے ہیں یا وزراء کرام کرتے ہیں یا دوسری حکومت

کے' اوپر والی حکومت کے وہ سارے کارنامے اس لیے اخبارات کو زینت بننے چاہییں جب وہ واقعات رونما ہوتے ہیں تو وہ اس لیے تجزیاتی خبر کی بنیاد پر اخبارات کو منتقل ہونے چاہییں اور وہ اخبارات کے ذریعے عوام تک پہنچنے چاہییں۔ لیکن آج اخبار آزاد نہیں۔ ہم انتظار کرتے ہیں کہ ایک آدمی جب اقتدار سے ہٹ جائے گا پھر اس کا وائٹ پیپر ہم شائع کریں گے۔ جناب والا! پھر اس کا فائدہ کوئی نہیں ہوتا۔ پھر پی اے سی کی میٹنگ بیٹھ جاتی ہے اور پھر پیرے سیٹل کرنے شروع کر دیئے جاتے ہیں اور اس طرح وہ جو گھپلے ہوتے ہیں وہ عوام تک نہیں پہنچتے اور جب پہنچتے ہیں تو اس وقت ان کا فائدہ نہیں ہوتا۔

جناب والا! اب یہاں ہمارے ہاں 70ء کے الیکشن کے نتیجے میں پیپلز پارٹی کی حکومت بنی۔ ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی ایک ذات ہے جس نے اس ملک کی سیاست کو بڑے بڑے ڈرائینگ روموں سے نکال کر کھیتوں اور کھلیانوں میں پہنچا دیا تھا۔ کارخانوں میں پہنچا دیا تھا۔ طالب علموں اور غرض یہ کہ زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں تک پہنچا دیا تھا اور سیاست پر وہ جو سابقہ اجارہ داری چلی آرہی تھی اس کو توڑنا مقصود تھا۔ اس لیے کہ وہ خاندان جو ہمیشہ سے سیاست کے اوپر مسلط چلے آرہے ہیں ان کو توڑا جائے لیکن جناب والا! یہاں اس حکومت کا خاتمہ ایک مارشل لاء لگا کر کیا گیا اور پھر جو آنے والے لوگ تھے انہوں نے اپنے لیے بنیادی ذمہ داری یہ اپنا لی کہ ان لوگوں نے اس معاشرے کو depoliticize کرنا ہے اور ان کے اندر سے اس سیاست کو نکالنا ہے تاکہ ان کی وہ اجارہ داریاں پھر سے قائم ہو جائیں اور آپ دیکھیں جناب والا! کہ یہاں مجلس شوریٰ بنی تھی اور مجلس شوریٰ جب بنائی گئی تھی تو اس وقت یہاں صدر ضیاء الحق صاحب نے یہ کہا تھا کہ میں نے ان لوگوں کو نامزد کیا ہے۔ ان کے شجرہ نسب دیکھ کر ان کو نامزد کیا ہے۔ یعنی وہ پرانے شجرے والے لوگ جو تھے پھر سے ان کو لا کر ایک so-called ایوان میں بٹھایا گیا اور اس ایوان کو انہی پرانے خاندانوں کے ذریعے چلایا گیا۔ پھر اس معاشرے کو اس طرح سے de-politicise کیا گیا۔

مہر اختر عباس بھروانہ ، پوائنٹ آف آرڈر ۔ جناب والا! اس میں صرف میں اتنی گزارش کروں گا کہ اس مجلس شوریٰ میں طارق رحیم صاحب بھی تھے۔ یہ ذرا ذہن میں رکھیں۔

چودھری محمد وصی ظفر ، یہ کیابات ہوئی؟ یہ کیا بات ہوئی؟

جناب فضل حسین راہی ، یہ جو آپ باتیں کرتے ہیں یہ تو پرائمری کے بچے بھی جانتے ہیں۔ آپ نے کیا انکشاف کیا ہے؟ یہ پرائمری کے بچے بھی جانتے ہیں۔ پانچویں جماعت میں یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ مجلس شوریٰ میں طارق رحیم تھے یا نہیں تھے؛ تو آپ چھوڑیں اس کو کیا آپ انکشاف کرتے ہیں۔

مہر اختر عباس بھروانہ ، آپ ان کو بھی برا بھلا کہیں۔ ان کو تو آپ نے آنکھوں پر بٹھایا ہوا ہے۔

میاں اظہر حسن ڈار ، جناب ادھر اس وقت پنجاب گورنمنٹ میں زیادہ پاکستان پیپلز پارٹی کے اراکین اکٹھے ہوئے ہیں۔

سید ناظم حسین شاہ، جناب ان کو بہت خاص قسم کی تکلیف ہو رہی ہے۔ کبھی یہ بھی ہماری آنکھوں پر بیٹھتے تھے۔ ان کو وزارت نہیں مل سکتی۔ یہ آرام سے بیٹھیں۔

رانا پھول محمد خان، کیا یہ پیپلز پارٹی نے ٹکٹیں دے کر صحیح نمائندے بنائے ہیں۔ (قطع کلامیاں)

جناب فضل حسین راہی، جناب والا! تو اب اس کو آپ دیکھیں کہ اخبارات کو تجارت کی بنیاد پر چلایا جا رہا ہے اور اخبارات کے مالکان ٹیلنٹ کو روک رہے ہیں۔ آج صحافی آزاد نہیں۔ آج صحافی کا قلم آزاد نہیں۔ آج سارا زور اس بات پر لگایا جا رہا ہے کہ صحافی تخلیق کار کی تخلیق کو روکا جائے۔ اسے تخلیق کار نہ رہنے دیا جائے۔

جناب سپیکر، رانا صاحب' رانا صاحب آپ اس طرف متوجہ رہیں۔

میاں اظہر حسین ڈار، رانا صاحب پیچھے متوجہ رہتے ہیں۔۔

جناب سپیکر، وہ دراصل ہر وقت آپ کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ (قہقہے)

جناب فضل حسین راہی، جناب والا! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آج سارا زور اس بات پر لگایا جاتا ہے کہ صحافی کو تخلیق کار نہ بننے دیا جائے۔ اس کو ملازم رکھا جائے اور اس کو ملازمتی انداز میں اخبار میں رکھا جائے۔ اب یہی وجہ ہے اخبارات جو خبریں دیتے ہیں وہ تجزیاتی خبر نہیں ہوتیں۔ وہ واقعاتی خبریں ہوتی ہیں اور اخبارات کے مالکان کی طرف سے یہ پابندی کہ وہ اپنے رپورٹرز کو یہ کہیں کہ آپ صرف واقعاتی خبریں لائیں گے آپ اس میں تجزیہ نہیں کریں گے یا آپ تجزیاتی خبر نہیں دیں گے تو اس طرح صحافی کے اندر تخلیق کے عمل کو روکا جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ تجارت اس لیے بھی ہے اور انہوں نے یہ

اصول بنا رکھے ہیں۔ اب پالیسی یہ چلتی ہے کہ ہمارے پاس یہ space ہے اور اس اخبار کے space کو ہم نے کیسے استعمال کرنا ہے۔ آپ تمام اخبارات کو اٹھا کر دیکھیں کہ تمام اخبارات اپنی ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے آڈیٹوریل پیجز کی space کم سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ ایڈیٹوریل پیجز کم سے کم ہوتے جا رہے ہیں اور پھر یہ ہے کہ ملازم ادارے کے لوگ لکھنے پر مامور ہیں، جو لکھتے ہیں، ان کو لکھنے کے لیے space کم دیا جاتا ہے اور باہر کے لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ آپ لکھ کر دیں۔ ممبران کو کہا جاتا ہے۔ دوسرے لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ آپ ہمیں مضمون لکھ کر بھجوائیں۔ وہ صرف اس لیے کہ باہر کا جو آدمی لکھے گا تو اس کی اخبار پر ذمہ داری نہیں ہوگی اس کی ذمہ داری اس آدمی پر ہے جو وہ لکھنے والا ہے لیکن اگر ادارے کا ملازم لکھے گا تو اس کی ذمہ داری اخبار پر ہے اور اس طرح تمام اخبارات اس پالیسی پر عمل کر رہے ہیں کہ کسی طرح وہ اپنی ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہو جائیں اور کوئی تخلیقی چیزیں عوام تک نہ پہنچنے دیں۔

جب دوسری "جنگ" عظیم ہوئی تھی تو اس "جنگ" عظیم میں انگریزوں نے ایک فارمولا ایجاد کیا تھا وہ فارمولا یہ تھا کہ tragedy جو تشدد کے نتیجے میں جنم لیتی ہے، جو ہم سماج کے اندر مختلف طریقوں سے تشدد کرتے ہیں، حکم ران لوگ جو سماج کے اندر تشدد کرتے ہیں اس تشدد کے نتیجے میں tragedy جنم لیتی ہے لہذا اس tragedy کو روکا جائے۔ اس کو پھیلنے نہ دیا جائے۔ اس کو لوگوں تک نہ پہنچنے دیا جائے اور اس کو دنیا میں نہ جانے دیا جائے۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے دنیا میں خوش حالی کی خبریں دینی ہوتی ہیں۔

ضیاء الحق کے دور میں امانت علی کو بند کر دیا گیا تھا۔ ابن انشاء کی غزل کو بند کر دیا گیا تھا۔ انشاء جی اٹھو اب کوچ کرو۔ اور ساڑھے دس سال وہ غزل نہ ریڈیو پر پیش ہوئی اور نہ ہی وہ ٹیلی ویژن پر پیش ہو سکی۔ فیض احمد فیض پر پابندی لگا دی گئی اور اس کے بعد حبیب جالب پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ ایک دفعہ نثار عثمانی صاحب ضیاء الحق کو ائرپورٹ پر ملے تو انہوں نے کہا کہ جناب ہمارے دس صحافی آپ نے اس جرم میں نکال دیے ہیں کہ انہوں نے ایک دستاویز پر دستخط کیے ہیں جس میں یہ لکھا ہے کہ جمہوریت بحال ہونی چاہیے اور آئین بحال ہونا چاہیے۔ اس لیے ان کا چونکہ کوئی قصور نہیں آپ انہیں بحال کریں۔ تو ضیاء الحق کا جواب یہ تھا کہ اگر میرا بس چلے تو میں ان کو پھانسی پر لٹکا دوں اور آپ بھی

اپنا قبلہ درست کیجیے۔ آپ اگر اپنا قبلہ درست رکھیں گے تو ایوان صدر کے دروازے آپ پر بھی کھلے ہیں۔ ہم آپ کو روکنے والے نہیں ہیں آپ ہمارے پاس آئیں۔ اب دیکھنے والی چیز یہ ہے کہ تشدد کے نتیجے میں پیدا ہونے والی امکانی صورت حال سے لوگوں کو بے خبر رکھنے کے لیے لوگوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ لوگ غلط ہیں یا وہ لوگ جو آزادی کی حمایت کرتے ہیں جو اس کو نعرے کے طور پر اپناتے ہیں کہ" وہ قصور وار ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ آج اس کا تجزیہ کرنا بہت آسان ہے کہ وہ کون سی قوتیں تھیں جنہوں نے اس ملک کے اندر ابھرنے والی ہر قسم کی تحریکوں کو، آزادی کی تحریکوں کو کچلا اور اس پر تشدد کیا اور کتنے اداروں کو استعمال کیا' اور ناجائز ذرائع کو بے دریغ استعمال کر کے اس سماج کو کہاں سے کہاں تک لے آئے ہیں۔ اس کا تجزیہ کرنا بھی اتنا مشکل نہیں اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ حکومت اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کیسے کرتی ہے۔ اخبارات کے مالکان کو کہا جاتا ہے کہ ہم آپ recommend کرتے ہیں--

جناب سپیکر، راہی صاحب آپ اپنی تقرر کو wind up کیجیے۔ ایک منٹ میں اپنی تقریر کو wind up کیجیے۔

جناب فضل حسین راہی، جی بہتر۔ وہ کہتے ہیں کہ جناب ہم اپنے آدمی بھیجیں گے آپ انہیں نوکری دیجیے۔ اخبارات میں حکومت خود اپنے ایجنٹ بھجوا کر ان کو نوکریاں دلواتی ہے اور پھر اپنے حق میں ان کو استعمال کرتی ہے۔ اب آپ دیکھیں کہ دو صحافی ہیں میں ان کے نام نہیں لینا چاہوں گا' کسی بھی صحافی کا نام نہیں لینا چاہوں گا۔ سماج میں دو صحافی ہیں دونوں ایک ہی تنخواہ پر کام کرتے ہیں اور ایک ہی ادارے میں کام کرتے ہیں۔ لیکن ایک صحافی کا تو گزارہ نہیں ہوتا اس کے گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے۔ اس کے بچے آسانی سے تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ لیکن دوسری طرف وہ صحافی ہوتا ہے جس کے تین تین بنگلے ہوتے ہیں' تین تین کوٹھیاں ہوتی ہیں' تین تین کاریں ہوتی ہیں۔ کیوں ہوتی ہیں ؟ صرف اس لیے جناب والا! کہ یہاں اسمبلی میں اگر ایک واقعہ پیش آجائے کہ فضل حسین راہی کو مارا جائے۔ تو پھر باہر سے کہا جاتا ہے کہ خواجہ مسعود اپنا آدمی ہے اس کو کہو کہ ایک تجزیہ لکھ کر پیش کر دے خبر تو ہم روک نہ سکے اس لیے ایک اپنی پسند کا تجزیہ لکھ کر بھیج دے۔

جناب سپیکر، شکریہ راہی صاحب۔

جناب فضل حسین راہی، تو ان لمحوں میں ان کے لیے یہ لوگ کام آتے ہیں۔

جناب سپیکر، شکریہ۔

SARDAR SIKANDAR HAYAT KHAN: I would not like to take more than two or three minutes and I may please be allowed to two or three minutes. Just a few words which will be in the form of an appeal.

MR. SPEAKER: Please take your seat.

SARDAR SIKANDAR HAYAT KHAN: Mr. Speaker Sir, my entire career and the career of all the politicians who fought for democracy and all the sacrifices will go complete waste if we do not say something about the journalists and the journalism How we were by then backed up and how they have made us float us in the river of success.

جناب سپیکر، سردار صاحب شکریہ۔ میں اب جناب وزیر قانون کو اس بحث کو wind up کرنے کے لیے کہتا ہوں۔

چودھری محمد وصی ظفر، جناب وقت ختم ہو گیا ہے۔

جناب سپیکر، وقت میں 15 منٹ کے لیے توسیع کی جاتی ہے۔

وزیر قانون، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جناب سپیکر میں---

نواب زادہ غضنفر علی گل، پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب والا! وزیر اطلاعات موجود ہیں وہ اس بحث کو wind up کریں۔

جناب سپیکر، نواب زادہ صاحب تشریف رکھیں۔

نواب زادہ غضنفر علی گل، جناب والا! میرا یہ پوائنٹ آف آرڈر ہے اور میں اس پر رولنگ چاہتا ہوں کہ وزیر اطلاعات کے ہوتے ہوئے وزیر قانون کیسے wind up کریں گے؟ مجھے یہ جتایا جائے کہ wind

up تقریر وزیر اطلاعات نے کرنی ہے یا وزیر قانون نے کرنی ہے؟ میں اس پر رولنگ چاہوں گا۔

جناب سپیکر، آپ تشریف رکھیں۔

جناب فضل حسین راہی، بدوں منسٹر رکھیا اے تے ایدے کولوں کم لو۔

SARDAR SIKANDAR HAYAT KHAN: Sir, if you do not allow me, I will walk out.

جناب سپیکر، سردار صاحب یہ after thought ہے۔ آپ نے تقریر کے لیے اپنا نام نہ تو مجھے کل دیا اور نہ ہی اپنا نام آج دیا ہے۔ میرے پاس آپ کا نام اس وقت تک نہیں آیا اور آپ eleventh hour پر جس وقت تمام وقت ختم ہو چکا ہے۔ آپ تقریر کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ آپ اپنی نشست پر تشریف رکھیں۔

سردار سکندر حیات، جناب والا! میں پھر واک آؤٹ کرتا ہوں۔

نواب زادہ غضنفر علی گل، جناب والا! میں آپ کی رولنگ کا منتظر ہوں۔

جناب سپیکر، نواب زادہ صاحب آپ اپنی نشست پر تشریف رکھیں۔ وزیر قانون صاحب wind up کر سکتے ہیں۔

نواب زادہ غضنفر علی گل، جناب والا! یہ بڑی زیادتی ہے کہ متعلقہ وزیر کی موجودگی میں وزیر قانون wind up کر رہے ہیں۔

چودھری محمد وصی ظفر، جناب والا یہ بڑا المیہ ہے۔

وزیر قانون (سردار نصراللہ خان دریشک)، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جناب سپیکر! میں آپ کا دلی ممنون ہوں کہ اس اہم موضوع پر بات کرنے کے لیے جناب نے مجھے وقت عنایت کیا۔ میں اپنے اپوزیشن کے بھائیوں کا بھی تہ دل سے شکرگزار ہوں کہ انہوں نے اسمبلی کا یہ اجلاس ریکوزیشن کر کے ہمیں اس اہم موضوع پر بات کرنے کا موقع فراہم کیا۔ ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کی نشان دہی کی۔ ہمارے لیے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے رہ نمائی فراہم کی۔ جناب سپیکر! آزادی صحافت کا جہاں تک تعلق ہے اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ جناب سپیکر! باتیں تو ہر کوئی کرتا ہے۔ اعتراض برائے اعتراض

کرنا بھی آج کل ایک معمول بن چکا ہے لیکن میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ عملی طور پر جو خدمات ہماری مسلم لیگ کی حکومت نے آزادی تحریر و تقریر کے سلسلے میں کی ہیں۔ جناب والا! 1985 میں جب مسلم لیگ کی حکومت برسر اقتدار آئی تو جناب سپیکر! مجھے اس بات کا فخر ہے کہ مارشل لاء کو مسلم لیگ کی حکومت نے ہٹایا۔ جناب سپیکر! مسلم لیگ کی حکومت نے بنیادی حقوق بحال کیے۔ جناب سپیکر! مسلم لیگ کی حکومت نے ملک سے ایمرجنسی کو ختم کیا۔ (نعرہ ہائے تحسین)

جناب سپیکر! وہ "کالا قانون" 1960ء کا اور 1963ء کا جس کو پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس کہا جاتا تھا جس کے بارے میں ہمارے صحافی بھائی شاہد ہیں کہ وہ ایک ایسا کالا قانون تھا جس نے صحافت کے پیشے کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا اور انہوں نے اس پر 1963ء سے زبردست احتجاج کیا جب سے وہ بنا تھا۔ 1972ء سے لے کر 1975ء تک جناب والا! پیپلز پارٹی کی حکومت رہی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس آرڈیننس کو ختم کرنے کی توفیق نہ دی۔ مجھے فخر ہے کہ یہ ہماری مسلم لیگ کی حکومت تھی جس کے دور میں یہ پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس کو ختم کرنے کی توفیق نہ دی۔ مجھے فخر ہے کہ یہ ہماری مسلم لیگ کی حکومت تھی جس کے دور میں یہ پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس کے کالے قانون کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

جناب سپیکر! میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہر حکومت میں ہر پارٹی میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جن میں جوش اتنا آ جاتا ہے کہ وہ ہوش کا دامن اپنے ہاتھ سے گنوا بیٹھتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے ان کی غلطی اور ان کی حماقت کے لیے ان کی قیادت کو مورد الزام ٹھہرانا سراسر ناانصافی ہے۔

جناب سپیکر! "جنگ" کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا ہے، ہم ایسے نہیں ہیں ہم تو بہت ہی گناہ گار اور کمزور انسان ہیں۔ ہم رعونیت فرعونیت اور انتقام کی پالیسی پر لعنت بھیجتے ہیں۔ جناب سپیکر جب یہ مسئلہ پیش آیا تو ہم نے اس کو کوئی prestige کا مسئلہ نہیں بنایا۔ جناب والا! ہم "جنگ" کے دفتر میں گئے، میں تھا، جناب منسٹر انفرمیشن تھے، غلام حیدر وائیں صاحب تھے، زاہد سرفراز صاحب تھے، سیکرٹری انفرمیشن، ڈی جی پی آر، اور وہاں پر میر شکیل الرحمان صاحب موجود تھے، انہوں نے ایک بات بھی نہیں کی، ان کے ورکرز نمائندوں نے ہی ساری باتیں کیں اور ہم نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی اور ان

کو مطمئن کیا اور اس بات پہ فیصلہ ہوا کہ ہم status رکھتے ہیں اس کے نتیجے میں یہ کیس درج ہوا جس طرح بھی انہوں نے زیر دفعات درج کروایا" اور اس میں عامر گوندل ولد فیض علی طالب علم' اس کے بعد عبدالعزیز ولد اللہ دتہ کو گرفتار کر کے ان کا جسمانی ریمانڈ لے کر آٹھ دن تک پوچھ گچھ کی گئی اور اس کے بعد ان کو جوڈیشل حوالات میں بھجوا دیا گیا۔ جب کہ ارشد امین چودھری' عارف چودھری' صفدر جٹ نے ضمانت قبل از گرفتاری کروالی ہے' ہم ان کی ضمانت کینسل کروانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جونہی ان کی ضمانت کینسل ہو جائے گی ان کے خلاف بھی کارروائی کی جائے گی۔ باقی ملزمان اس وقت چھپے ہوئے ہیں' پولیس چھاپے مار رہی ہے' ہمارے اپوزیشن کے بھائی بھی اس کے لیے نشان دہی کریں ہمارے "جنگ" کے ور کر بھائی بھی ان کی نشان دہی کریں اگر اس میں حکومت کسی بھی قسم کی بھی کوتاہی کرے تو پھر میں ساری ذمہ داری اس ہاؤس میں قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جناب والا! یہ ٹیلی ویژن کی بات کرتے ہیں کہ ٹی وی پر یہ دکھایا گیا' میں تو کہتا ہوں ٹی وی کے بارے میں کہ جی وہ فلاں کے ساتھ بیٹھے تھے اور فلاں ان کے ساتھ' جو کارستانیاں ان کا ٹی وی کر رہا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ less said the better جناب والا! جب ہم ٹی وی کی بات کرتے ہیں تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ پنجاب حکومت مرکز کے ساتھ سازش اور غداری کر رہی ہے اور اس کا الزام ہم پر لگایا جاتا ہے۔ اور ٹی وی کا جتنا بھی وقت گزرتا ہے جو خبر نامہ ہے جو 75 فی صد وقت پنجاب سے متعلق ہوتا ہے وہ پنجاب حکومت کے خلاف نفرت پھیلانے پر صرف کیا جاتا ہے۔ جناب والا! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں اور اپنے بھائیوں کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ بھی پنجاب سے elect ہو کر آئے ہیں' یہ کیوں نہیں مرکزی حکومت سے کہتے کہ جس طرح قومی اسمبلی کی کارروائی کو دکھایا جاتا ہے اس طرح پنجاب اسمبلی کی کارروائی کو بھی ٹیلی ویژن پر دکھایا جائے اور حقائق سے پردہ ہٹایا جائے۔ یہ صرف اعتراض برائے اعتراض کرنے سے کام نہیں چلے گا' میں ان سے کہتا ہوں کہ یہ ہمارے ساتھ نکتہ چینی کرنے کی بجائے ہمارے ساتھ تعاون کا ہاتھ بڑھائیں اور حق کی بات کہیں۔ جناب والا! سب مجھے کہتے ہیں کہ،

رکھ نیچی نظر اپنی ' کوئی ان کو نہیں کہتا
نہ نکلو یوں عیاں ہو کر

(نعرہ ہائے تحسین)

جناب والا! میں ان کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ جب یہ ہمارے اوپر نکتہ چینی کرتے ہیں اس وقت کم از کم یہ دیکھا کریں کہ ٹیلی ویژن اور ریڈیو کی کارکردگی کیا ہے ان کا ہمارے صوبہ کے متعلق اور ہمارے متعلق طریق کار کیا ہے۔ پھر یہ ہمارے اوپر نکتہ چینی کیا کریں۔ اور ان کی خدمت میں میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خدا کے لیے " لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی کو ترک کریں۔ آج بھی ان کی تقاریر کا جو خور رہا ہے کہ کیا کرو کہ جو کاشت کار ہے اس کو زمیندار سے لڑا دو' جو مزدور ہے اس کو صنعکار سے لڑا دو۔ اس قسم کی پالیسی کو خدا کے لیے بند کرو یہ تماشہ بہت ہو چکا ہے۔ آج بھی ان کی تقریروں کا مرکز یہی رہا ہے کہ کارکنوں کو""جنگ"" کے مالک کے ساتھ لڑا دو۔ یہ آج بھی اس قسم کی باتیں بونے کی کوشش کی گئی ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے' میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ یہ بڑا ہی افسوس ناک طریق کار ہے' میں عرض کرتا ہوں کہ انہیں چاہیے کہ صلح کی پالیسی کو اپنائیں۔ جناب والا! اب یہ خود مجھے instigate کرتے ہیں' اور پھر میں یہ کہتا ہوں کہ اس سارے جھگڑے کی بنیاد کیا ہے' اور میں ان سے پر زور اپیل کرتا ہوں کہ۔۔

(قطع کلامیاں)

جناب سپیکر، آرڈر پلیز' براہ کرم وزیر موصوف کو مخل نہ کیا جائے۔

وزیر قانون، جناب والا! جھگڑے کی بنیاد بیماریاں ہیں اور ان سب بیماریوں کی جڑ کی نشان دہی کرنی پڑے گی۔ اس کے بعد ہم اس کا علاج سوچیں گے۔ جناب والا! ساری بیماریوں کی جڑ یہی ہے کہ قوم نے verdict دیا ہے اس کو نہ انہوں نے دل سے قبول کیا ہے اور نہ ہم نے کیا ہے انہوں نے ہمیں اپنے طریق کار سے مجبور کیا ہے۔ جناب والا! جب یہ چیف منسٹر پنجاب کا حلف رکوانے کی کوشش کریں گے' جب یہ ہمیں مورد الزام ٹھہرانے کی کوشش کریں گے کہ پنجاب میں selected rigging ہوئی ہے' جب یہ کہیں گے کہ سندھ میں فسادات کی بنیاد ہم ہیں' جب یہ کہیں گے کہ ایسٹ پنجاب میں گڑبڑ اسی وجہ سے ہے تو پھر اس کا reaction کیا ہو گا' آخر ہم بھی انسان ہیں ہر action کا reaction ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جو قوم نے ہمیں split mandate دیا ہے ہمیں اس کو دل سے قبول کرنا ہو گا ورنہ میں اس ایوان میں یہ بات ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ یہ اسمبلیاں پھر زیادہ دیر نہیں چل سکیں گے۔ اگر آپ ان اسمبلیوں کو چلانا چاہتے ہیں تو پھر عوام نے جو آپ کو verdict دیا ہے اس کو قبول

کرنا پڑے گا۔ ایک طرف سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ میاں نواز شریف صاحب چھوٹے بھائی ہیں۔ اور دوسری طرف سے سانس لینے کا جو سلسلہ ہے اسی سانس میں ایک ایم۔این۔اے کو لے کے سپیشل اسسٹنٹ بنا دیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم نے دل سے اس بات کو قبول نہیں کیا جو horse trading ہے جو split verdict کا mandate ہے اس کو ہم نے دل سے قبول نہیں کیا۔ میں اپنے بھائیوں سے پرزور اپیل کر رہا ہوں کہ ان کی اپنی قیادت کو اس چیز پر قائل کرنا چاہیے ہمیں اپنی قیادت کو electorate کرنا چاہیے کہ اس جھگڑے سے اور اس قسم کے معاملات سے سراسر نہ ہم کوئی جمہوریت کی خدمت کر رہے ہیں' نہ ہم قوم کی خدمت کر رہے ہیں' نہ عوام کی خدمت کر رہے ہیں' نہ ہم اپنے electorate کی خدمت کر رہے ہیں۔ جناب والا! جہاں تک "جنگ" اخبار کا تعلق ہے یہ ایک قدیم اخبار ہے اس کی بہت بڑی خدمات ہیں اس کی خدمات کا حضرت قائد اعظم محمد علی جناح نے بھی اعتراف کیا اس کی خدمات Pakistan Movement میں سنہری حرفوں سے لکھی جائیں گی۔ میں خود "جنگ" کا دل کی گہرائیوں سے احترام کرتا ہوں۔ اس نے صحافت میں نفرت پیدا کی ہے اور "جنگ" اخبار نے صحافت میں اردو زبان کی جو خدمت کی ہے شاید ہی کسی اور اخبار نے کی ہو۔ تو جناب والا! یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہم کسی طریقے سے بھی جو "جنگ" کے کارکن ہیں۔ "جنگ" سے متعلقہ یا کسی بھی اخبار سے متعلقہ جو ہمارے دوست ہیں ہم ان کو نہایت احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور انشاء اللہ العزیز حکومت پنجاب کبھی بھی بنظر تحسین نہیں دیکھے گی جو صحافت کے لیے معمولی سا بھی نقصان کا باعث بنے گی۔ جناب والا! میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جہاں تک "جنگ" اخبار کا تعلق ہے اس کی جو خدمات ہیں ہم ہمیشہ ان کو یاد رکھیں گے اور انہیں تاریخ میں سنہری الفاظ سے لکھا جائے گا۔ میں آپ کے توسط سے "جنگ" کے کارکن اور ان کی انتظامیہ کو اگر کوئی تکلیف پہنچی ہے چاہے اس میں ہماری پنجاب حکومت کا کوئی عمل دخل ہو یا نہ ہو' لیکن ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کیونکہ ہم حکومت میں ہیں' ان کو جو تکلیف ہوئی ہے اس پر ہم اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس معاملے میں جو لوگ ملوث پائے گئے ہیں کچھ گرفتار ہو چکے ہیں جن کی ضمانتیں ہوگئی ہیں ان کو ہم کینسل کروانے کی کوشش کریں گے جو چھپے ہوئے ہیں ان کو گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ ہمیں اور حکومت پنجاب کو اس تکلیف اور پریشانی میں برابر کا شریک پائیں گے۔ اور اس

قسم کے معاملات کا اعادہ کرنے کی حکومت پنجاب قطعی طور پر اجازت نہیں دے گی۔

جناب سپیکر! آخر میں میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش کرنی چاہتا ہوں کہ میں نے قائد حزب اختلاف سے بھی بات کی ہے اور انہوں نے اس بات پر اتفاق کا اظہار کیا ہے۔ میں ایک قرارداد صحافی بھائیوں کی بہتری کے سلسلے میں پیش کرنی چاہتا ہوں۔ جناب والا! مجھے وہ قرارداد پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔

چودھری محمد وصی ظفر، وہ مشترکہ قرارداد ہے۔

وزیر قانون، وہ مشترکہ قرارداد ہے۔ بالکل مشترکہ ہے۔ ان کی اجازت سے ہی میں پیش کر رہا ہوں۔

(قطع کلامیاں)

جناب سپیکر، وصی ظفر صاحب! یہ قرارداد مشترکہ ہے۔ جناب وزیر قانون یہ قرارداد پیش کریں گے۔

چودھری محمد شاہنواز چیمہ، جناب سپیکر! انہوں نے جو پہلے شعر پڑھا ہے وہ دوبارہ پڑھیں کیونکہ نواب زادہ صاحب کہتے ہیں کہ جنابہ بشریٰ رحمٰن صاحبہ نے جو شعر ان کو لکھ کر دیا تھا یہ وہ نہیں۔ انہوں نے اس کو غلط پڑھا ہے لہذا اس کو دوبارہ پڑھیں اور وہ شامل نہ کیجیے (قہقہہ)

جناب سپیکر، وزیر قانون

قرارداد

آزادیٔ صحافت کو فروغ دینے اور صحافتی ضابطہ اخلاق مرتب کرنے کی ضرورت

وزیر قانون، پنجاب اسمبلی کے اس معزز ایوان کو اس بات پہ سخت تشویش ہے کہ کچھ عرصہ سے چند مخصوص گروہ اور عناصر اخبارات کے خلاف متشددانہ اقدامات اور رجحانات کو ہوا دے رہے ہیں۔ انہی عناصر نے جھوٹی اور بے بنیاد خبروں کی تشہیر کرنے کی ایک زبردست مہم ایک منظم طریقے سے خود ہی شروع کر رکھی ہے۔ مگر اس کا سارا الزام کئی دفعہ اخباروں پر تھوپ دیا جاتا ہے۔ ایوان اس بات کا اعادہ کرتا ہے کہ آزاد صحافت' ریاست اور سیاست کا ایک اہم ستون ہے۔ اظہار رائے اور سچائی کی بلا خوف ترویج اور اختلاف رائے کی آزادی کا بنیادی حق جمہوریت اور جمہوری اداروں کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔

یہ ایوان آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی (اے پی این ایس) کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز (سی پی این ای) پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس اور اخبارات و جرائد اور صحافیوں کی دوسری محترم تنظیموں سے بھی اپیل کرتا ہے کہ وہ جمہوریت اور صاف ستھری سیاست کو فروغ دینے میں آزادی صحافت اور معاشرتی اخلاق کی بے حد اہمیت کے پیش نظر اپنا ایک ضابطہ اخلاق مرتب کریں اور اپنی ہی تنظیم سے اس پر عمل کروائیں کہ اس طرح منفی رجحانات اور آزاد صحافت کی اصلاح کا موثر عمل شروع ہو سکے۔ اس معزز ایوان کو بہت خوشی ہو گی کہ وہ صحافیوں اور اخبارات کی ان کوششوں میں پوری مدد کرے۔

مزید برآں آزادی صحافت کے لیے ہمیشہ صحافت میں ہر قسم کی مداخلت بند کی جائے۔ صحافیوں کو مکمل تحفظ فراہم کیا جائے صحافیوں کے خلاف تشدد آمیز رویہ و واقعات پر فی الفور مقدمات قائم کیے جائیں۔ کنٹریکٹ سسٹم پر بذریعہ ایجنسی ملازمت کا وتیرہ ترک کر کے صحافیوں اور کارکنوں کو براہ راست اخبار کا ملازم رکھا جائے۔ ویج بورڈ کا فی الفور اعلان و اطلاق کیا جائے پریس کلب کے لیے زمین فراہم کیا جائے۔

خواجہ محمد یوسف، جناب والا! میں اس میں یہ ترمیم پیش کرتا ہوں کہ ان صحافیوں پر جن پر ظلم ہوا ہے۔ جن کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے ان کو معاوضہ دیا جائے اور روزنامہ "مشرق" کے اشتہارات کھولے جائیں۔ ان کا بھی گلا دبایا جا رہا ہے اور پھر بھی آپ کہتے ہیں کہ صحافت کے لیے ہم سب کچھ کر رہے ہیں۔

جناب سپیکر، اس پر پھر یہ کرنا ہو گا کہ اگر آپ باضابطہ طور پر ترمیم دیتے ہیں تو پہلے ترمیم کو طریق کار کے مطابق پیش کرنا ہو گا اور اس پر رائے شماری کرانا ہو گی۔ یا تو یہ ترمیم مشترکہ طور پر آ جائے۔ اگر یہ مشترکہ نہیں ہے تو پھر ترمیم کو پہلے رائے شماری کے لیے پیش کرنا ہو گا۔

خواجہ محمد یوسف، یہ مشترکہ ہونی چاہیے۔ (قطع کلامیاں)

میاں اظہر حسن ڈار، پنجاب گورنمنٹ تو صحافیوں کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہے اس میں کیا فرق پڑتا ہے۔ چودھری اقبال صاحب بھی یہ چاہتے ہیں۔

وزیر قانون، جناب سپیکر! قرارداد کے آخری پیرا میں یہ ساری چیزیں شامل ہو جاتی ہیں۔ یہ خود وضی

ظفر صاحب نے لکھ کر دیا ہے۔ آپ اس کا آخری پیرا پڑھیں اس میں کوئی کمی نظر نہیں آتی ہے۔ ہر ایک کے ساتھ یہ اپیل کی جائے کسی کو نظر انداز کرنے کی ضرورت ہی نہیں یہ متفقہ قرارداد ہے جس میں وصی ظفر نے خود اس میں جناب قائد حزب اختلاف کے مشورے سے ایزاد کی ہے۔ پھر مہنگائی کی تحریک التواء پر بھی بات ہوئی ہے۔ میں اپنے بھائی کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ یہ ایک مشترکہ قرارداد ہے۔ میں خود قائد حزب اختلاف کی خدمت میں جا کر گزارش کی کہ آپ اس کو دیکھ لیں۔ پھر آخری پیراگراف کی انہوں نے خود ایزادی کی۔ جس طریقے سے انہوں نے لکھ کر دیا اسی طریقے سے میں من و عن پیش کر رہا ہوں۔

جناب سپیکر: رانا شوکت محمود صاحب آپ اس بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں گے۔

رانا شوکت محمود: جناب سپیکر! ہم یہ چاہتے تھے کہ یہ موضوع بہت سنجیدہ اور اہم ہے اس لیے تو اس قرارداد میں پوری قوت اور طاقت دینے کے لیے مشترکہ ہو۔ ساری باتیں جو اس معزز ایوان میں کی گئیں ان کا "جسٹ" اس میں لکھا ہے لیکن اگر ایک فقرہ آجائے کہ جو معاوضہ کا وعدہ کیا گیا تھا اور وہ اس ایوان میں ہی کیا گیا تھا کہ جو کیمرہ ٹوٹا ہے اس کا ہم معاوضہ دیں گے۔ دوسرے چند صحافیوں کے ساتھ بھی جو زیادتی ہوئی تھی ان کے معاوضہ کی بھی بات ہوئی تھی اگر ایک فقرہ بیچ میں آجائے تو میرے خیال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جناب سپیکر: وزیر قانون صاحب کیا خیال ہے۔

وزیر قانون: جناب سپیکر! جہاں تک کیمرے والے کا تعلق ہے وہ ہمارے صحافی بھائی نے لکھ کر دیا تھا کہ وہ کوئی 20 ہزار روپے کی مالیت کا کیمرہ ہے اور وہ کیمرہ لاہور میں دستیاب بھی نہیں تھا۔ وزیراعلیٰ نے اس کی منظوری دے دی ہے اور ان کو میں ایک ہفتہ کے اندر اندر 20 ہزار کا چیک پیش کر دوں گا۔ وہ تو کام ہو چکا ہے اس کی کوئی ایسی بات نہیں۔ اس کا پہلے ہی تصفیہ کر چکے ہیں۔ وہ صحافی مجھے ملتے بھی رہے ہیں اور میں نے ان کو کہا بھی ہے وہ کہہ رہے تھے کہ انفرمیشن ڈیپارٹمنٹ والوں نے کہا ہے کہ وہ دو چار ہزار روپے کا کیمرہ تھا ہم اس سے زیادہ نہیں دیں گے۔ میں نے کہا کہ جو آپ نے کہا ہے کہ وہ 20 ہزار روپے کا ہے۔ میں نے چیف منسٹر صاحب سے بات بھی کی ہے۔ میں نے سمری بھجوائی ہوئی ہے اور وہ منظور بھی ہو چکی ہے۔ اس کو ہم معاوضہ دیں گے۔ یہ مسئلہ تو حل ہو چکا ہے۔

خواجہ محمد یوسف، جناب والا! میں کیمرہ کی بات نہیں کر رہا۔ میں صحافیوں کی بات کر رہا ہوں کہ جن پر ظلم ہوا ہے جن پر تشدد ہوا ہے۔ ان کو معاوضہ دیا جائے۔

جناب سپیکر، رانا صاحب! آپ اس بارے میں کیا فرمائیں گے۔

رانا شوکت محمود، میرے خیال میں ٹھیک ہے۔ اگر کیمرے کے معاوضے کی بات ہو گئی ہے تو میرے خیال میں ایسے ہی قرارداد منظور کر لینی چاہیے۔

جناب سپیکر، یہ قرارداد پیش کی گئی ہے اور سوال یہ ہے کہ:

پنجاب اسمبلی کے اس معزز ایوان کو اس بات پہ سخت تشویش ہے کہ کچھ عرصہ سے چند مخصوص گروہ اور عناصر اخبارات کے خلاف متشددانہ اقدامات اور رجحانات کو ہوا دے رہے ہیں۔ انہی عناصر نے جھوٹی اور بے بنیاد خبروں کی تشہیر کرنے کی ایک زبردست مہم ایک منظم طریقے سے خود ہی شروع کر رکھی ہے۔ مگر اس کا سارا الزام کئی دفعہ اخباروں پر تھوپ دیا جاتا ہے۔ ایوان اس بات کا اعادہ کرتا ہے کہ آزاد صحافت' ریاست اور سیاست کا ایک اہم ستون ہے۔ اظہار رائے اور سچائی کی بلاخوف ترویج اور اختلاف رائے کی آزادی کا بنیادی حق جمہوریت اور جمہوری اداروں کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے نا گزیر ہے۔

یہ ایوان آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی (اے پی این اس) کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز (سی پی این ای) پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس اور اخبارات و جرائد اور صحافیوں کی دوسری محترم تنظیموں سے بھی اپیل کرتا ہے کہ وہ جمہوریت اور صاف ستھری سیاست کو فروغ دینے میں آزادی صحافت اور معاشرتی اخلاق کی بے حد اہمیت کے پیش نظر اپنا ایک ضابطہ اخلاق مرتب کریں اور اپنی ہی تنظیم سے اس پر عمل کروائیں کہ اس طرح منفی رجحانات اور آزاد صحافت کی اصلاح کا موثر عمل شروع ہو سکے۔ اس معزز ایوان کو بہت خوشی ہو گی کہ وہ صحافیوں اور اخبارات کی ان کوششوں میں پوری مدد کرے۔

مزید برآں آزادی صحافت کے لیے ہمیشہ صحافت میں ہر قسم کی مداخلت بند کی جائے۔ صحافیوں کو مکمل تحفظ فراہم کیا جائے۔ صحافیوں کے خلاف تشدد آمیز رویہ و واقعات پر فی الفور مقدمات قائم کیے جائیں۔ کنٹریکٹ سسٹم پر بذریعہ ایجنسی ملازمت کا وتیرہ ترک کر کے صحافیوں اور کارکنوں کو براہ راست اخبار کا ملازم رکھا جائے۔ ویج بورڈ کا فی الفور اعلان و اطلاق کیا جائے پریس کلب کے لیے زمین

فراہم کی جائے۔

(قرارداد باتفاق رائے منظور کی گئی)

ڈیزل، کھاد، پٹرول اور مٹی کے تیل کی قیمتوں میں اضافہ کے بارے میں تحریک التوائے کار پر بحث

MIAN MANZOOR AHMAD MOHAL: I beg to move that the Assembly do now adjourn.

MR. SPEAKER: Question is that the House do now adjourn.

(The motion was carried)

جناب سپیکر، اس پر پہلے ہی وقت مقرر ہو چکا ہے۔ اس پر پانچ بجے تک بحث ہونی ہے۔ دو گھنٹوں سے لیے وقت پہلے ہی مقرر ہو چکا ہے۔**نوابزادہ غضنفر علی گل**، پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب والا! کورم نہیں ہے۔ (قطع کلامیاں) ٹھیک ہے۔ میں اپنا پوائنٹ آف آرڈر واپس لیتا ہوں۔

جناب سپیکر، نواب زادہ صاحب کورم کے مسئلے پر پوائنٹ آف آرڈر واپس لیتے ہیں۔ میاں منظور احمد موہل صاحب محرک ہیں۔ میں انہیں دعوت دیتا ہوں کہ وہ اس موشن پر تقریر کریں۔

چودھری علی اکبر مظہر وینس، پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب سپیکر! ہم سب نے روزے رکھے ہوئے ہیں۔ یہ اجلاس کل کو ہو جائے اور اس پر سیر حاصل بحث ہو جائے۔ کوئی ضروری نہیں کہ آج بھی اس کو چلا کر شام تک ختم کرنا ہے۔ کوئی خاص چھٹی آ گئی ہے۔ یا کیا ضروری ہے کہ آج ہی اسے ختم کرنا ہے؟ اگر کل کو رکھ لیا جائے تو ہر فاضل رکن اس پر اپنی بات کھل کے کہہ سکے گا۔

جناب سپیکر، وینس صاحب! دونوں فریقین سے بات طے ہو چکی ہے اور اس تحریک التوائے کار پر بھی آج ہی بحث ہونی ہے۔ اس لیے کہ اس پر آج کا وقت مقرر ہو چکا ہے۔ اس کو اب ملتوی نہیں کیا جا سکتا کہ اس کو کل پر لے جائیں۔ اس پر آج ہی بات ہو گی۔ اس کے علاوہ بھی یہ فیصلہ ہاؤس میں ہو چکا ہے۔

میاں منظور احمد موہل، جناب والا! میں سب سے پہلے یہ گزارش کروں گا کہ اس پر بحث کا آغاز

پونے چار بجے ہوا ہے۔ اس پر بحث کا وقت دو گھنٹے ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ پونے چھ بجے تک چلے گی۔

جناب سپیکر، جی ہاں۔ دو گھنٹے کا وقت ہے۔

میاں محمود الحسن ڈار، پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب سپیکر! میں نے وقفہ نماز کی بات کی تھی۔ آپ نے اس پر فیصلہ نہیں دیا۔ میں نے اذان کی بات کی تھی کہ کم از کم قومی اسمبلی کی طرح یہاں پر اذان سنائی جائے تاکہ لوگ نماز کی طرف جائیں۔ اور خاص طور پر رمضان المبارک میں ہر آدمی کی خواہش ہوتی ہے کہ اس نے روزہ رکھا ہے۔ نماز بھی پڑھے۔ اور جنہوں نے بولنا ہے۔ وہ بے چارے بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے نماز بھی چھوڑی ہوئی ہے۔ میں حیران ہوں کہ یہاں پر منظور احمد چنیوٹی جیسے عالم فاضل آدمی بیٹھے ہیں۔ وہ بھی دین کی بات کیوں نہیں کر رہے؟ آخر کو میں ہی آپ سے عرض کر رہا ہوں۔

جناب سپیکر، ڈار صاحب! شکریہ۔ ابھی ہم عصر کی نماز کے لیے وقفہ کریں گے۔ انشاء اللہ۔

میاں منظور احمد موہل، جناب سپیکر! آج اس معزز ایوان میں تحریک التواء کے ذریعے سے ہمیں دو گھنٹے کا وقت ملا ہے کہ حال ہی میں گزشتہ ہفتے جو بہت ہی اہم اشیاء کی قیمتیں بڑھائی گئی ہیں۔ جن کا تعلق ہر شعبہ زندگی کے عوام سے ہے۔ وہ زیر بحث لانا چاہتے ہیں۔ (مداخلت) جناب سپیکر! میں یہی گزارش کروں گا کہ اگر اسی طرح میری تقریر کے دوران یہ شرارت بازی رہے گی تو میرے خیال میں یہ بات مناسب نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں آپ سے کیا گزارش کر سکتا ہوں۔

جناب سپیکر، موہل صاحب کو ہر گز interrupt نہ کیا جائے۔

میاں منظور احمد موہل، جناب والا! گزارش یہ ہے کہ جن اشیاء کی قیمتیں بڑھائی گئی ہیں ان میں کھاد' پٹرول' ڈیزل اور مٹی کا تیل شامل ہیں۔ یہ وہ اشیاء ہیں جو بنیادی ضروریات میں شامل ہوتی ہیں۔ ہمارا صوبہ پنجاب' دیہاتی صوبہ ہے۔ صوبے کی اکثریت دیہات میں رہتی ہے۔ تقریباً پچاسی فی صد عوام کا تعلق دیہات سے ہے۔ اور سب ہی کا تعلق کاشت کاری سے ہے۔ یعنی ہمارے صوبہ پنجاب کے لوگوں کی اکثریت کا تعلق کاشت کاری سے ہے۔ اور ان تمام اشیاء کا بوجھ اور اثر کاشت کاروں پر پڑے گا۔ جناب والا! سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تقریباً دو ماہ کے بعد قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں بھی بجٹ آنے والا ہے۔ اب ایسی کون سی ضرورت تھی کہ یہ قیمتیں اس مرحلے پر بڑھا دی جائیں؟ آپ یہ تصور کریں کہ دیہات کا زمیندار اور کاشت کار تو پہلے ہی مہنگائی کی چکی میں پس رہا ہے۔ اسے بہت زیادہ

مصیبتوں کا سامنا ہے۔ آپ بھی زمیندار ہیں اور اس معزز ایوان میں میرے بھائیوں کی اکثریت بھی کاشت کاری سے تعلق رکھتی ہے۔ آپ سے بڑھ کر کسے پتا ہو سکتا ہے کہ کاشت کاری کے مراحل آج کل کتنے زیادہ مہنگے ہو چکے ہیں۔ ایک فصل پیدا کرنے کے لیے اسے کتنی زیادہ قیمت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اس کی پیداوار کی قیمت ابھی تک نہیں بڑھائی جا رہی۔ جناب والا! میں اس مرحلے پر آپ کی خدمت میں ایک مثال پیش کروں گا۔ 1970ء میں پٹرول کی قیمت چار روپے فی گیلن تھی جو کہ اب بڑھ کر چالیس روپے فی گیلن ہو گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پٹرول کی قیمت دس فی صد بڑھی ہے۔ اس وقت گندم کی قیمت بیس روپے تھی جو کہ اب سو روپے ہے یعنی اس میں فرق پانچ گنا ہے۔ اسی حساب سے اگر آپ باقی بھی لے لیں تو کھاد، پٹرول اور ڈیزل کی قیمتیں زیادہ تیزی سے بڑھی ہیں اور ہماری فصلات مثلاً گندم، کپاس، گنا وغیرہ کی قیمت اس شرح سے نہیں بڑھائی گئی۔

(اس مرحلے پر جناب غلام محمد ٹوانہ کرسیٔ صدارت پر تشریف فرما ہوئے)

یہ تمام تر ظلم دیہی عوام پر ہو رہا ہے اور خصوصاً کاشت کار طبقے پر۔ جناب والا! میں اپنی جماعت، پاکستان پیپلز پارٹی کی بات کروں گا۔

چودھری محمد وصی ظفر: یہ پیپلز پارٹی کے نہیں ہیں۔

جناب چیئرمین: مداخلت نہ کی جائے۔ موہل صاحب، آپ اپنی بات جاری رکھیں۔

میاں منظور احمد موہل: جناب والا! میں انہیں یہی گزارش کرتا ہوں کہ میں اب بھی پاکستان پیپلز پارٹی میں ہوں۔ یہ لوگ نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے منشور سے انحراف کر چکے ہیں (نعرہ ہائے تحسین)۔

میاں منظور احمد موہل: جناب والا! میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ میں اب بھی پاکستان پیپلز پارٹی میں ہوں یہ لوگ نہیں ہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے وعدے سے اور اپنے منشور سے انحراف کر گئے ہیں۔ جو ہمارا منشور تھا وہ یہ تھا کہ ہم غریبوں کے مسائل حل کریں گے ہم ایک ایسا معاشرہ قائم کریں گے۔ جس میں غریبوں کی بات ہو گی جس میں غریبوں کی اہمیت ہو گی۔ جناب والا! آپ دیکھیں کہ اس وقت جو صورت حال۔

چودھری محمد وصی ظفر: آپ نے دوسری شادی کی۔

میاں منظور احمد موہل: *******

(بحکم جناب سپیکر حذف کر دیا گیا)

جناب چیئرمین، آرڈر پلیز۔ آرڈر پلیز۔

میاں منظور احمد موہل، *******

جناب چیئرمین، آرڈر پلیز۔ آرڈر پلیز (شور) یہ تمام کارروائی ایوان سے حذف کی جاتی ہے۔ موہل صاحب اپنی سیٹ پر تشریف لائیں۔ موہل صاحب آپ اپنی سیٹ پر تشریف لائیں تمام ممبران اپنی اپنی سیٹوں پر تشریف لائیں۔ میں رانا شوکت محمود صاحب لیڈر آف دی اپوزیشن سے گزارش ہے کہ وہ اپنے اراکین کو اپنی نشستوں پر بٹھائیں جو کچھ اس ایوان میں ہوا اچھا نہیں۔ یہ تمام کارروائی جو کچھ ہوئی جو الفاظ یہاں بولے گئے تمام کارروائی سے حذف کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد میں رانا پھول محمد خان صاحب سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ اس پر تقریر کریں۔

رانا پھول محمد خان، جناب سپیکر! موجودہ دور میں ہر ملک میں مہنگائی زوروں پر ہے لیکن جن ممالک میں مہنگائی ہے اور ہمارے لیڈر جہاں کی مثالیں ہمیں دیتے ہیں وہاں آمدن کا حساب بھی وہی ہے۔ ابھی ابھی مرکزی حکومت نے اپنے آمرانہ اختیارات استعمال کرتے ہوئے آمرانہ میں اس لیے کہتا ہوں انہوں نے اس ملک کی 85 فی صد دیہی آبادی پر قیمتوں میں اضافے کا بوجھ ڈال دیا ہے۔ اس کا طریق کار یہ تھا جب قومی اسمبلی کا اجلاس جاری ہو اس وقت آرڈیننس بھی جاری نہیں ہو سکتا۔ وہاں بل لاتے یا ضمنی بجٹ لاتے لیکن قوم بالکل سوئی پڑی کو چونکا دیا جیسے کوئی باہر سے حملہ آور ہو گیا۔ اور قیمتوں میں اضافے کا اعلان کر دیا چاہیے تو یہ تھا کہ ایوان زراعت اور ٹرانسپورٹرز کی یونین اور قومی اسمبلی میں85% دیہی آبادی کے نمائندوں کو اعتماد میں لے کر قیمت کو بڑھاتے لیکن ایسے آمرانہ اختیارات اسمبلی کی موجودگی اور تمام اداروں کو اعتماد میں لیے بغیر ایک دم عوام پر کمر توڑ بوجھ ڈال دیا ہے۔ بہتر تھا اگر یہ آمرانہ اختیارات استعمال کرنے ہی تھے خزانے سے جو خرید و فروخت ہوتی ہے۔ جو فضول خرچیاں ہوتی ہیں ان پر خرچ کرنے کے لیے عوام پر یہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے تھا۔ اگر ڈالنا ہی تھا تو پھر ایسا کرتے اتنے فی صد کھاد کی اور تیلوں کی قیمت بڑھائی اتنے ہی فی صد زرعی اجناس سے آنے والی اجناس کی قیمتوں میں اضافہ کرتے۔ پھر تو ہم سمجھتے کہ ٹھیک ہوا ہے لیکن انہیں علم نہیں ان کو کسی نے کہا وہاں اختلاف کرنے والے وزراء بھی موجود تھے انہوں نے کہا جناب آٹا بھی مہنگا ہو جائے گا۔ دال بھی

بحکم جناب سپیکر حذف کر دیا گیا)

مہنگی ہو جائے گی۔ جواب ملا آٹا نہیں ملے گا ڈبل روٹی کھا لیں گے کہا گیا کہ ڈبل روٹی آٹے سے بنتی ہیں۔ کہا گیا کہ وہ پھر کیک کھائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ کیک تو ان کو نصیب نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ ایسے بدنصیبوں کو چھوڑو آج کا دور اندھیرے کو اجالا کرنے والا دور ہے۔ لیکن ان غریبوں کے گھروں میں جا کر دیکھیے جو مٹی کے تیل سے اپنے دیے جلاتے تھے آج ان کا مٹی کا تیل ان کی قوت خرید سے باہر ہے۔ اور ایک دم باہر ہو گیا ہے۔ اس لیے یہ اجالے سے اندھیرے میں تبدیل کرنے والی مرکزی حکومت اور یہ دعویٰ کہ ہم غریبوں کے حامی ہیں ہم روٹی کپڑا اور مکان دیں گے۔ روٹی' کپڑا' مکان دینے والوں نے کپڑے بھی اتروا لیے اور رہی سہی لنگوٹی بھی چھین لی اس لیے اس ظلم کا اس زیادتی کا لوگوں میں اس قدر ردعمل ہوا وہ مرنے مارنے کے لیے تیار ہیں ہم قانون کی حدود میں رہ کر اپنی مرکزی حکومت سے یہ مطالبہ کرتے کہ وہ اس مہنگائی کے حکم کو واپس لیں اور اگر انہیں شرم آتی ہے۔ جب وہ قدم اٹھا بیٹھے ہیں تو پھر انہیں چاہیے کہ وہ جونیجو کی تقلید کریں۔ جونیجو کے دور میں اسمبلی میں بجٹ پیش ہو چکا تھا اور انہوں نے عوام کے تاثرات کو دیکھتے ہوئے عوام کی عزت اور احترام کے لیے ان کے جذبات کو سمجھتے ہوئے بجٹ واپس لے کر دوبارہ پیش کیا تھا۔ اس میں کوئی ندامت نہیں اگر اس حکم کو کینسل کر دیں۔ اگر کینسل نہیں کریں گے تو پانچ تاریخ کو سارے ٹریکٹروں والے ہڑتال کر رہے ہیں۔ اس کے بعد جگہ جگہ جلسے ہوں گے۔ رائے عامہ میں ان کی بدنامی ہو گی اور ان کی عوام دوستی کا پول اس طرح کھل جائے گا کہ جیسے یہ اپنے ٹیلی ویژن سے شام کو پردہ ہٹا کر دکھاتے ہیں کہ دیکھو صوبائی اسمبلی کی کارروائی کوئی کارروائی نہیں اور وہ ٹی وی پر نہیں دکھاتے آج آپ دیکھیں کہ اپوزیشن کے ہمارے بھائی اور ہم ایک نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک ہمارا پیشہ ہے اور وہ اب غیر حاضر ہیں اس لیے کہ اگر اس قرارداد کے خلاف بولیں تو لوگ علاقے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ ان کو تو پھرے دار بنا کر بھیجا ہے۔ اور پھرے دار سن لگا کر ان کا سارا سرمایہ سمیٹ کر جیب میں ڈال کر ممبروں کی خریدوفروخت پر لگا رہے ہیں۔ اس لیے میں حکومت کو یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس ٹیکس سے سب سے زیادہ نقصان پنجاب کے عوام کو برداشت کرنا پڑے گا۔ پنجاب میں اور کراچی میں ہی ڈیزل اور پٹرول کی زیادہ کھپت ہے۔ اور کھاد کی کھپت بھی زیادہ پنجاب میں ہے۔ پنجاب کا کاشت کار مر رہا ہے۔ پہلے ہی مہنگائی اتنی ہے کہ وہ اپنی محنت سے اپنی کمائی میں اپنے اخراجات پورے

نہیں کر سکتا۔ اگر یہ حکم واپس نہ لیا تو یاد رکھیے کہ قوم سڑکوں پر نکل آئے گی۔ سڑکوں پر نکلنے کے بعد پولیس استعمال ہو گی۔ پولیس کنٹرول نہیں کر سکے گی اور مجبوراً ان کو فوج بلانی پڑے گی۔ اور جب فوج آئے گی تو پھر ہمارے اور ان کے انشاء اللہ سب کے بستر ے لپٹ جائیں گے اگر اب بھی ہوش میں نہ آئے اور میرے دوستوں نے اپنی پارٹی کو مجبور نہ کیا کہ اس قسم کا غلط حکم' یہ ظلم' یہ ستم ان غریبوں پر نہ ڈھاؤ ورنہ تم ظلم و ستم کا نشانہ بن جاؤ گے۔ میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس ملک میں مارشل لاء کو دعوت دینے کے لیے یہ مہنگائی ہم پر ٹھونس دی گئی ہے تا کہ ہم قابو سے باہر ہو جائیں اور فوج آ جائے اور ان کی جان چھوٹ جائے۔ یہ عوام سے تنگ آ چکے ہیں۔ کیونکہ کیے ہوئے وعدے پورے کرنے اس مرکزی حکومت کے بس کا کام نہیں۔ اب وہ سمجھتے ہیں کہ کسی طرح سے راہ فرار تلاش کریں۔ بھئی راہ فرار تلاش کرنی ہے تو انتخاب کرا لو۔ اور ٹیکس لگا کر دیکھ لو۔ آپ اپنا جنازہ خود نکال رہے ہیں۔ اس لیے میری یہ گزارش ہے کہ ہمیں متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کرنی چاہیے۔ خدا حافظ۔

صاحب زادہ محمد احمد، پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب سپیکر! ایوان میں یہ جو ناخوش گوار واقعہ پیش آیا ہے اس سے یقین کریں بہت تکلیف ہوئی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں میں اس بات کو لمبا نہیں کرنا چاہتا۔ صرف یہی ہے کہ اس ایوان کے تقدس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہیں میں آپ کی وساطت سے قائد حزب اختلاف اور قائد ایوان دونوں یہاں تشریف فرما ہیں۔ یہ معاملہ غلط فہمی میں ہوا ہے۔ یونہی مذاق مذاق میں یہ بات بڑھ گئی ہے۔ تو میں آپ کی وساطت سے استدعا کروں گا کہ جناب وصی ظفر صاحب اور جناب منظور موہل صاحب کو ایک دوسرے کو یہاں معاف کر دینا چاہیے۔ اور یہ بات نہیں بڑھنی چاہیے۔

چودھری محمد وصی ظفر، جناب سپیکر! میں اسمبلی سے استعفیٰ دے دوں گا اگر مجھے قائد حزب اختلاف اس بات پر مجبور کریں گے۔ یہ لکھ لیں کہ میں منظور موہل سے اسمبلی کے اندر بھی اور باہر بھی نپٹوں گا۔ اور میں اس کو بتاؤں گا کہ اس بات کا مطلب کیا ہے؟

جناب چیئرمین، چودھری صاحب! آپ تشریف رکھیں۔ صاحب زادہ صاحب! انشاء اللہ اس معاملے کو ہم ایوان سے باہر بیٹھ کر خوش اسلوبی سے سلجھائیں گے اور دو مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ وہ آپس کی رنجش بھلا دیں۔ انشاء اللہ بہتر طریقے سے یہ مسئلہ حل ہو گا۔ جناب سلمان تاثیر صاحب!

جناب سلمان تاثیر، جناب سپیکر! مسٹر سپیکر سر! افراط زر۔ inflation مہنگائی ایک بین الاقوامی مسئلہ

ہے۔ اور کوئی بھی جمہوری حکومت کسی وقت بھی مہنگائی یا قیمتیں بڑھانا اپنی پسند یا شوق سے نہیں کرتی۔ کوئی مجبوری ہوتی ہے۔ اور اس حکومت کی مجبوری یہ ہے کہ 15 نومبر 1988، یعنی انتخابات سے چند دن پہلے جو عبوری حکومت تھی انہوں نے انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیے تھے اور اس معاہدے کے تحت پاکستان کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ایک سال تک ہمارے میزانیہ میں جو اقتصادی ڈھانچے میں جو کمزوریاں اور خسارہ تھا اس کو وہ لیول پر لائیں گے۔ اس کے بعد پیپلز پارٹی حکومت نے آئی ایم ایف کے دباؤ کے تحت مجبور کیا کہ اس عرصہ کو ایک سال سے لے کر آگے چار سال تک extend کیا جائے۔ لیکن یہ معاہدہ پہلے ہو چکا تھا۔ اور جو اس وقت اقتصادی بحران ہے جس بحران سے یہ ملک گزر رہا ہے یہ کوئی یک دم نہیں ہوا۔ یہ کوئی کل یا پرسوں کی بات نہیں۔ یہاں ہمارے مالی میزانیہ میں مسلسل تجارتی خسارہ چلتا ہی آ رہا ہے۔ اور اس وقت تقریباً تین یا چار بلین ڈالر کے قریب ہے۔ جب ہم تین یا چار بلین ڈالر کے خسارے میں چل رہے ہیں تو ہم مقروضہ ہیں اور آئی ایم ایف بنک سے ہمیں گرانٹ اور فنڈز ملتے ہیں تاکہ ہم اس خسارہ کو پورا کریں۔ اور جب ہم اس خسارہ کو پورا کرتے ہیں اور میں یہ بھی عرض کروں کہ ملکی معیشت اور اقتصادی طور پر ہم خود کفیل نہیں ہیں۔ اور خاص طور پر پٹرولیم میں خود کفیل نہیں۔ اس ملک کی پٹرولیم کی 70 فی صد ضروریات درآمد ہوتی ہیں تو جب ہم اس کو درآمد کرتے ہیں تو یقیناً پھر ہم inflation یعنی مہنگائی کو بھی درآمد کرتے ہیں۔ تو پھر یہ کہنا جیسے پیپلز پارٹی نے کوئی انتقامی فیصلہ کیا ہے تو یہ نادانی ہے۔ یعنی یہ وہ لوگ بات کرتے ہیں جو اقتصادیات کو سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ اور ایک سیاسی تماشہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور میں اس لیے بات کر رہا ہوں کہ وی اے جعفری صاحب نے جب اس موضوع پر ذکر کیا تھا۔ جب سینیٹ میں تقریر کی تھی تو انہوں نے کہا کہ اس سلسلے میں جو ہمیں بار بار مسئلہ پیش آ رہا ہے وہ صوبوں کا خسارہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ صوبوں کا خسارہ 3 بلین روپے ہو چلا ہے۔ یا تو صوبے بھی اپنا خسارہ کم کریں۔ اور خاص طور پر نمبر 1 مجرم پنجاب حکومت ہے۔ جو 89-1988، میں اپنے خسارے کو آٹھ سو کروڑ تک لے گئے تھے۔ اور پھر پچھلے سال یہ کم ہو گیا۔ اور کم اس لیے ہوا کہ جو Federal divisible tax pool میں اضافہ ہوا۔ یعنی وفاقی حکومت نے ٹیکس زیادہ اکٹھا کیا اس لیے ان کو زیادہ پیسہ ملا۔ اور جو ان کا خسارہ تھا وہ 807 کروڑ روپے سے 470 کروڑ روپے کے قریب پہنچ گیا۔ اور میں صوبائی حکومت سے کہوں گا کہ اگر مہنگائی

کا اتنا فکر ہے تو اپنے خسارے کو کم کرو۔ اور اپنے خسارے کو صوبائی حکومت کم کر سکتی ہے۔ صوبائی حکومت کبھی اپنی پراونشل ریونیو بڑھانے کی کوشش نہیں کرتی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ریکارڈ ہو گا کہ1988-89ء میں صوبائی حکومت کی جو ٹیکس ریونیو تھی وہ 290 کروڑ تھی۔ اور 1988-90ء میں 300 کروڑ یعنی 6 کروڑ۔ یہاں مہنگائی بڑھ رہی ہے۔ ٹیکس بڑھ رہے ہیں۔ یہاں موٹر وہیکل ٹیکس پہلے بھی47 کروڑ اس دفعہ 50 کروڑ۔ گاڑیوں کی قیمتیں بھی 3 سو' 4 سو فی صد بڑھ گئی ہیں۔ لیکن صوبائی حکومت نے فیصلہ یہ کیا ہے کہ جو ٹیکسیشن ہو گی وہ وفاقی حکومت کی ذمہ داری ہو گی۔ اور ہم پیچھے کھڑے ہو کر نعرے ماریں گے کہ ٹیکس لگ گئے۔ مہنگائی بڑھ گئی۔ جناب یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ اور یہاں اٹھ کر کھڑا ہونا اور افسوس کی بات ہے کہ یہاں ایک صوبائی مشیر ہیں یا ایڈوائزر ہیں اختر رسول صاحب۔ ان کا کل بیان آیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ فلاں صوبائی محکمہ کے ملازمین باہر نکلیں گے اور احتجاجی جلوس نکالیں گے۔ یہ تو بغاوت ہے۔ یہ آپ صوبائی حکومت کے اداروں کو اکسا رہے ہیں کو وفاقی حکومت کے خلاف بغاوت کریں۔ یعنی جب بھی ٹیکس بڑھایا جائے۔ کسی طریقے سے بڑھایا جائے تو آپ سارے صوبے کے محکموں کے جو لوگ ہیں ان کو لائینوں میں لگا کر'بسوں میں لا کر آپ احتجاج شروع کر دیں۔ اور میں وزیر اعلیٰ صاحب کا بھی بیان پڑھ کر میں حیران ہوں کہ غریب عوام سسک سسک کر مر جائے گی۔ اگر ان کو اتنا افسوس ہے۔ اگر ان کو غریب عوام کے ساتھ اتنا درد ہے تو مجھے یہ بتائیں کہ سب سے بڑے borrowers چودھری برادران' اتفاق فاؤنڈری اور ڈاکٹر بشارت الٰہی جو ضیاء الحق کے brother-in-law ہیں ان سب نے وفاقی حکومت سے کوئی پانچ سو کروڑ روپے کا قرضہ لیا ہے اور انہوں نے اپنے قرضے معاف بھی کرائے ہیں اور یہ کروڑوں روپے بنتے ہیں اگر ان کو عوام کے ساتھ اتنی ہم دردی ہے تو یہ اپنے قرضے واپس کریں اور ہم ان کو ٹیکس liabilities کے ساتھ adjust کرلیں گے۔ یہ کوئی چھوٹی رقم نہیں یہ کوئی سو' دو سو روپے کی بات نہیں اور پھر حقیقت یہ ہے کہ اس وقت پاکستان پٹرولیم کو درآمد کر رہا ہے اور 1988-89ء میں اس کی اوسط قیمت 14 ڈالر فی بیرل تھی اور اب قیمت 17 ڈالر فی بیرل ہو گئی ہے اور نومبر میں یہ تقریباً کوئی 18 ڈالر تک پہنچ گئی تھی اور foreign inflation میں بھی 21 فی صد کا اضافہ ہوا ہے تو یہ جو خرچہ ہے اور یہ جو inflation ہے ہمیں اسے بھی دیکھنا ہے۔ ہم اسے درآمد کر رہے ہم بار بار اسے subsidize کرتے ہیں وہ بھی وفاقی میدان میں ہیں

خرچہ بنتا ہے۔ subsidy ایک خرچہ ہے اور ہمیں کسی نہ کسی طرح اس خرچے کو پورا کرنا ہے اور وی۔ اے جعفری صاحب نے سینیٹ میں تقریر کی تھی اور وہاں انہوں نے کہا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ پچھلے سال inflation صرف 11 فی صد تھی اور اس سال ہم اسے 8 فی صد کریں گے یعنی مہنگائی کم ہو گئی ہے اور ہو رہی ہے تو یہ کہنا کہ تین' چار پروڈکٹس کی قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے۔ Low مہنگائی ہو گئی اور تباہی مچ گئی یہ بھی میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک نادانگی ہے اور خاص طور پر جو low income groups کے لیے صرف کیروسین یعنی مٹی کا تیل اور ڈیزل آئیل میں صرف پانچ فی صد اور 75 فی صد کا اضافہ کیا گیا ہے یعنی غریب طبقہ پر اس کا زیادہ اثر نہ پڑے جہاں تک فرٹیلائزر کا تعلق ہے اس کی قیمتیں نہیں بڑھائی گئیں اس میں جو subsidy تھی اسے کم کیا گیا ہے اور subsidy ایک قسم کی support ہے جو ہم نے معاہدہ پہلے کیا تھا یہ پیپلز پارٹی کا معاہدہ نہیں اس لیے جب وزیر اعلیٰ کا ایک بیان آیا کہ یہ ایکنک کے دباؤ میں آئی تھی اور یہ ایک سازش کے تحت ایک ٹائم بم چھوڑ گئی تھی کہ جب پاکستان میں جمہوری حکومت آئے گی تو یہ اس معاہدے میں پھنس جائے گی اور اس معاہدے کے تحت ان کو قیمتیں بڑھانی ہوں گی انہوں نے یہ جو شور مچایا ہوا ہے اور کھڑے ہو کر یہ کہتے ہیں کہ ہم صوبائی محکموں کو کہیں گے کہ اٹھو احتجاج کرو۔ تو جناب والا! میں یہ عرض کروں گا کہ اس وقت کی حکومت اس وقت کے لیے ایک ٹائم بم چھوڑ گئی تھی اور جو فرٹیلائزر کی subsidy کو 29 فی صد سے کم کر کے 22 فی صد لے آئے ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فرٹیلائزر کی مانگ بھی 46 فی صد بڑھ گئی ہے اور جعفری صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ اگلے سال اور اس سال ایک bumper crop آنے کا یعنی فصل ایسی ہو گی کہ اس میں ہم پورا کر سکیں گے تو یہ کہنا جیسے کہ رانا پھول صاحب نے کہا تھا کہ کاشت کار کیا کریں گے تو کاشت کار تو ٹھیک ہے ان کو نقصان پہنچے یا نہ پہنچے یہ بھی ہم دیکھیں گے اور یہ فیصلہ کریں گے کہ ان کو کتنا نقصان پہنچتا ہے یا پھر کتنا بڑا ان کو دھچکا پڑا ہے۔ کاشت کار پر یہ نقصان پڑے یا نہ پڑے لیکن جو inflation ہے یعنی جو مہنگائی ہے اس کا تو ہر پاکستانی کو اثر پڑتا ہے اور اگر آپ subsidy نہ بڑھائیں اور فرٹیلائزر کی کمی ہو جائے گی اور فرٹیلائزر کی قیمتیں بڑھائی جائیں تو اس سے ہر ایک کو نقصان پہنچے گا اور اگر ہم deficit finance کا خسارہ کم نہ کریں گے تو پھر دوسرا کیا طریقہ ہے دوسرا اس کا طریقہ یہ ہے کہ مہنگائی بڑھنے دیں اور مہنگائی ایسی چیز ہے کہ اس کا ہر شخص کو

اثر پڑتا ہے تو اس دفعہ یہ جو قیمتوں میں اضافہ کیا گیا ہے اس کو سیاسی مسئلہ نہ بنایا جائے یہ کوئی سیاسی بات نہیں یہ ایک اقتصادی مسئلہ ہے اور حکومت نے اگر مجبوری کے تحت اور دل پر پتھر رکھ کر ایک فیصلہ کیا ہے کہ ہم معمولی قیمتیں بڑھائیں گے تو پچھلے بجٹ کو بھی دیکھ لیں اگر اس وقت پیپلز پارٹی کی حکومت آئی تھی تو اس وقت وہ جتنی مرضی قیمتیں بڑھا دیتی تو وہ یہ کہہ دیتی کہ جی یہ تو ہمیں وراثت میں ملی ہیں یہ ہماری کوئی غلطی نہیں اور واقعی کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان کی غلطی تھی کیونکہ یہ حکومت تو ابھی چار پانچ مہینے ہوئے ہیں کہ برسراقتدار آئی ہے اور یہ جو قیمتیں بڑھی ہیں تو اس حکومت کو تو وراثت میں یہ مہنگائی ملی ہے لہذا اس دفعہ یہ جو قیمتیں بڑھی ہیں اسے سیاسی مسئلہ نہ بنایا جائے یہ سیاسی مسئلہ نہیں یہ اقتصادی مسئلہ ہے یہ صرف وفاق کی ذمہ داری نہیں یہ پنجاب صوبے کی ذمہ داری ہے صوبہ پنجاب اگر اس وقت ٹیکس بڑھائے اور مجھے پتا ہے کہ اگر یہ ایک exercise کرے اور متعلقہ وزیر صاحب بھی یہاں بیٹھے ہوئے ہیں تو وہ کم از کم ایک سو کروڑ اپنے taxation میں اضافہ کر سکتے ہیں اور اگر وہ مجھے یہ کہیں کہ وہ اتنا نہیں کر سکتے تو یہ بھی میں مان جاؤں گا مگر مجھے یقین ہے کہ اگر اس میں study کریں تو وہ اپنے taxes میں بھی ایک سو کروڑ کا اضافہ کر سکتے ہیں تو سب مل جل کر اگر اس بحران کا مقابلہ کریں یہ بہتر ہو گا اور یہ طریقہ نہیں کہ ہم کھڑے ہو کر نعرے ماریں اور اقتصادی مسئلے کو ہم سیاسی مسئلہ بنائیں۔ شکریہ۔

مجلس استحقاقات کی رپورٹیں ایوان میں پیش کرنے کی میعاد میں توسیع

جناب محمد صفدر شاکر: جناب والا! میں یہ تحریک پیش کرتا ہوں۔ کہ تحریک استحقاق نمبر 28 پیش کردہ مولانا منظور احمد چنیوٹی۔ ایم۔پی۔اے کے بارے میں مجلس استحقاقات کی رپورٹ ایوان میں پیش کرنے کی میعاد میں 30 مئی 1990ء تک توسیع کر دی جائے۔

جناب چیئرمین: یہ تحریک پیش کی گئی ہے اور سوال یہ ہے کہ

> تحریک استحقاق نمبر 28 پیش کردہ مولانا منظور احمد چنیوٹی ایم۔پی۔اے کے بارے میں مجلس استحقاقات کی رپورٹ ایوان میں پیش کرنے کی میعاد میں 30 مئی 1990ء تک توسیع کر دی جائے؟

(تحریک منظور ہوئی)

جناب محمد صفدر شاکر: جناب والا! میں یہ تحریک پیش کرتا ہوں۔ کہ تحریک استحقاق نمبر 30 پیش کردہ راؤ طارق محمود ایم۔پی۔اے کے بارے میں مجلس استحقاقات کی رپورٹ ایوان میں پیش کرنے کی میعاد میں 30 مئی 1990ء تک توسیع کر دی جائے۔

جناب چیئرمین: یہ تحریک پیش کی گئی ہے اور سوال یہ ہے کہ۔

تحریک استحقاق نمبر 30 پیش کردہ راؤ طارق محمود ایم۔پی۔اے کے بارے میں مجلس استحقاقات کی رپورٹ ایوان میں پیش کرنے کی میعاد میں توسیع کر دی جائے؟

(تحریک منظور ہوئی)

مجالس قائمہ کی رپورٹیں ایوان میں پیش کرنے کی میعاد میں توسیع

حاجی سردار خان: جناب سپیکر! میں ایک تحریک پیش کرنا چاہتا ہوں۔

جناب چیئرمین: جی پیش کریں۔

حاجی سردار خان: میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ مسودہ قانون (ترمیم) کورٹ فیس مصدرہ 1989ء (مسودہ قانون نمبر 26 بابت 1989ء) کے بارے میں مجلس قائمہ برائے مال کی رپورٹ ایوان میں پیش کرنے کی میعاد میں مورخہ 31 مئی 1990ء تک توسیع کر دی جائے۔

جناب چیئرمین: یہ تحریک پیش کی گئی ہے اور سوال یہ ہے کہ۔

مسوّدہ قانون (ترمیم) کورٹ فیس مصدرہ 1989ء (مسوّدہ قانون نمبر 26 بابت 1989ء) کے بارے میں مجلس قائمہ برائے مال کی رپورٹ ایوان میں پیش کرنے کی میعاد میں مورخہ 31 مئی 1990 تک توسیع کر دی جائے۔

(تحریک منظور کی گئی)

سید ذاکر حسین شاہ: جناب سپیکر! میں یہ تحریک پیش کرتا ہوں کہ۔

مسوّدہ قانون دوسری ترمیم (تنخواہیں و بھتہ جات) مراعات اراکین صوبائی اسمبلی پنجاب بابت 1990ء مسوّدہ قانون نمبر 6 کے بارے میں مجلس قائمہ برائے قانون و

پارلیمانی امور کی رپورٹ ایوان میں پیش کرنے کی میعاد میں مورخہ 23 مئی 1990ء
تک توسیع کر دی جائے۔

جناب چیئرمین، یہ تحریک پیش کی گئی ہے اور اب سوال یہ ہے کہ۔

مسوّدہ قانون دوسری ترمیم (تنخواہیں و بھتہ جات) مراعات اراکین صوبائی اسمبلی
پنجاب بابت 1990ء مسوّدہ قانون نمبر 6 کے بارے میں مجلس قائمہ برائے قانون و
پارلیمانی امور کی رپورٹ ایوان میں پیش کرنے کی میعاد میں مورخہ 23 مئی 1990ء
تک توسیع کر دی جائے؟

(تحریک منظور کی گئی)

ڈیزل، کھاد، پٹرول اور مٹی کے تیل کی قیمتوں میں اضافہ کے بارے میں
تحریک التوائے کار پر بحث (۔۔۔جاری)

جناب احمد علی اولکھ، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جناب سپیکر! آج یہاں کھاد اور تیل کی قیمتوں میں اضافے کے بارے میں کافی بحث ہوئی ہے۔ میرے خیال کے مطابق کھاد اور تیل کی قیمتوں میں اضافے سے مہنگائی میں کافی اضافہ ہو گا اور اس سے سب سے پہلے پنجاب کا کاشت کار متاثر ہو گا۔ پاکستان کے کاشت کاروں نے پہلے ہی بیش بہا قربانیاں دی ہیں اور انہوں نے مشکل حالات میں اس ملک کے لیے غلہ اگایا ہے آج گندم کا بھاؤ پاکستان میں 9595 روپے فی من مقرر ہوا ہے جبکہ ہم باہر کے ممالک سے گندم 176 روپے فی من کے حساب سے درآمد کرتے ہیں اور یہ قرض 25 ارب 20 کروڑ اور اسی لاکھ روپے کا ہے اور اس قرض میں جو کمی ہو رہی ہے وہ بھی کاشت کاروں کی مرہون منت ہے۔ جو یہاں مشکل حالات میں گندم کاشت کرتے ہیں اسی طرح پاکستان کا کاشت کار جس کی آبادی 85 فی صد ہے وہ دیہاتوں میں بے بسی کی حالت گزار رہا ہے وہ بے نوا ہے جس کی کوئی آواز نہیں اس طرح حکومتیں جب بھی پیسہ اکٹھی کرتی ہیں تو اس کی زد ہمیشہ کاشت کار پر پڑتی ہے اور کاشت کار بے چارہ کوئی احتجاج نہیں کر سکتا اور وہ سڑکوں پر نہیں آ سکتا اس لیے اسے کمزور سمجھ کر اس پر ٹیکسوں کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ تو جناب والا! میری استدعا ہے کہ کاشت کار ہمیشہ قربانی دیتا ہے اس لیے ہمیں اس کا خیال کرنا چاہیے۔ آپ دیکھیں کہ پچھلے سال کھاد میں اضافہ 28 فی صد ہوا تھا اس اضافے کی وجہ

سے گوداموں سے کھاد نایاب ہو گئی اور کاشت کار اس کے حصول کے لیے مارے مارے پھرتے رہے اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں تھا مگر کھاد کی قلت کے باوجود انہوں نے بے پناہ گندم کاشت کی اس 28 فی صد کے اضافے کے بعد اب پھر 18 فی صد کا اضافہ کر دیا گیا ہے جو نہایت ناروا ہے اس سے نہ صرف پاکستان کے معیشت متاثر ہو گی بلکہ آبادی کے سب سے بڑے صوبہ میں کاشت کار اس سے متاثر ہوں گے اس سے اور غربت بڑھے گی اس سے ملک کو بھی کافی نقصان ہے۔ اگر اس کی بجائے حکومتیں جو ٹیکسز وصول کرتی ہیں ان پر کنٹرول کیا جاتا تو میرے خیال میں ان ٹیکسز کے نفاذ کی ضرورت نہ پڑتی ڈاکٹر محبوب الحق نے اپنی رپورٹ میں کہا تھا کہ پاکستان میں 70 ارب روپے سالانہ خورد برد ہوتے ہیں۔ تو جناب والا! اگر ان ٹیکسوں کو خورد برد نہ ہونے دیا جاتا تو میرے خیال میں ان ٹیکسوں کے نفاذ کی قطعاً ضرورت نہ پڑتی۔

جناب والا! اس وقت اس ایوان میں جو ارکان اسمبلی تشریف فرما ہیں ان کی اکثریت کاشت کاروں پر مشتمل ہے اور ہمیں اس آواز کو اٹھانا چاہیے اور ہمیں وفاقی حکومت سے اپیل کرنی چاہیے کہ اگر کاشت کار کے مفاد کو مد نظر نہ رکھا گیا تو اس سے مہنگائی اور زیادہ بڑھے گی اس لیے ضروری ہے کہ کھاد اور تیل کی قیمت کو اسی سطح پر لے جایا جائے جہاں پر یہ پہلے تھی۔ کیونکہ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ پاکستان کو چاول اور کپاس کے لیے کیا معاوضہ ملتا ہے۔ کپاس اور چاول کے لیے کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن اور رائس ایکسپورٹ کارپوریشن ہے۔ وفاقی حکومت 600 کروڑ روپیہ کپاس پر منافع کما رہی ہے اور اس طرح چاول کا جو یہاں پر -/100 روپے من ریٹ ہے لیکن جب اسے برآمد کیا جاتا ہے تو -/300 روپے من کے حساب سے برآمد کیا جاتا ہے۔ تو یہ بھاری منافع کھیتوں سے آ رہا ہے لیکن اگر ہم ان کھیتوں کے جو کاشت کرنے والے لوگ ہیں ان کے دشمن بن گئے تو اس طرح ملک کی ترقی شدید متاثر ہو گی۔ میری یہ استدعا ہے کہ ان چیزوں کو ہمیں ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہیے کیونکہ ہم ان میں سے یہاں پر منتخب ہو کر آئے ہیں اس لیے ہمیں یہ احساس ہونا چاہیے کہ ہماری بیشتر آبادی ناخواندہ ہے اور دیہاتوں میں رہتی ہے۔ سردی ہو یا گرمی ہو، رات ہو یا دن ہو، شب و روز وہ ہمارے لیے کام کر رہے ہیں اور کھیتوں سے فصلات اگا رہے ہیں اگر ہم نے ان کا خیال نہ رکھا تو اس طرح آپ دیکھیں گے کہ ہمارے ملک کی ترقی شدید متاثر ہو گی تو میں یہ استدعا کروں گا کہ ہمیں ایک قرارداد پاس کر کے وفاقی

حکومت کے پاس بھیجنی چاہیے کہ براہ مہربانی کھاد' تیل اور بجلی کا جو اضافہ ہے وہ واپس لیا جائے۔ اب آپ دیکھیں کہ انڈیا میں بجلی کے نرخ-/16 روپے ہاؤس پاور ہیں اور یہاں پاکستان میں80 روپے ہاؤس پاور تک ریٹ پہنچ گیا ہے تو وہ بھی ہمارا ساتھ کا ہمسایہ ملک ہے اگر ہم ان چیزوں کا تفصیل سے تقابلی جائزہ لیں اور ان کو کنٹرول کریں تو ہمارا ملک ترقی کرے گا اگر حکومت کے لیے مزید ٹیکسوں کا نفاذ ناگزیر ہو تو اس کے لیے متبادل ذرائع اختیار کیے جا سکتے ہیں اس کے لیے جس طرح میں نے پہلے گزارش کی ہے کہ ان کے جو ٹیکس وصول کرنے والے محکمے ہیں ان کو ذرا سرگرم کریں اور ان پر کڑی نظر رکھیں کہ کس طرح ٹیکسوں کا اخفاء ہو رہا ہے اگر ٹیکسوں کی صحیح طرح وصولی کی جائے تو میرے خیال میں پھر نئے ٹیکس لگانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ شکریہ۔

جناب چیئرمین: چودھری شاہنواز چیمہ صاحب۔

چودھری محمد شاہنواز چیمہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جناب سپیکر! میں اجازت چاہتا ہوں کہ میں پنجابی میں تقریر کروں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ میں اسمبلی میں بیٹھ کر بہت بڑے دعوے کرتا ہوں مہنگائی رو کی جائے سوچنا یہ چاہیے یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ مہنگائی ہو رہی ہے۔ کیوں ہوئی ہے۔ یہ کبھی کسی نے نہیں کہا کہ مہنگائی کیوں ہوئی اور کیوں ہو رہی ہے اور کیوں ہوتی رہے گی اور کب تک ہوتی رہے گی۔ یہ میں جناب بتاتا ہوں یہ تب تک ہوتی رہے گی جب تک صوبے کے حکمران ناجوازیاں بند نہیں کریں گے' کھلی منڈیوں اور کھلے بازاروں میں ہیروئین کی فروخت بند نہیں ہو جائے گی۔ اصل مہنگائی ہے جناب سپیکر! آؤ میں تمہیں دکھاتا ہوں ان لوگوں کی جگہیں جہاں روزانہ اتنی اتنی بڑی کوٹھیاں بن رہی ہیں۔ اتنا افراط زر ہو رہا ہے۔ یہ کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ کو نہیں کوئی روتے۔ یہ پشت پناہیاں اور یہ بد دیانتیاں جتنی دیر تک بند نہیں ہوں گے اتنی دیر تک مہنگائی نہیں رکے گی۔ مہنگائی کا علاج کیا ہے کہ اس ملک میں انڈسٹری بنے۔ اس ملک کے اندر ملیں لگیں۔ اس ملک میں کارخانے لگیں اس میں یہ کیا جائے کہ اس بات سے نہ کیا جائے کہ اس میں یہ حکومت ہے مرکز کی حکومت اگر اچھے کام کرتی ہے تو ہم ان کی مخالفت کریں۔ کبھی کہتے ہیں کہ سڑکوں پر آئیں گے۔ سڑکوں پر آنے سے مہنگائی بڑھے گی یا کم ہو گی۔

جناب سپیکر! میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ سب لوگ دیانت دار ہو جائیں۔ بد دیانتی کی'

کرپشن کی مہنگائی کو روکیں۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اگر دیانت داری کے ساتھ اپنے اندر جھانک کر دیکھیں کہ مہنگائی کیوں ہو رہی ہے تو خدا کی قسم ہر بندہ جانتا ہے کہ مہنگائی کی اصل وجہ کیا ہے۔ یہ مہنگائی روکنے کی بات نہیں کرتے۔ یہ انتشار کی بات کرتے ہیں۔ جناب سلمان تاثیر صاحب نے ایک ایک حرف کے ساتھ ان کو سمجھا دیا ہے کہ یہ ریشو ہے اور میں ان کو دوسری زبان میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ لوگ دیانت دار نہ ہوئے تو کیا ہوگا؟ دو بار مارشل لاء آچکا ہے۔ یہ بڑی خوشی کے ساتھ بڑے نعروں کے ساتھ کہتے ہیں کہ جی مارشل لاء آجائے گا۔ مارشل لاء آجائے گا تو مارشل لاء کیا کرے گا؟ مارشل لاء نہیں آئے گا۔ ایک ایسی طاقت آئے گی جو ان لوگوں کا محاسبہ کرے گی جو زبان سے کچھ کہتے ہیں اور عمل کچھ کرتے ہیں۔

جناب سپیکر! میں اس ایوان میں اپنے ضمیر کے مطابق یہ باتیں سنانی چاہتا ہوں کیونکہ یہاں ایک ایک چیز لکھی جاتی ہے۔ درج ہو جاتی ہے۔ یہ باتیں یاد رہ جائیں گی ان لوگوں کی جو بددیانتیاں بھی اس میں آجائیں گی۔ جناب سپیکر! میں اس چیز کا دعوے سے کہتا ہوں کہ کہتے ہیں کہ فلاں چیز کی مہنگائی، کھاد کی مہنگائی، تیل کی مہنگائی، آپ ان ملازمین کو دیکھیں جو کرش ہو رہے ہیں وہ لوگ جو اس چیز پر اتنے مجبور کر دیے ہیں کتنوں نے کر دیے ہیں جن ناجوازیاں کے ساتھ لمبے لمبے کرتے پہنا کر پولیس والوں کو دوسروں پر لگا دیا ہے کہ جاؤ! سر عام ڈاکے مارو۔ سر عام لوگوں کو ٹیکس لگانے کے لیے پولیس کے نوجوان کھڑے ہوتے ہیں۔ سر عام ناجوازیاں زمینیں غصب کر کے کسی کی کسی کو دے دی جاتی ہیں۔ جناب سپیکر! مہنگائی کیوں نہ ہو مہنگائی تو ضرور ہونی ہے۔ جس وقت میں دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی جس کی دو ہزار روپیہ تنخواہ ہے یا ایک ہزار روپیہ تنخواہ ہے تو وہ اس شاہانہ طریقے کے ساتھ رہ رہا ہے تو دوسرا افسر جو دیانت دار افسر ہی جو کسی اچھی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور اس کی پاس وہ وسائل نہیں وہ غریب یہ سوچ بچار میں بس رہا ہے جناب سپیکر! اصل چیز یہ ہے کہ اس پر ٹیکنالوجی تبدیل ہونی چاہیے یہ کسی بندے نے آج تک مشورہ نہیں دیا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ہمارے ملک میں تعلیم کس طرح کی ہونی چاہیے۔ جناب سپیکر! یہاں میں بتانا چاہتا ہوں یہاں ایوب کا مارشل لاء لگا تو اس کے بعد ہم نے سنا کہ 22 خاندان ہیں آج کا مارشل لاء ہوتا ہے تو یہاں دو یا تین خاندان ہیں۔ یہ دو تین خاندان جو ہیں یہ ناجوازیوں اور زیادتیوں سے بہت کچھ بنا چکے ہیں۔ اگر ملک کے حاکم، صوبے کے حاکم

دیانت دار ہو جائیں تو کبھی مہنگائی نہیں ہو سکتی۔ یہ سب بد دیانتی ہے یہ اس غریب لوگوں کے ساتھ اور بڑی زیادتی کرنے کے لیے تیار ہوگئے ہیں کہ اپنے اثر و رسوخ کے ساتھ یہ جھوٹے نعرے لگا کر ورغلا کر ان لوگوں کو سڑکوں پر لانا چاہتے ہیں اس لیے کہ ہم اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے وہ کام کریں۔ کیا یہ بھول گئے ہیں کہ ان 11 سال کے کیا کیا ہے۔ ان نقش قدم پر چلنے کی خاطر ان لوگوں کی وجہ سے دن بدن مہنگائی بڑھی ہے۔ کوئی دن ایسا بتا دیں کہ مہنگائی نہ بڑھی ہو۔ مہنگائی تو بڑھنی ہے کیوں کہ یہ لوگ دیانت دار نہیں۔ جب لوگ دیانت دار ہو جائیں گے۔ جب یہ ایمان دار ہو جائیں گے۔ جب یہ لوگ ان لوگوں کو جن کا حق ہے اس کو ان کا حق دیں گے تو مہنگائی رک جائے گی۔ کوئی بندہ بتاؤ کہ ملازم ہو سکتا ہے۔ صبح تا شام سینکڑوں آدمی آتے ہیں کہ ہمیں روٹی چاہیے روزگار چاہیے نوکری چاہیے کوئی نوکری نہیں ملتی۔ کیوں نہیں ملتی؟ پتہ لگتا ہے کہ پنجاب میں بین لگا دیا گیا ہے۔ بین کیوں لگایا ہے کہ اس کی سوچ ہی بین ہے۔ ان کا ذہن ہی بین ہو چکا ہے۔

جناب سپیکر! ان کو یہ ہوش کرنی چاہیے۔ ان کو تعاون کرنا چاہیے ان کو ملکی سوچ سوچنی چاہیے ان کو قوم کی سوچ سوچنی چاہیے ان کو ایمان کی سوچ سوچنی چاہیے ان کو دیانت دار ہو کر چاہیے اگر ملک کے اندر مہنگائی ہو رہی ہے تو کیوں ہو رہی اسے" اس مہنگائی کو روکا جائے۔ باہر کے ممالک میں جا کر دیکھو۔ ہمارے 35 روپے تو ان کا ایک پونڈ۔ ہمارے 7 روپے تو ان کا ایک روپیہ۔ حالانکہ وہ لوگ ہر چیز باہر سے منگواتے ہیں۔ ان کے ملک میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔

جناب سپیکر! ہمارا اتنا زرخیز ملک' اتنا اعلیٰ ملک ہے مگر ہماری نیتوں میں فتور ہے ہم بد دیانت ہیں ہم اپنی دیانت داری کی طرف بڑھیں ہم جناب سپیکر! جتنی دیر تک اس مہنگائی کو نہیں روکیں گے۔ اس بدعنوانی کو نہیں روکیں گے۔ اس فراڈ کو نہیں روکیں گے اس کام کو نہیں روکیں گے مہنگائی ختم نہیں ہو سکتی صرف اس بات کے لیے ہم مہنگائی پر بحث کرنا چاہتے ہیں' اس بات کے لیے ہم مہنگائی کے خلاف ہیں ہو سکتا ہے کہ ہمیں اس کا کوئی جھوٹا کریڈیٹ مل جائے۔ یہاں اتنے بڑے جاگیردار ہیں۔ یہاں کے جاگیردار۔ یہاں کے مل مالکان' تاجر ایمان دار ہو جائیں تو خدا کی قسم یہ مہنگائی نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں کی گریبان پکڑو۔ ان تاجروں کے گریبان پکڑو۔ ان کو سمجھاؤ کہ انسان بن جاؤ اس ملک میں انسان بن کر رہو۔ یہاں رانا پھول خان جیسے انسان نے اپنی زمین کو لاکھوں اور کروڑوں

روپے پر رے گئے ہیں تو آپ کہتے ہیں کہ مہنگائی بڑی ہے۔ جناب سپیکر! یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس دیس کے ساتھ کیا نہیں ہوا اس دیس کے حاکم جب رہیں گے تو یہاں مہنگائی ہوتی رہے گی۔ جناب والا! ان ظالموں کو پکڑا جائے ان ظالموں کے ہاتھ کاٹے جائیں جو مہنگائی کے دعوے دار ہیں۔ چیمہ صاحب! آپ اپنی تقریر ایک منٹ میں ختم کریں۔

رانا پھول محمد خان، کیا آپ موچی دروازے سے آئے ہیں؟

چودھری محمد شاہ نواز چیمہ، جناب سپیکر! میرے بزرگ کو بڑی تکلیف ہوئی ہے۔ اپنے ایمان کے ساتھ یہ لفظ ہی کہتا ہوں کہ میں موچی دروازے سے یا کہاں سے آیا ہوں یہ خدا جانتا ہے ان سے پوچھیں کہ یہ کہاں آئے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ ان کی زبان کیا ہے۔ ان کا عمل کیا ہے۔ ان کا کردار کیا ہے آج عہد کر کے رانا صاحب دعوے سے کہہ دیں کہ جو میرا ضمیر کہتا ہے وہ میں کہوں گا تو پھر خدا کی قسم اس ملک میں کبھی مہنگائی نہیں ہو سکتی۔

جناب چیئرمین، جناب مخدوم زادہ شاہ محمود حسین قریشی صاحب۔

جناب ریاض فتیانہ، جناب والا! جناب شاہ نواز چیمہ نے بڑی جذباتی تقریر کی ہے۔ اس مہنگائی کے متعلق اگر اخبار پر بھی نگاہ ڈال لیں کہ پیپلز پروگرام۔۔۔

جناب چیئرمین، فتیانہ صاحب آپ تشریف رکھیں۔ مخدوم زادہ صاحب آپ اپنی بات شروع کریں۔

وزیر منصوبہ بندی و ترقیات (مخدوم زادہ شاہ محمود حسین قریشی)، شکریہ۔ جناب سپیکر! آپ نے مجھے موقع دیا کہ اس تحریک التوائے کار پر میں اپنے خیالات کا اظہار کروں۔

جناب سپیکر! چند روز پہلے مرکزی حکومت نے جو اقدامات کیے ہیں اس کا پس منظر کیا تھا اس کی وجوہات کیا ہے؛ میں مختصراً عرض کروں گا لیکن سارا ملک سراپا احتجاج ہے۔ ساری قوم اس بات پر متفق ہے کہ ان اقدامات سے مہنگائی بڑھے گی۔ جعفری صاحب نے بجٹ پیش کرتے وقت ہمیں جو یہ یقین دلایا تھا کہ اس سال کے مالی سال میں ہم افراط زر کو کنٹرول کرنے میں کامیاب ہوں گے اور اس کو نیچے لانے میں کامیاب ہوں گے جناب سپیکر! ان کے ان اقدامات سے ان کی اپنی پالیسیاں defeat ہو جاتی ہیں اور میں اس فلور پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ 8 فی صد کا جو افراط زر کا ٹارگٹ دیا گیا ہے ان اقدامات کے بعد وہ 8 فی صد کا ٹارگٹ achieve نہیں ہو پائے گا۔

جناب سپیکر! سلمان تاثیر صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ چند اشیاء کی قیمتیں بڑھی ہیں اور یہ ملک اور یہ ایوان اور Treasury Benches سراپا احتجاج ہیں کہ مہنگائی ہو جائے گی۔ جناب سپیکر! اگر ہم مطالعہ کریں کہ کن اشیاء کی قیمتیں بڑھائی گئی ہیں مٹی کی تیل کی قیمتیں بڑھائی گئیں ہیں اس کا اثر کس طبقے پر پڑے گا؟ یہ ایوان اس سے بخوبی واقف ہے۔ جناب سپیکر! ڈیزل کی قیمت بڑھائی گئی۔ لائٹ ڈیزل آئیل کی قیمت بڑھائی گئی۔ کھاد کی قیمت بڑھائی گئی ہے۔ جناب سپیکر! ان کے اثرات صرف ان اشیاء پر نہیں ہوں گے بلکہ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ ان کا ایکmultiplier effect ہو گا جو کہ پورے ملک میں مہنگائی کو جنم دے گا۔ جو پہلے ہی ناقابل برداشت مہنگائی ہے وہ آسمان کو چھوئے گی۔ اور اس سے hit کون سا طبقہ ہو گا؟ اس سے hit غریب طبقہ ہو گا۔ اس سے hit متوسط طبقہ ہو گا جن کے ووٹوں سے منتخب ہو کر ہم اس ایوان میں آئے ہیں۔ جناب سپیکر! جو device of taxation مرکزی حکومت نے adopt کی ہے وہ indirect device of taxation کی گئی ہے۔ indirect taxation کو direct taxation پر ترجیح دی گئی ہے۔ ہم اپنے ملک میں 20 فی صد ریونیو direct taxation سے اکٹھا کرتے ہیں اور زیادہ تعداد میں ریونیو ہم indirect taxation سے اکٹھا کرتے ہیں۔ اور اس کے اثرات صرف اسی طبقے پر نہیں پڑتے جو طبقہ مالی طور پر مضبوط ہے بلکہ اس کے اثرات اسی محروم اور محکوم طبقے پر پڑتے ہیں جس کو بچانے کی خاطر ہم اس ایوان میں آئے ہیں۔ جناب سپیکر! مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ اس اقدام سے نہ صرف یہ کہ مرکزی حکومت نے مہنگائی کی طرف قدم اٹھایا ہے نہ صرف اپنے inflation target کو defeat کیا ہے بلکہ حقیقت میں ایک منی بجٹ پیش کیا ہے۔ جناب سپیکر! میں اسے منی بجٹ کیوں کہتا ہوں؟ میں اس کو منی بجٹ اس لیے کہتا ہوں کہ جب 30 جون کو ملک کا بجٹ پیش کیا گیا اور جو اعداد و شمار ہمارے سامنے رکھے گئے تو ہم نے اس وقت بھی برملا اظہار کیا کہ ان میں مطابقت نہیں ہے اور سال کے آخر میں یہ تضاد کھل کر سامنے آئے گا۔ ہماری قوم کو اور پاکستان کی عوام کو ایک منی بجٹ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس وقت یہ بانگ دہل کہا کہ نہیں کسی قسم کے ٹیکس میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ کسی قسم کا منی بجٹ پیش نہیں کیا جائے گا۔ جناب سپیکر! جو بجٹ ہماری قومی اسمبلی نے پاس کیا اس میں tax revenue mobilization 10.06 ارب کی تھی اور اس ایک اقدام سے ہم نے جو resource mobilization یعنی مرکزی حکومت نے جو

resource mobilization کی کوشش کی ہے وہ ہے 9.8 بلین کی۔ اگر پورے سال کا اس کا stand دیکھا جائے۔ جناب سپیکر! 10 ارب روپے کے ٹیکس تو آپ اسمبلی میں لے جاتے ہیں اور ایک ایک آئیٹم پر بحث ہوتی ہے۔ کٹ موشنز پیش کی جاتی ہیں اور پھر بڑی جستجو کے ساتھ اسے پاس کروایا جاتا ہے۔ اور یہ اتنا بڑا اقدام اتنی بڑی ٹیکسیشن emergent step جو لیا گیا ہے 9 ارب روپے سے بھی زیادہ کے ٹیکس لگائے گئے ہیں اس کا اسمبلی میں ذکر ہی نہیں۔ قومی اسمبلی کا اجلاس ہو رہا ہے۔ سینیٹ کا بھی اجلاس ہو رہا ہے لیکن اس کو قومی اسمبلی میں پیش کرنا بھی گوارا نہیں کیا گیا کیا وجہ ہے؟ اس لیے کہ اگر قومی اسمبلی میں یہ بات جائے گی۔ اس لیے کہ اگر سینیٹ میں یہ بات جائے گی تو پھر پول کھلیں گے۔ پھر راز فاش ہوں گے اور پھر mismanagement of economy کی بات کی جائے گی۔ جناب سپیکر! میں اعتراف کرتا ہوں کہ میرے فاضل دوست اپوزیشن بنچوں سے یہ کہتے ہیں کہ آئی۔ایم۔ ایف کی conditions ہیں ورلڈ بنک کی مجبوریاں ہیں۔ ہم اعتراف کرتے ہیں جو معاہدہ ہوا اس کا بھی ہم اعتراف کرتے ہیں لیکن جتنا جتنا قصور جہاں جہاں ٹھہرتا ہے اتنا قصور وار ٹھہرائیے۔ آئی۔ایم۔ایف کی nationalities اپنی جگہ بجا' ورلڈ بنک کا دباؤ بھی اپنی جگہ بجا لیکن جناب سپیکر! یہ جو اقدام ہے یہ mismanagement of economy کی وجہ سے ہے اور میں اس کی مثال آپ کے سامنے رکھوں گا۔ جناب سپیکر! دوسری چیز جو میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ بجٹ کے پیش ہونے میں نئے مالی سال کے شروع ہونے میں صرف 70 دن باقی رہ گئے ہیں۔ بھئی مان لیا آئی۔ایم۔ایف کی conditionalities آپ کے سامنے پچھلے سال بھی آپ کے سامنے تھیں اور اب بھی آپ کے سامنے ہیں۔ اتنی عجلت کیا ہے؟ اتنی گھبراہٹ کیا تھی کہ آپ صرف دو مہینے انتظار نہیں کر پائے۔ جناب سپیکر! جب اس قسم کے اقدامات ہوتے ہیں unforeseen expenditure جو بڑھ جاتے ہیں اور unforeseen جو بوجھ پڑتا ہے اور ان اقدامات کا بوجھ نہ صرف عوام الناس پر پڑے گا بلکہ صوبائی حکومتوں پر بھی پڑے گا نہ صرف یہ کہ صوبائی حکومتوں پر پڑے گا بلکہ بلدیاتی اداروں پر بھی پڑے گا۔ اس لیے میں یہ عرض کروں گا کہ یہ mismanagement ہے یہ کوئی اچھی منصوبہ بندی نہیں ہے جناب سپیکر! میں یہاں پر یہ بھی کہوں گا کہ اس کے لیے وقت کا تعین مناسب نہیں تھا اور جس طرح سے یہ کیا گیا جس چور دروازے سے کیا گیا وہ مناسب نہیں تھا۔

جناب سپیکر! اب دیکھنا یہ ہے کہ ان اقدامات کا بوجھ کس پر پڑے گا۔ وہ کاشت کار جس نے اس ملک کی economy کو سہارا دے رکھا ہے۔ وہ کاشت کار جو پاکستان کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ وہ طبقہ جو اس ملک کی 72 فی صد آبادی ہے۔ جناب والا! اگر آپ further غور کیجیے تو بڑا کاشت کار کتنے فی صد اور چھوٹا کاشت کار کتنے فی صد ہے۔ اس کے اثرات ان پر پڑیں گے۔ جناب والا! کھاد کی قیمت بڑھائی گئی یہ پہلی مرتبہ کاشت کار کی پیٹھ میں خنجر نہیں گھونپا گیا۔ اس مالی سال میں اگست 1989ء میں کھاد کی قیمتیں بڑھائی گئیں۔ یہ دوسری مرتبہ ہے کہ کھاد کی قیمت بڑھائی جا رہی ہے اور جناب والا! ستم ظریفی یہ ہے کہ جو کھاد کی قیمت بڑھائی جاتی ہے۔ جو سرکاری قیمت دی جاتی ہے کاشت کار کو اس قیمت پر کھاد نہیں ملتی-/132 ' -/137 روپے فی بوری یوریا کی قیمت ہے لیکن میرے صوبے کا میرے ملک کا کاشت کار -/170 روپے کی بوری خریدتا رہا ہے۔ جناب والا!-/203 روپے کی ڈی اے پی کی بوری ہے لیکن میرے صوبے کا کاشت کار -/225 روپے کی ڈی اے پی کی بوری خریدتا رہا ہے۔ جو قیمتیں بڑھتی ہیں اس پر بھی ہمیں کھاد نہیں ملتی۔ اور پھر کہتے ہیں اور پھر چلاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بغاوت ہے۔ جناب والا! کاشت کار نے کبھی بغاوت نہیں کی۔ لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ اپنے حقوق کے دفاع کے لیے ہمیں کھڑا ہونا ہو گا ہمیں اس کے لیے آواز بلند کرنی ہو گی۔ جناب والا! کھاد کے ساتھ ساتھ ڈیزل کی قیمت بڑھائی گئی۔ کھاد کے ساتھ ساتھ لائٹ ڈیزل آئل کی قیمت بڑھائی گئی ۔اور جب لائٹ ڈیزل آئل کی قیمت بڑھتی ہے تو پھر ٹیوب ویل اور پانی جو ہماری زراعت کا بنیادی in put ہے اس کی قیمت بڑھتی ہے۔ جناب والا! میں اس ایوان کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس وقت پنجاب میں 2,35000 ٹیوب ویل چل رہے ہیں اور ان دو لاکھ پینتیس ہزار ٹیوب ویلوں میں سے ایک 1,61,000 ٹیوب ویل ایسے ہیں جو ڈیزل سے چلتے ہیں۔ جب ان کی قیمت بڑھائی جائے گی تو کیا اثرات پڑیں گے؟ حکومت پنجاب کی پالیسی ہے کہ چھوٹے کاشت کار کو ڈیزل ٹیوب ویل کی insulation کے لیے subsidy دی جائے۔ اور ہم اٹھارہ سے بیس ہزار روپے کی subsidy دیتے ہیں۔ اور مرکزی حکومت کی پالیسی ہے کہ لائٹ ڈیزل آئل کی قیمت بڑھائی جائے اور چھوٹے کاشت کار کی کمر کو مزید جھکایا جائے۔ جناب والا! بجلی کے بل بڑھائے گئے۔ اس سے کیا نتیجہ نکلے گا۔ cost of production بڑھے گی agriculture کی cost of production بڑھے گی۔ Agriculture کا

margen of profit کم ہو گا۔ اور بے آواز کاشت کار دبتا چلا جائے گا اور سسک سسک کر مرے گا۔ اور صحیح کہا تھا وزیر اعلیٰ نے کہ سسک سسک کر مارا جا رہا ہے۔ جناب والا! گزارش یہ ہے کہ پچھلے سال کی ہماری economy کو دیکھیے کہ پچھلے سال ہم نے اپنی Industrial production میں کیا حاصل کیا ہم نے اپنی heavy اور light production target achieve کیے کہ نہیں کیے۔ آپ دیکھیے کہ ہماری انڈسٹریل پروڈکشن کے ٹارگٹ جو ہم نے نیشنل اکانومی کونسل کی میٹنگ میں دیے تھے وہ پورے نہیں ہوئے۔ growth rate of economy کو کس نے maintain کیا۔ growth rate of economy کو اگر maintain کیا تو آپ کے کاشت کار نے maintain کیا۔ کپاس کی فصل بڑھا کر گندم کی فصل کو بڑھا کر maintain کیا۔ گنے کی پیداوار بڑھا کر maintain کیا۔ اور اب کاری ضرب لگی ہے تو کس پر لگی ہے اس کاشت کار پر لگی ہے۔ جناب والا! کاشت کار کے ساتھ ساتھ پبلک ٹرانسپورٹ کا کیا حال ہو گا۔ سپیئر پارٹس مہنگے ہو گئے۔ ڈیزل مہنگا ہو گیا۔ اور پبلک ٹرانسپورٹ کون سی ہے جس کا کرایہ بڑھے گا۔ بسوں کا، ویگنوں کا، ان پر کون چڑھتے ہیں۔ ان پر وہ چھوٹا طبقہ چڑھتا ہے۔ ان کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے۔ جناب والا! گزارش یہ ہے کہ جب آپ قیمتیں بڑھاتے ہیں تو انڈسٹریل سیکٹر ہے وہ اپنے cost of production میں اس کو شامل کر کے اس کا بوجھ consumer پر ڈال دیتا ہے۔ لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ میں حزب اختلاف سے پوچھتا ہوں کہ جب انڈسٹریل سیکٹر اس burdon کو consumer کی طرف منتقل کرے گا تو تنخواہ دار طبقہ اپنا بوجھ کس کی طرف منتقل کرے گا۔ جب یہ بوجھ عام آدمی کی طرف منتقل ہو گا تو وہ پینشنر جو ہے وہ اپنا بوجھ کس کی طرف منتقل کرے گا۔

جناب والا! وہ اپنا بوجھ کہیں بھی منتقل نہیں کر سکتا۔ جناب والا! اب میں بات کرنا چاہتا ہوں کہ میرے ایک دوست نے کہا کہ آئی ایم ایف کے دباؤ کے تحت ہم نے یہ کیا۔ ہم نے اپنے بجٹ کے خسارے کو کم کرنا ہے، میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ ہمارا بجٹ خسارے میں ہے اور اگر ان کی یہ پالیسی ہے تو ہم ان کی اس پالیسی کو سراہتے ہیں۔ اچھی پالیسی ہے اور پاکستان کے مفاد میں ہے۔ لیکن جناب والا! جب ہم نے اپنے ٹارگٹ لیے اور ہم نے کہا کہ ہم خسارے کی سرمایہ کاری نہیں کریں گے اور اس سال 1989-90ء میں صرف bank borrowing صرف چار ارب روپے کی کریں گے۔ لیکن حقیقت کیا ہے اس ایوان کو پتا ہونا چاہیے۔ ریکارڈ پر یہ بات آنی چاہیے کہ ان کے اعداد و شمار

اور ان کے کاغذات کہتے ہیں کہ چار ارب روپے کی خسارے کی سرمایہ کاری ہوگی۔ لیکن بنکوں کی پہلے ششماہی کی رپورٹ کہتی ہے کہ یہ ساڑھے چھ ارب روپے کی خسارے کی سرمایہ کاری پہلے یہ کر چکے ہیں اور اگلے چھ مہینے ابھی باقی ہیں تو اس سے ان کی باتوں میں تضاد ہے۔ اور میں آپ کو عرض کروں کہ آئی ایم ایف کو قصور وار ضرور ٹھہرائیے لیکن الزام کو منتقل مت کیجیے۔ اگر آپ اپنے بجٹ کو subsidy کریں تو حکومت پاکستان کے جو اخراجات کے ہدف تھے جناب والا! یہ ان سے over shoot کر گئے ہیں۔ اپنے اخراجات کو کنٹرول نہیں کر سکے۔ اور نہ صرف اپنے اخراجات کے ہدف کو over shoot کر گئے ہیں بلکہ جو ریونیو ٹارگٹس تھے جو انہوں نے revenue collect کرنا تھا جو resource mobilization کرنی تھی اس کو بھی achieve کرنے میں کامیاب نہیں رہے۔ تو جناب والا! ایک طرف سے اخراجات کنٹرول نہ ہوں دوسری طرف سے management of revenue صحیح نہ ہو تو پھر مہنگا کیوں نہ ہو پھر یہ emergent step کیوں نہ لیے جائیں۔ یقیناً یہ steps لیے جائیں گے۔

جناب چیئرمین، نماز کے وقفے کا وقت ہو گیا ہے۔

وزیر منصوبہ بندی (مخدوم زادہ شاہ محمود حسین قریشی)، جناب والا! میں ایک منٹ میں ختم کرتا ہوں۔ جناب والا! گزارش یہ ہے کہ کیا ہم اسے کنٹرول کر سکتے تھے جی ہاں ہم اس سے اپنا بچاؤ کر سکتے تھے۔ کس طرح کر سکتے تھے۔ اگر ہم اپنے جو اخراجات ہیں ان کو کنٹرول کرتے۔ اگر ہم غیر ضروری اخراجات کو slash کرتے۔ اگر ہم horse trading میں مبتلا نہ ہوتے اگر ہم اپنی انٹرنیشنل مارکیٹ کی جو چیزیں خریدتے ہیں defence hard wave دیتے ہیں electrical power houses ان کو بین الاقوامی competitive rates پہ دیتے تو جناب والا! ہمیں یہ بوجھ برداشت نہ کرنا پڑتا۔ اور جناب والا! آخری بات کہتا چلوں کہ میرے فاضل دوست نے کہا کہ پراونشل گورنمنٹ بے دریغ خرچ کرتی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ باندھ دیجیے پراونشل گورنمنٹ کو اور تب ہی تو ہم کہتے ہیں اور بارہا کہتے ہیں کہ نیشنل فنانس کمیشن کو constitute کیجیے اور نیشنل فنانس کمیشن کا ایوارڈ دیجئے تا کہ پراونشل گورنمنٹ بندھ جائیں اور ہمیں پتا ہو کہ ہماری چادر کتنی ہے اور ہم نے اور کتنا پاؤں پھیلانا ہے۔ جب ہم وہ بات کرتے ہیں وہ جواب نہیں ملتا۔ جب ہم سی سی آئی کی بات کرتے ہیں تو وہاں سے جواب نہیں ملتا۔ جب ہمارے کاشت کار کی کمر توڑی جاتی ہے تو ہم احتجاج کرتے ہیں تو پھر بغاوت کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ جناب والا! اگر

ہمیں وہ عوام کے حقوق کی خاطر آواز بلند کرنے کو بغاوت کہتے ہیں تو پھر ہم اب بغاوت کے لیے تیار ہیں۔ شکریہ۔ (نعرہ ہائے تحسین)

جناب چیئرمین، دس منٹ کے لیے وقفہ نماز ہوتا ہے اس کے بعد اجلاس دوبارہ شروع ہو گا۔ (اور 4-50 بجے وقفہ نماز عصر ہو گیا)۔

(نماز عصر کے وقفے کے بعد جناب چیئرمین کرسئ صدارت پر تشریف فرما ہوئے)

چودھری علی اکبر مظہر وینس، جناب سپیکر! میں آپ کی توجہ ایک بہت اہم مسئلے کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ آپ نے پچھلے سے پچھلے اجلاس میں اریگیشن پر ایک کمیٹی بنائی تھی۔ آپ نے وہ کمیٹی اریگیشن کے مسائل، نہروں کے مسائل اور ٹیلز کے پورا نہ ہونے کے مسئلے پر، اور موگھے کے مسائل اور ٹیوب ویل کی زمینوں پر ڈبل آبیانے کے مسائل کے حل کے لیے تشکیل دی تھی۔ اس کمیٹی کا ایک اجلاس ہوا تھا جس میں طے پایا تھا کہ محکمے والے کمیٹی کی سفارشات کے مطابق ایک ماہ کے اندر اندر اپنی رپورٹ تیار کر کے پیش کریں گے۔ لیکن ہماری کمیٹی کی میٹنگ کی روداد ہمیں بھیج دی گئی ہے۔ لیکن جو ہم نے سفارشات کی تھیں۔ ان پر رپورٹ نہیں دی۔ ہم نے کہا تھا کہ ایک منصوبہ بنا دیں۔ ان نہروں کا جن کی ٹیلیں پوری نہیں ہوتیں اور دوسرے موگھوں کے منصوبہ جات، جن سے تمام لوگوں کو برابر اور صحیح پانی مل سکے۔ آپ یہ سکیم بنا کر ہمیں دیں۔ اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک ماہ کے اندر اندر ہمیں پیش کر دیں گے۔ آج تک اس کا کوئی حساب نہیں۔ کسی نے پیش نہیں کی۔ حاجی صاحب بھی میرے ساتھ ممبر تھے۔ جناب والا! میں نے پچھلی مرتبہ بھی آپ کو یاد دلایا تھا۔ وزیر آب پاشی سے کہا جائے کہ وہ اپنے محکمے کو حکم دیں کہ جو منصوبہ انہوں نے ہمیں بنا کر دینا تھا اور جس پر عمل درآمد ہوتا اور لوگوں کا کچھ فائدہ ہوتا اور ہم اس پر عمل درآمد کرانے کی کوئی صورت نکالتے۔ پتا نہیں اس پر کیوں لیت ولعل سے کام لے رہے ہیں اور کیوں اس کو سرد خانے میں ڈال کر رکھ دیا ہے؟ جناب والا! یہ آپ انہیں ضرور ہدایت فرمائیں تا کہ وہ جلد سے جلد رپورٹ پیش کریں۔ پہلے ہی ان کے وعدے سے دو ماہ اوپر ہو گئے ہیں۔

جناب سپیکر، یہ کوئی ہاؤس کمیٹی بنی تھی؟

چودھری علی اکبر مظہر وینس، جناب نے اریگیشن پر ایک سپیشل کمیٹی بنائی تھی۔ حاجی محمد افضل

جن کا ایک سوال تھا کہ جہاں موگھوں پر ٹیوب ویل لگے ہیں ان سے ذبل آبیانہ وصول کیا جاتا ہے۔

جناب سپیکر، اس کمیٹی کے کنوینر کون ہیں؟

چودھری علی اکبر مظہر وینس، کنوینر ڈار صاحب تھے۔

جناب سپیکر، سردار صاحب اس بارے میں ان کی رپورٹ تو ہاؤس میں آنی چاہیے۔ ہاؤس میں سپیشل کمیٹی بنی تھی۔ تو رپورٹ آنی چاہیے تھی۔

چودھری علی اکبر مظہر وینس، جناب والا! وہ رپورٹ نہیں آئی۔

جناب سپیکر، میں اپنے سیکرٹریٹ سے یہ کہوں گا کہ وہ ڈار صاحب سے رابطہ کریں اور ان سے اس سلسلے میں رپورٹ حاصل کریں۔ تو پھر اگلے اجلاس میں انشاء اللہ اس کو لیں گے۔

اراکین اسمبلی کی رخصت

جناب سپیکر، اب اراکین کی رخصت کی درخواستیں لی جائیں گی۔

جناب سلمان تاثیر

سیکرٹری اسمبلی۔ مندرجہ ذیل درخواست جناب سلمان تاثیر رکن، صوبائی اسمبلی کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔

> نہایت ادب سے گزارش ہے کہ میں بوجہ طبیعت ناسازی مورخہ 14-2-90 اور 26-2-90 اجلاس میں حاضر نہ ہو سکا براہ مہربانی ان ایام کی رخصت منظور فرمائی جائے۔ عین نوازش ہو گی۔

جناب سپیکر، اب سوال یہ ہے،

"کہ مطلوبہ رخصت منظور کر دی جائے۔"

(تحریک منظور کی گئی)

جناب سردار شوکت حسین مزاری

سیکرٹری اسمبلی۔ مندرجہ ذیل درخواست جناب سردار شوکت حسین مزاری رکن، صوبائی اسمبلی کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔

میں مورخہ 90-2-17 & 90-2-14 to 7,11 کو ذاتی وجہ کی بناء پر حاضر نہ ہو سکا براہ مہربانی ان ایام کی رخصت منظور فرمائی جائے۔

جناب سپیکر، اب سوال یہ ہے،

"کہ مطلوبہ رخصت منظور کر دی جائے۔"

(تحریک منظور کی گئی)

جناب سید ناظم حسین شاہ

سیکرٹری اسمبلی۔ مندرجہ ذیل درخواست جناب سید ناظم حسین شاہ رکن، صوبائی اسمبلی کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔

گزارش ہے کہ بندہ 7 فروری تا22 فروری بوجہ طبیعت ناساز اجلاس میں حاضر نہ ہو سکا۔ لہٰذا مہربانی فرما کر 7 فروری تا 22 فروری تک کی چھٹی منظور فرمائی جائے۔

جناب سپیکر، اب سوال یہ ہے،

"کہ مطلوبہ رخصت منظور کر دی جائے۔"

(تحریک منظور کی گئی)

مولانا منظور احمد چنیوٹی

سیکرٹری اسمبلی۔ مندرجہ ذیل درخواست مولانا منظور احمد چنیوٹی رکن، صوبائی اسمبلی کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔

مورخہ 26 فروری کو بندہ چیف منسٹر کے حکم پر جھنگ چلا گیا تھا جس کی وجہ سے اجلاس کے آخری دن حاضر نہ ہو سکا۔ لہٰذا براہ کرم آخری ایک یوم کی رخصت منظور فرمائی جاوے۔

جناب سپیکر، اب سوال یہ ہے،

"کہ مطلوبہ رخصت منظور کر دی جائے۔"

(تحریک منظور کی گئی)

میاں منظور احمد موہل

سیکرٹری اسمبلی:۔ مندرجہ ذیل درخواست میاں منظور احمد موہل رکن، صوبائی اسمبلی کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔

میں بوجہ بخار اجلاس مورخہ 25-02-90 میں شامل نہ ہو سکا۔ لہذا خرابی صحت کی بناء پر مجھے ایک روز کی رخصت عطا فرمائی جائے۔ مہربانی ہو گی۔

جناب سپیکر: اب سوال یہ ہے:

"کہ مطلوبہ رخصت منظور کر دی جائے۔"

(تحریک منظور کی گئی)

محترمہ باجی نصرت شاہین

سیکرٹری اسمبلی:۔ مندرجہ ذیل درخواست محترمہ باجی نصرت شاہین رکن، صوبائی اسمبلی کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔

میرے شوہر مسٹر عبدالرشید سخت علیل ہیں۔ ان کے علاج کے لیے میں بیرون ملک جا رہی ہوں۔ اس لیے یکم اپریل 90ء سے اس سیشن میں شریک نہ ہو سکوں گی۔ براہ کرم میری چھٹی منظور کی جائے۔ ممنون ہوں گی۔

جناب سپیکر: اب سوال یہ ہے

"کہ مطلوبہ رخصت منظور کر دی جائے۔"

(تحریک منظور کی گئی)

جناب عبداللطیف شاہ

سیکرٹری اسمبلی:۔ مندرجہ ذیل درخواست جناب عبداللطیف شاہ رکن، صوبائی اسمبلی کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔

Respectfully submit that I could not attend the Assembly Session on 25th to 26th Feb, 1990 due to a road accident.

Kindly leave may be granted for above said dates.

Thanking you.

جناب سپیکر، اب سوال یہ ہے،

"کہ مطلوبہ رخصت منظور کر دی جائے۔"

(تحریک منظور کی گئی)

سید علی اکبر محمود

سیکرٹری اسمبلی،۔ مندرجہ ذیل درخواست سید علی اکبر محمود رکن، صوبائی اسمبلی کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔

I could not attend the last Session of the Assembly. Similarly, I am unable to attend the current session of the Punjab Assembly commencing from 31st March, 1990 due to personal reason. I request for leave of absence for the two sessions.

Thanking you.

جناب سپیکر، اب سوال یہ ہے،

"کہ مطلوبہ رخصت منظور کر دی جائے۔"

(تحریک منظور کی گئی)

جناب عبدالقادر شاہین

سیکرٹری اسمبلی،۔ مندرجہ ذیل درخواست جناب عبدالقادر شاہین رکن، صوبائی اسمبلی کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔

مؤدبانہ گزارش ہے کہ بندہ بیماری کی وجہ سے 31-3-90 سے شروع ہونے والے اجلاس میں حاضری سے قاصر ہے۔ میری پورے اجلاس کی چھٹی منظور فرمائی جاوے۔

جناب سپیکر، اب سوال یہ ہے،

"کہ مطلوبہ رخصت منظور کر دی جائے۔"

(تحریک منظور کی گئی)

ڈیزل، کھاد، پٹرول اور مٹی کے تیل کی قیمتوں میں اضافہ کے بارے میں

تحریک التوائے کار پر بحث (۔۔۔۔جاری)

جناب سپیکر، میرے پاس اب کافی نام باقی ہیں۔ جو آج کی تحریک التوائے کار میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔ وقت کی پوزیشن یہ ہے۔

نوابزادہ غضنفر علی گل، آپ شروع کرائیں جب ہم سمجھیں گے تو اس کو ختم کر دیں گے۔

جناب سپیکر، ہم اس کو پونے چھ بجے تک چلاتے ہیں۔ تو وصی ظفر صاحب۔

چودھری محمد وصی ظفر، جناب سپیکر! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے موقع فراہم کیا۔ جناب والا! یہ جو قیمتیں بڑھی ہیں ان کو کسی طریقے سے بھی مہنگائی سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ اس سے پہلے آج تک تمام ملک interim بنیادوں پر چل رہا تھا۔ جناب آئی ایم ایف سے قرضے اور ورلڈ بنک سے قرضے اور نوٹ چھاپ چھاپ کر افراط زر پیدا کر کے پورا ملکی نظام چلایا جا رہا تھا۔ جناب والا! مجھے یہ سمجھایا جائے کہ کسی بھی اکنامکس کے تحت آیا اس ملک کے عوام کو بتانا نہیں کہ انہوں نے اپنے پاؤں پر کس طرح کھڑا ہونا ہے۔ آیا ان کو اصل حقیقت حال سے آگاہ ہی نہیں کرنا ہے۔ آیا باہر سے قرضے لے لے کر سبسڈیز دیتے رہنا ہے۔ اور آنے والے بچوں کو بھی مقروض سے مقروض تر کرتے جانا ہے۔ جناب والا! اصل حقائق پر کیوں نہیں آیا جاتا۔ پہلی حکومتوں کی بنیاد نہیں تھی وہ یہ اقدامات نہیں کر سکتیں تھی ان کو تختہ الٹ جانے کا خطرہ تھا۔ اس حکومت کو اس قسم کا خطرہ نہیں ان کی بنیادیں عوام میں ہیں اور عوام اس بات کو سمجھتے ہیں۔ جناب والا! یہ مہنگائی نہیں ہوئی ہے جو عوام کو اصل حقیقت حال سے دو چار کیا جا رہا ہے کہ تم سے پہلے جو تمہارے آقا بنے ہوئے تھے۔ اور جو وہ اربوں روپیہ ملک سے باہر لے گئے اور جن کے نام جنرلز آف دی ورلڈ میں آئے۔ اور جن کے بنک بیلنس باہر کے بنکوں میں ہیں انہوں نے ملک کی بنیادیں ہلائیں میں یہ کسی مخالفت کی وجہ سے نہیں کہہ رہا بلکہ میں حقائق کی بات کر رہا ہوں۔ اب اس زنگ کو دور نہیں کرنا ہے۔ آیا اس کا مطلب یہ ہے کہ

یا تو ہم نوٹ چھاپ کر افراط زر کو بہت زیادہ کر دیں یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم مزید قرضے لے کر قوم پر قرضوں کا بوجھ بڑھاتے رہیں۔ جناب والا! کسان کو زیادہ قیمت دینی پڑتی ہے تو کسان کو کیوں نہ محنت زیادہ ڈالی جائے اور اس کو صحیح بات بتائی جائے کہ ہمارے ملک کی کھوکھلی حالت پہلے حکم ران کر کے جا چکے ہیں ان کو پورا کرنے کے لیے اپنے پاؤں پرہمیں کھڑا ہونا ہوگا۔ ہمیں قرضوں پر انحصار کم سے کم کرنا ہو گا۔ جناب والا! ایک اور آسان طریقہ تھا کہ اسی نو ارب روپے کے نوٹ چھاپ دیے جاتے اور افراط زر کو21% پر قائم کر دیا جاتا جناب والا! اگر اس ایوان میں کسی میں بھی ہمت ہے وہ اس کا جواب دے کہ اس حکومت آنے سے پہلے افراط زر کی شرح 21% تھا اب 7% ہے یا نہیں۔ مہنگائی کا ریٹ 28% تھا اب 4% ہے کہ نہیں ہمیں یہ بتایا جائے کہ مہنگائی کم ہوئی ہے یا اس میں اضافہ ہوا۔ جناب والا! پہلے ایک روپے کے پیچھے ہر سال 28 پیسے ہر چیز کی قیمت بڑھتی تھی اب ایک روپے کے پیچھے 4 پیسے بڑھتی ہے۔24 پیسے مہنگائی کم ہوئی ہے۔ جناب والا! مجھے یہ بتایا جائے اور مجھے یہ کہتے ہوئے کوئی شرم نہیں کہ پنجاب کے حکم ران ہیں کہ دنیا کی سب سے بڑی ڈیری سعودی عربیہ میں کس پیسے سے لگائی ہے۔ وہ foreign exchange کہاں سے آیا۔ جناب والا! آپ کے منسٹر لوکل باڈیز نے آسٹریلیا میں بہت بڑا ایگریکلچر فارم اور شیپ فارم کہاں سے قائم کیا وہ foreign exchange کہاں سے آیا۔ یہ تو وہ ہے جس کا سب کو پتا ہے۔ جو زبان زد عام پہ ہے۔ جو کسی سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ اور جو مختلف خاندانوں کے خفیہ اثاثے ملک سے باہر ہیں۔ وہ کہاں سے آئے ہیں۔ جناب والا! تین ارب روپے کا 3% کی شرح پر قرضہ آیا ہے۔ وہ کدھر استعمال ہوا ہے۔ وہ تمام کا تمام ملک سے باہر چلا گیا۔ جناب والا! جب اس طرح کی صورت حال پہلے پیدا کی گئی تو اب اس کو روکنا بھی ہے۔ اب اس کا سدباب بھی تو کرنا ہے اب اس کا تدارک بھی تو کرنا ہے۔ جناب والا! ادھر بات ہوئی ادھر کھاد بلیک ہوئی مارشل لاء دور میں مخصوص طبقہ کو ایجنسیاں دی گئیں۔ اور کھاد کی تقسیم کا جو نظام ہے وہ مرکزی حکومت کے پاس نہیں وہ ایجنسی ہولڈر کے پاس ہے۔ تناسب کے لحاظ سے پنجاب کو بھی دے دیتے ہیں سندھ کو بھی دے دیتے ہیں۔ انہوں نے آگے تقسیم کرنا ہوتا ہے انہوں نے ہی ہورڈنگ کرنا ہوتی ہے۔ نیتاً یہ اس مد کا حصہ تھا کہ مرکزی حکومت کو کمزور کیا جائے۔ اس کی ہورڈنگ کر کے بلیک مارکیٹنگ کی جناب اگر کسان نے اس وقت بلیک مارکیٹرز سے لے کر برا نہیں منایا جو کہ مخصوص

مقاصد کے لیے کروائی گئی اب بھی کسان برا نہیں مناتا یہ تو جناب ان لوگوں کو زیادہ فکر ہے جن کا خیال ہے کہ انہوں نے تو افراط زر پر قابو پا لیا یہ تو مہنگائی کنٹرول کر گئے ان کا تحاسب کم ہو گیا ان کو مجبور کیا جائے یہ وہ اقدامات کریں کہ افراط زر بھی بڑھے اور مہنگائی کا تحاسب بھی بڑھے۔ یہ ان اقدامات پر خوش ہوتی ہیں کہ ان کے پاس قرضے آئیں یہ ایک کروڑ روپیہ خرچ کریں اور قرضہ دس کروڑ لیں اور باقی نو کروڑ باہر لے جائیں۔ اور یہاں پر افراط زر بڑھے یہ اس پر خوش ہوتے ہیں۔ اس پر غریب کیا معاشی حالت پر کوئی زد نہیں پڑی جتنے وہ اخراجات کرے گا اتنی اس کو آمدن بھی ہو گی اکنامکس کے اصولوں کے تحت یہ مہنگائی میں اضافہ نہیں ہے۔ اور فاضل وزیر صاحب نے ایک عجیب بات کی جو پی اینڈ ڈی کے وزیر تھے۔ وہ میری سمجھ سے باہر رہے۔ جناب والا! ذاتی اقدامات کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے سے افراط زر بڑھے گی یا گھٹے گی افراط زر تو تب بڑھتی جب ہم قرضے لے کر آتے اور دیتے افراط زر تب بڑھتی جب ہم نوٹ نو ارب روپے کے چھاپ دیتے اور لوگوں کو دھوکہ دیتے غریب عوام کو دھوکہ دیتے اور ان کو کبھی بھی اصل حقائق سے آگاہ نہ کرتے ان کو بتاتے ہی نہ جناب والا! کون نہیں جانتا کہ جب مرکز میں پیپلز پارٹی کو حکومت دی گئی تو خزانے کا کیا عالم تھا۔ اور سابق حکم ران آئی ایم ایف کی کیا کیا شرائط مسلط کر گئے تھے۔ جناب والا! اقتدار منتقل کرنے سے جو وزیر صاحب نے اتفاق کیا انہوں نے کہا کہ ہم مانتے ہیں کہ ہم نے آئی ایم ایف کے معاہدوں پر دستخط کیے ہیں۔ وہ کس تکلیف کے تحت کیے جبکہ ایک ماہ سے حکومت کی منتقلی میں بھی کم عرصہ رہتا تھا کیونکہ انہوں نے یہ طے کیا تھا کہ ہم ایسے معاہدے کر جائیں ان کو نظر آ رہا تھا کہ یہ حکومت تو پیپلز پارٹی کے پاس جا رہی ہے۔ انہوں نے یہ کیا کہ ہم ایسے اقدامات کر جائیں کہ یہ اپنی موت اکنامک وائز خود مریں یہ تو پیپلز پارٹی کی حکومت کو کریڈٹ جاتا ہے۔ ان کو اتنا بڑا کریڈٹ جاتا ہے کہ ان تمام مراحل کو اس تدبر حوصلے اور اتنی تدابیر کے ساتھ انہوں نے نہ صرف روکا بلکہ رد کیا۔ اور آج تک ملکی نظام کو چلا رہے ہیں یہ تمام حقائق کی باتیں ہیں افراط زر اس طرح نہیں بڑھتی کہ کھاد کی قیمت آپ نے اصل کر دی۔ افراط زر اس طرح بڑھے گی کہ کھاد کی قیمت اگر مصنوعی ہو۔ اس سے پہلے کھاد کی قیمت artificial تھی۔ اس سے پہلے تیل کی قیمت artificial تھی۔ قرضوں پر گزارہ تھا۔ تمام دنیا کے ممالک اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرتے ہیں ہمارے چند مخصوص حکم ران ہیں جو کہتے ہیں کہ نہیں۔ ہمیں قرضوں پر ہی گزارہ کرنا

چاہیے نہیں ہمیں بغیر وسائل کے نوٹ چھاپ چھاپ کر ہی گزارہ کرنا چاہیے۔ وہ اپنے مخصوص مقاصد کے لیے بنیادی ڈھانچہ قائم ہی نہیں ہونے دینا چاہیے۔ تو جناب والا! میری اصل گزارش یہی تھی کہ اس میں نہ کسی کسان کو نہ کسی مزارعے کو۔ جتنا کسی کا خرچ ہو گا اتنا اسے ریٹرن بھی ہو گا۔ اور میں کہتا ہوں کہ اسے مزید بڑھانا چاہیے اور ہمیں قرضوں کا بوجھ اپنے کندھوں سے یک سر اتار دینا چاہیے۔ جناب والا! آج قرارداد پاکستان کو پچاس سال ہو گئے اور پاکستان بنے ہوئے چالیس سال ہو گئے۔ لیکن ہم نے آج تک اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوئی پیش قدمی ہی نہیں کی۔ غیروں کا سہارا ہی ڈھونڈتے رہے ہیں۔ انہی گزارشات کے ساتھ میں جناب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جناب سپیکر، جناب سردار زادہ ظفر عباس صاحب!

سردار زادہ سید ظفر عباس، شروع کرتا ہوں خدا کے نام سے جو نہایت رحم کرنے والا اور رحیم ہے۔ جناب والا! یہ دوسری تیسری دفعہ ہے کہ بجٹ کے بعد ان چیزوں کی قیمتیں بڑھائی گئی ہیں۔ جن کا ڈائریکٹ تعلق کاشت کار سے ہے۔ جناب والا! پہلے یہاں پر فلیٹ ریٹ تھے۔ ٹیوب ویلز کے فلیٹ ریٹ بجٹ میں نہیں بڑھائے گئے بلکہ بجٹ کے بعد ان کو بڑھایا گیا۔ ایک دفعہ بڑھایا گیا اور اسے 70 روپے سے 84 روپے فی ہارس پاور کر دیا گیا۔ دوسری دفعہ اسے بڑھایا گیا تو اسے 104 روپے فی ہارس پاور کر دیا گیا۔ لیکن بجٹ کے وقت وہ صرف 70 روپے ہی تھا۔ اسی طرح کھاد کی قیمتیں بھی ایک دفعہ بڑھائی گئیں۔ پھر دوسری دفعہ بڑھائی گئیں۔ پھر کھاد کی اتنی کمیابی کر دی گئی کہ وہ کاشت کاروں کو بلیک میں فروخت ہوئی جس کا بوجھ ابھی تک کاشت کار نہیں اتار سکے تھے کہ اب یہاں پر ڈیزل اور کھاد کی قیمتوں کو پھر بڑھا دیا گیا ہے۔ جناب والا! مرکزی حکومت کی کوئی بھی مجبوری ہو۔ مرکزی حکومت اس کے سوا چل ہی نہ سکتی ہو تو اس سے اس بے چارے کاشت کار کو کیا سروکار ہو سکتا ہے جس کو اپنے گھر میں سال بھر محنت کرنے کے باوجود نہ بچوں کے لیے کپڑا میسر آسکتا ہے اور نہ بچوں کے لیے کوئی اور چیز میسر آسکتی ہے۔ نہ اپنے تن پر اسے کپڑا مل سکتا ہے نہ اپنے رہنے کے لیے اسے جگہ مل سکتی ہے۔ تو وہ کاشت کار طبقہ حکومت کی مجبوریوں کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ جناب والا! پہلے ہی زرعی اجناس کی جو سپورٹ پرائز ہیں وہ پاکستان کے ایکسپرٹ، حکومتوں کے ایکسپرٹ، یونیورسٹیوں کے ایکسپرٹ ان کے متعلق متعدد بار کہہ چکے ہیں کہ یہ سپورٹ پرائسز کاشت کاروں کے لیے انتہائی کم ہیں اور

منافع بخش ہونے کی بجائے ان میں کاشت کاروں کو خسارہ ہے۔ لیکن اس کے متعلق کوئی بھی حکومت یہ خیال تک نہیں کر رہی کہ بے چارے کاشت کاروں کا گزر کس طرح ہو رہا ہے۔ کوئی یہ سوچنے کے لیے باور کرنے کے لیے تیار نہیں اور پھر اس کے متعلق میں ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ ایگریکلچر یونیورسٹی فیصل آباد کے ماہر تو یہ کہیں کہ چالیس کلو گندم 125 روپے فی چالیس کلو بنتی ہے۔ لیکن اسے دینے کے لیے حکومت کے پاس کیا ہے۔ کہ اس کی قیمت96 روپے لگا دی گئی ہے۔ بہت تیر مارا ہے۔ گیارہ روپے بڑھائے ہیں۔ لیکن اس وقت تو یہ تصور تک نہیں کرتے کہ وہ inputs جو کاشت کار نے اپنی زمینوں میں ڈالنی ہے ان کے ساتھ ہم نے کیا کر دیا ہے۔ ان کو ہم نے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔ اگر مرکزی حکومت نہیں چل سکتی تھی اور اسے بجٹ کے لیے ضرورت تھی اسے آئی ایم ایف نے مجبور کیا تھا تو اسے ایسی چیزوں کی قیمتوں کو بڑھانا چاہیے تھا جن کا تعلق کارخانہ دار سے ہو نہ کہ ایسی چیزوں کی قیمتیں بڑھا دی جائیں جن کا تعلق ڈائریکٹ کاشت کار سے ہو۔ آج کون سی زمین ہے جو کھاد کے بغیر فصل دیتی ہے؟ ڈیزل کے بغیر ٹریکٹر کیسے چل سکتے ہیں؟ مٹی کے تیل کے بغیر ان بے چارے کاشت کاروں کے گھروں میں روشنی کہاں سے آ سکتی ہے؟ تو یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تعلق ڈائریکٹ کاشت کار سے ہے۔ پھر ان میں یہ چیز ذرا بھی نہیں۔ ہم کئی بار انجمن کاشت کاران کے پلیٹ فارم سے، کئی بار ایوان زراعت کے پلیٹ فارم سے، کئی بار کسان بورڈ کے پلیٹ فارم سے، کئی بار ایوان زراعت کے پلیٹ فارم سے، یہ دعوت دیتے ہیں۔ہم حکومت کی مشینری کو یہ بارہا کہہ چکے ہیں کہ ہماری اجناس کی قیمتیں پیداواری اخراجات کے مطابق کر دیں۔ ہمیں منافع نہ دیں لیکن اتنا تو کر دیں کہ وہ جو کچھ ہمارے اخراجات ہوتے ہیں اس کی ریٹرن تو ہو جائے۔ لیکن کوئی مانتا تک نہیں۔ کوئی سنتا تک نہیں۔ لیکن اب پھر ہماری inputs کی قیمت کو بڑھا دیا گیا ہے۔ کاشت کار کا تعلق پانی سے، کھاد سے اور تیل سے ہوتا ہے۔ یہی تین چیزیں ہیں جو حکومت کاشت کار کو مہیا کرتی ہے اور پھر ان تینوں چیزوں میں آپ دیکھ لیں کہ کہاں ریٹ تھے۔ فلیٹ ریٹ70 روپے کی بجائے104 روپے بغیر کسی بجٹ کی منظوری کے کر دیے گئے اور اسی طرح آپ کھاد کے اور ڈیزل کے ریٹ دیکھ لیں۔ جناب والا! میں حیران ہوں کہ پچھلے دنوں جب مجھے یہ پتا چلا کہ یہاں پر پاکستان میں پٹرول کے ایک بیرل کی قیمت پاکستانی 396 روپے ہوتے ہیں اور پھر یہ پتا چلا کہ ایک بیرل میں220 لٹر ہوتے ہیں تو عالی جاہ! 396 روپے میں فی

بیرل تیل پاکستان خریدتا ہے۔ اور اس میں220 لٹر ہوتے ہیں یعنی180 پیسے فی لٹر تیل (پٹرول) ہماری گورنمنٹ باہر سے خریدتی ہے۔ اور وہ ہمیں پہلے آٹھ روپے میں دیا جاتا تھا اب سمجھ لیں کہ سوا آٹھ، ساڑھے آٹھ یا نو روپے میں دیا جاتا ہے۔ اتنا بڑا بھی ظلم کوئی ہو سکتا ہے کہ ایک روپیہ اسی پیسے میں تو باہر سے لیا جائے اور ہم پاکستانیوں کو وہ نو روپے میں دیا جائے۔ پھر عالی جاہ! ہم کاشت کاروں کے ساتھ یہ ظلم ہو رہا ہے اور ہماری چیزوں کی ساتھ یہ کیا کیا جا رہا ہے؟ جناب والا! ہم سے مونجی جس قیمت میں لی جاتی ہے یعنی کاشت کار کو مونجی کی جو سپورٹ پرائس دی جاتی ہے اس سے دو گنا زیادہ منافع چاول باہر بھیج کر گورنمنٹ کماتی ہے۔ یہ کتنی زیادتی ہے۔ یہی حال کپاس کا ہے۔ ہمیں کپاس کی جو سپورٹ پرائس ملتی ہے۔ پھر عالی جاہ! یہی حال ہماری چینی کا ہے۔ یہی حال ہماری گندم کا ہے۔ کہ ہم سے گندم سپورٹ پرائس پر لیں اور جب ہمیں گندم بیج کے لیے دیتے ہیں تو ہم سے ڈیڑھ گنا پیسے لے لیتے ہیں۔ عالی جاہ! یہ کیا ہو رہا ہے؟ حالانکہ کاشت کار کے متعلق تو کہا جاتا ہے کہ وہ ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہوتا ہے۔ لیکن جو ریڑھ کی ہڈی ہیں تو یہ حکومت ہمارے ساتھ کیا ظلم کر رہی ہے آخر یہ حکومت کیا چاہتی ہے کہ کاشت کار ختم ہو جائیں اور پھر اگر کاشت کار ختم ہو گیا تو پھر یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ حکومت اپنے قدموں پر کھڑی رہ سکے جناب والا! کسی نے ایک بات کی تھی کہ بھئی تم گدھے پر اتنا بوجھ لاد دیتے ہو کہ وہ اٹھا بھی نہیں سکتا اور یہ کتنا ظلم ہے تو اس نے کہا کہ بھئی یہ جو بولتا نہیں تو جناب والا! اگر اسی طریقے سے ہمارے ساتھ سلوک کیا جائے گا تو پھر میں یہ نہیں سمجھتا کہ پاکستان کب تک اپنے قدموں پر کھڑا ہو جائے گا جب تک جناب والا! اس کا کاشت کار خوش حال نہیں ہو گا اس وقت تک پاکستان کبھی بھی خوش حال نہیں ہو سکتا۔ (نعرہ ہائے تحسین)

جناب والا! ابھی ابھی انہوں نے ہمیں بتایا ہے اور ہم کاشت کاروں کو شاید economics کی باتیں نہ سمجھ آ سکیں۔ بہرحال میں ان سے یہ ضرور عرض کروں گا کہ اگر ہماری حکومت کے اخراجات اتنے بڑھ گئے ہیں تو ان کو پورا کرنے کے لیے اور تھوڑی چیزیں ہیں جن پر یہ ٹیکس لگائیں۔ تو ان حالات میں جناب والا! میں ایک چیز آپ سے عرض کروں گا کہ میں نے انجمن کاشت کاران پنجاب کا صدر ہونے کی حیثیت سے پانچ اپریل کی تمام کاشت کاران کو کال دی ہے کہ وہ اسے احتجاج کا دن منائیں تو اس کے لیے میں تمام ایم۔پی۔اے صاحبان جن کا تعلق کاشت کاروں سے ہے ان سے یہ

استدعا کروں گا کہ وہ پانچ اپریل کو پوری طرح سے مکمل احتجاج منائیں تاکہ کاشت کار کے ساتھ جو زیادتی ہو رہی ہے ہم اس کے خلاف احتجاج کر سکیں۔ شکریہ۔

جناب سپیکر، جناب جاوید محمود گھمن صاحب۔

جناب جاوید محمود گھمن: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جناب سپیکر! میں آپ کی وساطت سے چند ایک مختصراً گزارشات کرنا چاہتا ہوں سب سے پہلے تو یہ مسئلہ 1958ء سے شروع ہوتا ہے جبکہ ایک آمر نے مہنگائی کے نام پر اس ملک میں مارشل لاء مسلط کیا اور پھر اس کے بعد ہی مہنگائی کے نام پر ہی بڑے بڑے معرکے ہوتے رہے اور جو مارشل لاء 1977ء میں لگا وہ بھی مہنگائی کے نام پر ہی شروع ہوا بہرحال میرے نزدیک مہنگائی اور سیاسی نظام کی پائیداری کا آپس میں چولی دامن کا تعلق ہے جب تک ملک میں پائیدار حکومت نہ ہو جب تک ملک میں سیاسی نظام ٹھیک طور پر نہ چل رہا ہو اس وقت تک ملک میں مہنگائی کو کسی طور پر بھی کنٹرول نہیں کیا جا سکتا بہرحال آج ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ آئی۔ایم۔ایف یعنی کہ International Monetary Fund کے کہنے پر جو ناسور اس ملک میں پیدا ہو گیا اور اس کی جڑیں جسم میں چلی گئی تھیں اس ناسور کو تھوڑا بہت ختم کرنے کے لیے ہر دفعہ آئی۔ایم۔ایف کے کہنے پر اس ملک میں قیمتوں کو بڑھا دیا جاتا ہے اور بدقسمتی یہ ہے کہ اس ایوان میں جس میں میں کھڑا ہوا ہوں اس کا 70 فی صد سے 50 فی صد جو حصہ ہے یہ حصہ اس علاقے سے تعلق رکھتا ہے اور اس کلاس سے تعلق رکھتا ہے جس پر کہ مہنگائی کا سب سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ میں چونکہ وسطی پنجاب کے اس علاقے سے تعلق رکھتا ہوں جہاں کے کسان بہت چھوٹی چھوٹی زمینیں رکھتے ہیں اور وہ اپنے گھاٹے کی کاشت کاری کر رہے ہیں اور انہیں اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں اور انہیں اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لیے مشکلات پیدا ہو رہی ہیں اس طرح کہ اس دفعہ کھاد ڈیزل اور زرعی ٹیوب ویل پر جو قیمتیں بڑھائی گئی ہیں یہ سراسر ناجائز ہیں میں کسی طور پر بھی ان کے حق میں نہیں ہو سکتا۔ جناب عالی اگر آپ نے آئی۔ایم۔ایف کے کہنے پر قیمتیں بڑھائی ہیں تو آپ کاروں کو ختم کر دیں ہم سائیکلوں پر چل سکتے ہیں آپ اس ملک میں ائر کنڈیشننگ کا نظام ختم کر دیں آپ اس ملک کو اگر اسلام آباد بنا رہے ہیں تو اسے کم کر دیں لیکن خدارا اس ملک میں کسان کو مت ختم کریں جناب والا! یہ قطعہ زمین جس پر ہم کھڑے ہیں ساری دنیا سے زرخیز ترین قطعہ زمین ہے اور ہمارا کسان جو سب سے زیادہ محنتی تھا

اب وہ پیچھے رہ گیا ہے اور ہمارا پانی بھی سب سے زیادہ اچھا ہے تو جناب والا! ہم اس وقت جو سب سے کم زرعی فی کس پیداوار اکر رہے ہیں اس کی کیا وجوہات ہیں کیا آپ اس پر غور کر سکتے ہیں کہ وہ ممالک جو کبھی گندم کا ایک دانہ بھی پیدا نہیں کرتے تھے وہی ممالک یعنی سعودیعرب اب ایکسپورٹنگ ممالک بن گئے ہیں اور وہاں پر گندم اتنی وافر مقدار میں پیدا کر رہے ہیں۔ یہاں 58ء میں مارشل لاء لگا 77ء میں مارشل لاء لگا ہر حکومت آئی لیکن کسان یہاں پس کر رہ گیا اور خاص طور پر وسطی پنجاب کا کسان جس کی بدولت ہم یہاں آئے ہیں اور جن کی ہم روزی کھاتے ہیں ہم کسی صورت میں بھی اس سے غداری نہیں کر سکتے۔(نعرہ ہائے تحسین) میری ان گزارشات کے ساتھ ایک گزارش یہ بھی ہے---

سید ذاکر حسین شاہ، پوائنٹ آف آرڈر۔ ہمارے دوست جناب والا! ڈیسک بجا کر سچی بات کا خیر مقدم تو کرتے ہیں کیا کبھی انہوں نے خود بھی سچی بات کی ہے اور کیا کبھی ان کا بھی ضمیر جاگا ہے کہ یہ بھی حکومت کے کسی اقدام پر تنقید کر سکیں۔ کیا کبھی ایسا ہوا ہے۔ ان کو کیا حق پہنچتا ہے کہ یہ ڈیسک بجائیں۔ یہ تو ہر بات کی انگوٹھا چھاپ ہیں یہ تو انگوٹھا لگاتے ہیں۔ ہماری طرف جو لوگ ہیں وہ اپنا صحیح نقطۂ نظر بیان کرتے ہیں۔

جناب سپیکر، مجھے افسوس ہے کہ یہ کوئی پوائنٹ آف آرڈر نہیں۔ شاہ صاحب آپ تشریف رکھیں۔

جناب جاوید محمود گھمن، جناب والا! میں یہ بات بھی عرض کرتا جاؤں کہ اس پنجاب میں جو لوگ کاشت کاروں کے بڑے ہم درد بنتے ہیں اور جو لوگ کاشت کاروں کا نام لیتے ہوئے نہیں تھکتے میں عرض کرتا ہوں کہ ایکسپورٹنگ پرائز مقرر کر دی جاتی ہیں لیکن آج دیکھیں کہ آلوؤں کی ایک ایک میل لمبی لائین لگی ہوئی ہے آئیں سیالکوٹ ضلع میں چل کر دیکھ لیں وہاں پر ایک ایک میل کی لائن لگی ہوئی ہے اور آلوؤں کو اٹھانے والا کوئی نہیں۔ جب گندم پیدا ہوتی ہے تو گندم کو اٹھانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ جب مونجی پیدا ہوتی ہے تو مونجی کو اٹھانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ کیوں آپ کاشت کار برادری اور زمیندار برادری کو فنا کرنا چاہتے ہیں؟ آپ یہ ملک انڈسٹری کی طرف لے جا رہے ہیں۔ آج بڑے بڑے کارخانوں کی باتیں کی جا رہی ہیں۔ آج یہاں بڑے بڑے محل تعمیر کیے جا رہے ہیں۔ آپ لاہور میں بیٹھ کر دیکھیں کہ کہیں آپ کو غربت نظر آتی ہے۔ ان سے پوچھیں یہ اپنے علاقے میں جائیں جہاں نہ علاج نہ معالجہ اور نہ کسی چیز کا واسطہ ہے جو ہیلتھ سنٹر بنا دیے گئے ہیں وہ آوارہ اور زنا کاری کے اڈے بنے

ہوئے ہیں۔ وہاں دوائی نام کی کوئی چیز نہیں (نعرہ ہائے تحسین)

جناب عالی! نظام تعلیم بھی آپ دیکھ لیں کہ آج دیہاتی علاقوں میں خاص طور پر غریب دیہاتی علاقوں میں ایک سازش ہو رہی ہے کہ وہاں جتنے بھی لڑکے پڑھ رہے ہیں ان کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں اور پھر انہیں کوئی نوکریاں بھی نہیں مل رہی ہیں۔ یہ سارے کا سارا مہنگائی کے ساتھ تعلق ہے۔

جناب سپیکر، شکریہ۔

جناب جاوید محمود گھمن، اس کا مہنگائی کے ساتھ ہی تعلق ہے۔(نعرہ ہائے تحسین)

جناب سپیکر، شکریہ۔

سید ذاکر حسین شاہ، جناب سپیکر! جب ہم نے ڈیسک بجائے ہیں تو آپ کہتے ہیں کہ شکریہ جب وہ ڈیسک بجا رہے تھے تو آپ خاموش تھے۔ آج گھمن صاحب سچی باتیں کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔(قہقہے)

جناب جاوید محمود گھمن، یہ تو کوئی قاعدہ نہیں کہ جب سچ کی بات ہو تو گھنٹی بجائی جائے۔ اس لیے سپیکر صاحب کو چاہیے کہ وہ گھنٹی بجانا بند کر دیں۔

میرے ایک بھائی یہاں اسمبلی میں بولے انہوں نے کہا کہ میں کاشت کار تنظیم کا نمائندہ ہوں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ آؤ ہڑتال کریں۔ یہ مجھے بتائیں کہ انہوں نے کاشت کارتنظیم میں غریب کاشت کاروں کے لیے کیا کیا ہے؟ یہ ایک قسم کی برائے نام اور حاشیہ بردار تنظیمیں ہیں۔ کوئی صحیح تنظیم نہیں۔ چیمبر کے نام پر حکومت پنجاب نے تنظیم سازی کے لیے چندہ اکٹھا کیا اور لاکھوں روپے ہضم کر گئے، کھا گئے۔ بتایا جائے کہ وہ چندہ کدھر گیا۔ کون سی تنظیم کاشت کاروں کے لیے بنی؟ آج میں اس فورم پر اپنی کسان برادری کو کہتا ہوں کہ حقوق جو ہوتے ہیں وہ مانگے نہیں جاتے۔ کسان برادری اگر حقوق حاصل کرنا چاہتی ہے تو وہ اپنی تنظیم پیدا کرے اور حاشیہ برداری کی تنظیم نہیں بلکہ ٹھیک تنظیم پیدا کرے اور پھر اپنے حقوق کے لیے لڑے۔ شکریہ۔

جناب سپیکر، جناب صدر شاکر صاحب۔ اس میں میں سمجھتا ہوں کہ صدر شاکر صاحب آخری مقرر ہوں گے۔

جناب فضل حسین راہی، ابھی غضنفر گل صاحب ہیں۔

جناب محمد صفدر شاکر: میں دو منٹ میں اپنی تقریر ختم کر لوں گا۔

جناب سپیکر: صفدر شاکر صاحب آپ تین چار منٹ میں اپنی تقریر ختم کر لیں۔

جناب محمد صفدر شاکر: ٹھیک ہے۔ شکریہ جناب سپیکر! میں اپنی تقریر کا آغاز اس شعر سے کرتا ہوں کہ۔

جس دور میں لٹ جائے فقیروں کی کمائی
اس دور کے سلطان سے کوئی بھول ہوئی ہے

جناب سپیکر! حالیہ قیمتوں میں اضافہ براہ راست اس طبقے پر پڑا ہے جو طبقہ سب سے مظلوم ہے۔ جس کو ہم زراعت پیشہ کہتے ہیں۔ پاکستان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھنے والا یہ طبقہ جس پر آج اتنا بوجھ ڈال دیا گیا ہے جو کہ اس کی برداشت سے باہر ہے۔

جناب سپیکر! حکومت وقت کو چاہیے کہ جب کوئی قیمتوں میں اضافہ کرے تو سب سے پہلے اس بات کو مد نظر رکھا جائے کہ جو فصل ایک زمیندار کاشت کرتا ہے اس پر کتنے اخراجات آتے ہیں۔ اس کی کاشت آف پروڈکشن کیا ہے؛ ایسا کرنے کے بعد پھر اس اجناس کی قیمت مقرر کی جائے لیکن اب یہ صورت حال ہے کہ کھاد جو کہ زمینداروں کو بلیک میں مل رہی ہے۔ ڈیزل وہ اس کی برداشت سے باہر ہے تو یہ باتیں ہمارے سوچنے کی ہیں۔ ہمیں پنجاب کے عوام نے اس لیے ووٹ نہیں دیا کہ ہم اس ایوان میں بیٹھ کر ایک دوسرے پر تنقید کریں۔ (نعرہ ہائے تحسین)

خدا کی قسم آپ ایک دوسرے پر تنقید میں یہ وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں آپ کو یہ بات آج واضح طور پر کہہ دیتا ہوں کہ اگر ہم اس وقت کو اسی طرح ضائع کرتے رہے تو پنجاب کے عوام آپ کو کبھی معاف نہیں کریں گے۔ آپ کو یہاں بیٹھ کر ان کے مسائل کی بات کرنی چاہیے۔ ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ جو ہمارے ملک پر اخراجات بڑھ رہے ہیں ان پر قابو کیسے پایا جائے لیکن ہم یہاں اسمبلیوں میں لڑائیاں کر رہے ہیں۔ عوام ہمارا تماشا دیکھ رہے ہیں تو بھائیوں میں اس ملک میں وسائل کو بڑھانے کے لیے اور قیمتوں پر قابو پانے کے لیے ایک تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہمارا جو انکم ٹیکس کا نظام ہے اس کو تبدیل کیا جائے۔ اس نظام میں تبدیلی یہ ہو کہ اس کو بدل کر اس کی جگہ fixed income tax کا نظام رائج کر دیا جائے اور میں یہ بات آج اس فلور پر کھڑے ہو کر دعوے سے کہتا ہوں کہ آپ اس نظام کو رائج کر

دیکھیے آپ کے ملک میں اتنا انکم ٹیکس ہو گا کہ اگر اس وقت جتنا پورے ملک کا انکم ٹیکس ہے اکیلے لاہور کا اتنا انکم ٹیکس ہو گا اور اس کے بعد پھر ہم دیکھیں گے کہ معیشت پر بوجھ کیسا پڑتا ہے۔ یہ کام کرنے کی باتیں ہیں۔ یہ یہاں جذباتی تقریریں کرنے کی باتیں نہیں ہیں۔

تو بھائیوں میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ ہمیں مل کر اپنے اختلافات کو بھلا کر اس صوبہ کی ترقی کے لیے' اس ملک کی ترقی کے لیے کام کرنا چاہیے۔ شکریہ۔

چودھری علی اکبر مظہر وینس، جناب سپیکر! میرا بھی نام ہے۔

میاں اظہر حسن ڈار، جناب سپیکر! میرا بھی نام ہے۔

چودھری علی اکبر مظہر وینس، غضنفر گل صاحب کی آخری تقریر ہو جائے یہ زیادہ پڑھے لکھے ہیں۔ میں صرف دو منٹ لوں گا۔

جناب سپیکر، تو مقررہ ٹائم جو ہے وہ تو ختم ہو رہا ہے۔ اس ساری بحث کے لیے مقررہ ٹائم جو ہے وہ تو ختم ہو رہا ہے۔ اب آپ دیکھیں کہ وینس صاحب بولنا چاہتے ہیں۔ اظہر حسن ڈار صاحب۔ نوابزادہ غضنفر گل صاحب۔ چودھری محمد فاروق صاحب اور حاجی عمر کلان خان ڈاہا صاحب کا نام بھی میرے پاس ہے۔ حاجی غلام رسول خان شادی خیل صاحب بھی بولنا چاہتے ہیں۔ ایسے تو میں سمجھتا ہوں کہ پھر افطاری یہاں ہو جائے گی۔ میرے خیال میں اب اس کا ٹائم ختم ہو رہا ہے تو کافی اس پر بحث ہو چکی ہے۔ تحریک التواء پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔

نوابزادہ غضنفر علی گل، جناب والا! ہمارا مضمون ہے۔ شاہ صاحب قریشی صاحب نے کچھ باتیں کی ہیں اس پر میں صرف بولنا چاہتا ہوں۔

جناب سپیکر، تو ادھر سے باقی سب لوگ وینس صاحب' اظہر حسن ڈار صاحب یہ اپنا حق آپ کو دینے کے لیے تیار ہیں۔

میاں اظہر حسن ڈار، ہم دیتے ہیں۔

جناب سپیکر، چلیں ٹھیک ہے۔

چودھری علی اکبر مظہر وینس، میں نہیں دیتا۔

جناب سپیکر، چلیں وینس صاحب ٹھیک ہے۔ صرف پانچ منٹ کے لیے غضنفر گل صاحب اپوزیشن کی طرف سے بات کریں گے۔

چودھری علی اکبر مظہر وینس، جناب سپیکر! میں نے صرف دو منٹ بولنا ہے۔ غضنفر گل صاحب نے تو کامے اور سٹاپ لگا کر چار گھنٹے لگا دیئے ہیں۔ (قہقہے)۔

جناب سپیکر، نہیں، نہیں پانچ منٹ سے چھٹا منٹ نہیں کرنا ہے۔

نوابزادہ غضنفر علی گل، جناب سپیکر! آج مجھے افسوس ہوا کہ اس ایوان کے فلور پر ہمارے وزیر منصوبہ بندی نے ایسی باتیں کی ہیں کہ جو اکنامکس سے اور اس کے fundamentals سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور شاید یہ اپنی حکومت کے پچھلے بجٹ کو بھی بھول گئے ہیں۔ کیونکہ میں نے اس وقت بھی یہ بتایا تھا کہ مرکزی حکومت نے افراط زر میں اتنے فی صد کمی کی ہے اور صوبائی حکومت نے اپنے اخراجات میں غیر ترقیاتی اخراجات میں افراط زر کی شرح سے بھی زیادہ کا اضافہ کیا ہے۔ ان کو شاید اس بات کا پتہ نہیں کہ افراط زر ہی خطرناک چیز ہے جو کہ قیمتوں کو بڑھاتی ہے اور وہ حقیقی قیمتیں نہیں بلکہ مصنوعی قیمتیں بڑھاتی ہے۔ قیمتوں کا بڑھنا اتنا خطرناک نہیں ہے افراط زر کا بڑھنا خطرناک ہے۔ وزیر منصوبہ بندی کو تو یہ بھی علم نہیں کہ افراط زر جو money supply سے بنتا ہے جو نوٹ چھاپنے سے بڑھتا ہے۔ جس کے پیچھے پیداوار یا سرمایہ نہیں ہوتا ہے وہ نوٹ چھاپنے سے قیمتیں اور افراط زر بڑھتا ہے وہ دوسری چیزوں کی قیمتیں بڑھانے سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ اسے spiral inflation کہتے ہیں یہ میری ذمہ داری نہیں کہ پانچ منٹ میں میں وزیر منصوبہ بندی کو منصوبہ بندی بھی پڑھاؤں اور اقتصادیات بھی پڑھاؤں۔ افسوس مجھے اس بات کا ہے کہ یہ قومی مسئلہ تھا اس کو بھی ہم نے صوبے اور مرکز میں بانٹ دیا ہے۔ قیمتوں کا بڑھنا اور وفاقی حکومت کسی علاقے کا نام نہیں۔ وفاق مشتمل ہے سارے صوبوں پر، مرکزی حکومت کی جو jurisdiction بطور وفاقی حکومت ہے۔ اس کے زیر تسلط territory ہے۔ اس پر عمل داری صوبائی حکومتوں کی ہے ان کے جو اعمال ہیں ان کے جو اخراجات ہیں ان کی جو شہ خرچیاں ہیں ان کی وجہ سے افراط زر بڑھتا ہے اور قیمتیں بڑھتی ہیں اور اس کا خمیازہ مرکزی حکومتوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ (نعرہ ہائے تحسین)

جناب والا! یہ ہمیشہ پنجاب میں کہتے ہیں کہ ہم نے کوئی نیا ٹیکس نہیں لگایا۔ بڑی حیرانگی کی بات ہے کہ

اگر آپ نے کوئی نیا ٹیکس نہیں لگایا تو پھر اخراجات کہاں سے پورے ہو رہے ہیں۔ ان سے پوچھیں کہ ٹیکس لگائے بغیر تو اس ملک کے اور کوئی ذرائع نہیں ہیں۔ ٹیکس لگائے بغیر تو یا پھر قرضے لیے جا سکتے ہیں یا غیر ملکی امداد لی جا سکتی ہے یا پھر خسارے کی سرمایہ کاری کی جا سکتی ہے۔ یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں کہ جو اس ملک کی اقتصادیات اور معیشت کے لیے "سم قاتل" ہے۔ جناب والا! سردار زادہ صاحب نے کہا ہے کہ ایک بیرل تیل کی قیمت 360 روپے ہے۔ میں انہیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ قیمت 450 روپے ہے اور یہ خام تیل کی قیمت ہے۔ اس پر ٹرانسپورٹ کا خرچہ ہے اس کے بعد وہ ریفائنری میں جاتا ہے اور جب وہ ریفائن ہوتا ہے تو بہت تھوڑی مقدار میں پٹرول نکلتا ہے۔ اس میں سے گند زیادہ نکلتا ہے۔ اس سارے عمل میں پٹرول کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ ہمارے ملک میں اب بھی انگلستان کی نسبت پٹرول کی قیمتیں کم ہیں۔ ہم نے پٹرول کی قیمتیں آج بھی کم رکھی ہوئی ہیں اور ہم پٹرول خود پیدا بھی نہیں کرتے۔ خام تیل ہم باہر سے لیتے ہیں اگر ادھر قیمتیں بڑھتی ہیں تو ہمارے لیے قیمتیں بڑھانا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ مرکزی حکومت کا کمال ہے کہ انہوں نے جس شرح سے خام تیل کی قیمتیں بڑھی ہیں اس کے لحاظ سے کم شرح سے اضافہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ ابھی ابھی ہندوستان میں اپنے دفاع میں دس فی صد کا اضافہ کیا ہے اور ہم اس سے بھی غافل نہیں رہ سکتے۔ ہم نے بھی اپنے دفاع میں اضافہ کرنا ہے۔ ہم باتیں تو کرتے ہیں کشمیر کے جہاد کی ہم باتیں تو کرتے ہیں افغانوں کو یہاں بسانے کی اب تیس لاکھ افغان جو اس ملک کی سرزمین پر ہیں افراط زر کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے۔ یہ جو ماہرین معیشت ہیں وہ آپ کو بتائیں گے یہ وزیر بے چارے آپ کو کیا بتائیں گے۔ قانون کے وزیر کو قانون کا پتا نہیں اور وزیر منصوبہ بندی کو اکنامکس کا پتا نہیں اور خزانے کے وزیر کو finances کا پتا نہیں۔ یہ عجیب طریقے سے صوبے کو چلایا جا رہا ہے یہ صوبہ اناڑی بچوں کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔ یہ انوکھا لاڈلا کھیلنے کو مانگتا ہے چاند یا تو ان لوگوں سے حکومت چلوائیں جن کو حکومت price mechanism آتے ہیں اب میں وزیر منصوبہ بندی کو price mechanism کیسے پڑھاؤں۔ اس کو پڑھنے کے لیے تو ایک عمر چاہیے' عمر تو انہوں نے گزار دی ہے گلی ڈنڈا کھیلنے میں اور سیاسی جوڑ توڑ میں اور حکومتوں میں اور اعتراض یہ ہو گیا ہے کہ پٹرول کی قیمتیں بڑھی ہیں۔ سردار زادہ صاحب نے کہا ہے کہ میں کاشت کاروں کی انجمن کا عہدے دار ہوں۔ یہی کاشت کاروں کے ساتھ سب

سے بڑی زیادتی ہے کہ ہم وڈیرے' زمیندار اور جاگیردار لوگ ان کی لیڈرشپ بھی اپنی جیب میں ڈال لیتے ہیں۔ (نعرہ ہائے تحسین)

اور پھر بات کرتے ہیں وزیرمنصوبہ بندی کہ پنجاب کا کاشت کار پس گیا ہے۔ مجھے قسم ہے وحدہ لاشریک کی کہ پنجاب کی86 فی صد آبادی کا کاشت کار اس دن پس گیا تھا جب فوجی آمروں نے اسے صوبے کے اوپر ایک سرمایہ دار شہری کی حکومت ان پر مسلط کر دی تھی۔ (نعرہ ہائے تحسین) کیونکہ ہمارے مقدر کا فیصلہ اس شخص کے ہاتھ میں ہے جو ہماری تکلیف نہیں جانتا اور ہمارا مقدر اس شخص کے ہاتھ میں ہے جو ہمارے پیشے سے منسلک نہیں ہے۔ وہ پکے گھر سے نکلتا ہے اور پکی موٹر پر بیٹھتا ہے اور پکی سڑک پر آ جاتا ہے اس کا تو جوتا بھی گیلا نہیں ہوتا اور ہمیں گھر میں سے جانے کے لیے نالی میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ پنجاب کی قسمت کا فیصلہ اس دن ہو گیا تھا جب کاشت کاروں کے پنجاب میں سرمایہ دار کی حکومت' ایک مصنوعی حکومت قائم کر دی گئی تھی۔ پنجاب کے کاشت کاروں کا مداوا اس دن ہو گا کہ جب پنجاب کے کاشت کاروں پر ان کا حقیقی نمائندہ حکومت کرے گا۔ پھر کاشت کاروں کی حالت بدلے گی۔ (نعرہ ہائے تحسین)۔

اس کے بعد میں deficit کے متعلق عرض کرتا ہوں وزیرمنصوبہ بندی نے کہا ہے کہ ٹھیک ہے کہ وفاقی deficit کو کم کرنا ہے تو اس کے لیے کچھ اور کریں یہ وفاقی deficit کیسے پیدا ہوا ہے؟ یہ وفاقی deficit ایسے پیدا ہوا ہے کہ صوبہ پنجاب جو کبھی surplus ہوتا تھا۔ لیکن پچھلے چند سالوں سے جب سے پنجاب کی حکومت سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں آئی ہے تو پنجاب کا surplus صوبہ deficit میں چلا گیا ہے۔ یہ بھی deficit ہے اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ مرکز ہمیں دے۔ ہم آپ کو پیسے دیں آپ کی شاہ خرچیوں کے لیے اور ان کاموں کے لیے جن کا میں نام نہیں لینا چاہتا اس ایوان کے اندر مجھے شرم آتی ہے نام لیتے ہوئے۔اور آپ کا سرمایہ کہاں خرچ ہو رہا ہے۔ اگر میں گنوانا شروع کر دوں تو آپ کو پتا لگ جائے۔ اور پھر جناب والا! inflation base کرتی ہے corruption رشوت پر رشوت کا پیسہ جب سر کولیشن میں آتا ہے اس سے افراط زر پیدا ہوتا ہے۔ پھر جتنی بلیک منی ہے اس کا کوئی اکاؤنٹ نہیں ہے۔ books نہیں ہیں۔ اس کے وجہ سے افراط زر بڑھتا ہے۔ میں کیا کیا انہیں پڑھاؤں۔ اس کی علاوہ جناب والا! میں یہ عرض کروں گا کہ ہمارا سرمایہ دار جو سرمایہ کاری کر رہا ہے وہ non

productive goods پر کر رہا ہے۔ وہ non productive industry پر سرمایہ کاری کر رہا ہے۔ آئیے میں آپ کو افراط زر کی تھوڑی سی definition پڑھا دوں۔

جناب سپیکر، نوابزادہ صاحب اپنی تقریر ختم کیجیے۔

نوابزادہ غضنفر علی گل، افراط زر کی definition یہ ہے کہ---

جناب سپیکر، نوابزادہ صاحب ختم کیجیے۔ وقت ختم ہو گیا ہے۔

نوابزادہ غضنفر علی گل، جناب سپیکر! مجھے inflation کی جانے دیں۔

جناب سپیکر، نوابزادہ صاحب آپ تشریف رکھیں۔

چودھری محمد فاروق، جناب سپیکر! میں نے بھی کچھ تھوڑی سی گزارش کرنی تھی۔

جناب سپیکر، میرے خیال میں اب کافی بات ہو چکی ہے۔

چودھری محمد فاروق، ٹھیک ہے۔

جناب سپیکر، میں سمجھتا ہوں کہ اس پر اب کافی سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔ قبل اس کے کہ میں اس اجلاس کو prorogue کرنے کے بارے میں آگے بڑھوں۔ میں یہاں پر خصوصی طور پر اس بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ یہ اجلاس اگرچہ بہت مختصر رہا۔ دو دن کا اجلاس تھا اور آزادی صحافت کے بارے میں تمام معزز اراکین نے contribute کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اجلاس بہت مفید رہا۔ اس لحاظ سے مفید رہا کہ اس پر بہت سیر حاصل بحث اس سے پہلے آزادی صحافت کے موضوع پر اس ایوان میں ایسی باتیں نہیں ہوئیں۔ اس کے علاوہ ایک متفقہ قرارداد بھی اس ایوان میں پاس کی گئی جو میں سمجھتا ہوں کہ ایک بہت قیمتی دستاویز ہے آزادی صحافت کے بارے میں یہ ساری پنجاب اسمبلی کا یہ کریڈٹ ہے کہ ہم نے یہ قرارداد اپنے جرنلسٹ بھائیوں کے لیے پاس کی۔ اس کے ساتھ ہی آج یہاں ایک ایسا واقعہ بھی پیش آیا ہے جو نہایت ناگوار اور افسوس ناک ہے۔ میں اس بارے میں ذاتی طور پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس واقعہ کے تمام الفاظ اس وقت کے سپیکر نے کارروائی سے حذف کر دیے ہیں۔ اور جو حذف شدہ الفاظ ہوتے ہیں وہ رپورٹ نہیں ہوا کرتے۔ میں خصوصی طور پر ذاتی طور پر اس بارے میں یہ عرض کروں گا کہ ہمیں چونکہ جمہوریت کی راستے پر چلنا ہے۔ ہم نے اپنی جمہوری قدروں کو زیادہ بہتر بنانا ہے ہم

نے پارلیمانی روایات کو اور بہتر بنانا ہے جس کے لیے مثبت راہوں پر چلنے کی کوشش کرنی ہے۔ ہمارا راستہ ہماری منزل جمہوریت کی منزل ہے۔ جمہوری اقدار کو اپنانا اس کے لیے لازم ہے اس میں چھوٹی موٹی باتیں ہو جایا کرتی ہیں۔ اس سے صرف نظر کرنا عین مناسب ہے اور ان چیزوں کو نظر انداز کرنا میں سمجھتا ہوں کہ جمہوریت کی خدمت ہے اور ہمیں اپنی منزل سے قریب کرنے کے مترادف ہے۔ میں خصوصی طور پر جرنلسٹ حضرات سے یہ استدعا کروں گا کہ وہ اس واقعہ کو براہ مہربانی highlight نہ کریں۔ اور اس کو سرے سے ہی جیسے یہ حذف کیا گیا ہے اس کو اسی جذبے کی ساتھ اور اسی روح کے ساتھ اسے take up کریں۔ شکریہ۔

In exercise of the powers conferred on me under Article 54 read with Article 127 of the Constitution of the Islamic Republic of Pakistan, I, Mian Manzoor Ahmed Wattoo, Speaker, Provincial Assembly of the Punjab, hereby prorogue the Provincial Assembly of the Punjab with immediate effect.